ماہنامہ
حنا
اکتوبر 2020
PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

ناولٹ

مکمل ناول

سلسلے وار ناول

افسانے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! اکتوبر کا شمارہ 2020ء پیش خدمت ہے۔

وقت کی رفتار تیز ہوئی تو تبدیلی کا عمل بھی تیز ہو گیا ہے۔ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ سوچ، فکر، عمل، رشتے، اقدار ہر چیز تیزی سے بدل رہی ہے، تغیر ہی راز حیات ہے۔ صنعتی زندگی خوف، انتشار اور پریشانی نے سوچ وفکر پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ تیز تر تبدیلی کے اس عمل میں انسان پیچھے رہ گیا ہے۔ اس کی پہچان گم ہو گئی ہے۔ اس کی فطرت میں جو عنصر شامل کیے گئے ہیں ان سے انحراف نے اسے سکون قلب سے محروم کر دیا ہے۔

انسان نے ازل سے ہی اس کائنات کو سنوارنے کے۔ آنے والے زمانوں کو بہتر بنانے کے۔ تیرگی کو روشنی میں بدلنے کے اس محدود زندگی کو لامحدود بنانے کے خواب دیکھے ہیں اور ان کی تعبیر پانے کی کوششوں نے ہی زندگی کو ترقی کی بلندیوں سے ہم کنار کیا ہے۔

عہد حاضر کی برق رفتار زندگی اور ہر لمحہ تیزی سے بدلتی دنیا میں وہ خواب دھندلا گئے ہیں۔ اس ہماہمی میں انسان اپنی فطرت اپنے اصل سے بچھڑ کر زندگی کی سچائیوں کی پہچان کھو بیٹھا ہے۔

جو کچھ ہمیں دکھایا جاتا ہے، ظاہر ہوتا ہے ہمیں نظر آتا ہے وہ پورا سچ نہیں ہے۔ حقیقت اس سے دور کہیں پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ حقیقت کو جاننے، سمجھنے اور پرکھنے کے لئے اس نظر کی ضرورت ہے جو ہر تعصب سے پاک ہو۔ تہذیبی لسانی اختلافات، مذہب، مسلک ہر تفریق سے بالاتر ہو، غلط اور صحیح کی پہچان رکھتی ہو۔ اپنے ذہن کو تمام تعصبات سے نکال کر وسعتوں سے ہم کنار کیجیے۔ ایک اچھا انسان بہت قیمتی ہوتا ہے، خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا، وہ جہاں بھی رہے اس کے وجود کی خوشبو ارد گرد کی فضا کو معطر رکھتی ہے۔ اپنی سوچ کے دائرے کو وسیع کر کے معنویت دیں، تب ہی باہمی اعتماد کی فضا ہموار ہو گی اور ہمیں اور ہمارے بعد آنے والوں کے مستقبل کو استحکام مل سکے گا۔

اس شمارے میں:۔ فوزیہ سرور اور بشریٰ سیال کے مکمل ناول، سباس گل اور ندا حسین کے ناولٹ، صباء جاوید، عائشہ سکندر، سندس جبیں، حنا بشریٰ، عشاء بھٹی اور اُم اقصیٰ کے افسانے، اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

شام شہروں میں شمعیں جلا دیتا ہے تو
یاد آ کر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے تو

آرزو دیتا ہے دل کو موت کی وقت دعا
میری ساری خواہشوں کا یہ صلہ دیتا ہے تو

حد سے بڑھ کر سبز ہو جاتا ہے جب رنگ زمیں
خاک میں اس نقش رنگیں کو ملا دیتا ہے تو

تیز کرتا ہے سفر میں موج غم کو یورشیں
بجھتے جاتے شعلہ دل کو ہوا دیتا ہے تو

دیر تک رکھتا ہے تو ارض و سما کو منتظر
پھر انہی ویرانیوں میں گل کھلا دیتا ہے تو

اے منیر اس بات کے افلاک پر ہونا ترا
اک حقیقت کو فسانہ بنا دیتا ہے تو

منیر نیازی

دل کی دنیا میں ہے روشنی آپؐ سے
ہم نے پائی نئی زندگی آپؐ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم
ہم کو ایماں کی دولت ملی آپؐ سے

کل بھی معمور تھا آپؐ کے نور سے
ہے منور جہاں آج بھی آپؐ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا
راہ و رسم محبت چلی آپؐ سے

دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلیِ علی
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپؐ سے

ختم ہے آپؐ پر شان پیغمبری
یہ روایت مکمل ہوئی آپؐ سے

ناصر کاظمی

ایک قوم سے لڑائی کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم لوگ قیامت کے قریب ایسے لوگوں سے لڑو گے، جن کے جوتے، بالوں کے ہوں گے، ان کے منہ گویا ڈھالیں ہیں چوڑی، ان کے چہرے سرخ ہیں اور آنکھیں چھوٹی ہیں۔''

(صحیح مسلم)

قحطان کے آدمی کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ (قبیلہ قحطان کا) ایک شخص نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لکڑی سے ہانکے گا۔''

(صحیح مسلم)

جہجاہ کا بیان

سیدنا ابو ہررہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''دن اور رات ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ ایک شخص بادشاہ ہوگا جس کو جہجاں کہیں گے۔''

(صحیح مسلم)

یمن کی ہوا کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ ریشم سے زیادہ نرم ہوا یمن سے بھیجے گا جو کسی آدمی کو نہ چھوڑے گی جس میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔''

(صحیح مسلم)

قیامت شریر لوگوں پر قائم ہوگی

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔''

(صحیح مسلم)

جھوٹے دجال

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال پیدا نہ ہوں گے۔ (دجال کے معنی مکار، فریبی ہیں) اور ہر ایک یہ کہے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

(صحیح مسلم)

یہودیوں سے جنگ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہود سے لڑیں گے پھر مسلمان ان کو قتل کریں گے، یہاں تک کہ یہودی کسی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت بولے گا کہ ''اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے ایک یہودی ہے، ادھر آ اور اس کو قتل کر دے مگر غرقد کا درخت نہ بولے گا، (وہ ایک کانٹے دار درخت ہے جو بیت المقدس کی طرف بہت زیادہ ہوتا ہے) وہ یہود کا درخت ہے۔''

(صحیح مسلم)

عیسائیوں کی تعداد

موسیٰ بن علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ مستورد قرشی نے کہا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ۔

۱ ''قیامت اس وقت قائم ہوگی جب نصاریٰ سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔'' (یعنی ہندو اور مسلمانوں سے)

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''دیکھ تو کیا کہتا ہے؟''

مستورد نے کہا کہ ''میں تو وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔''

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''اگر تو کہتا ہے (تو سچ ہے) کیونکہ نصاریٰ میں چار خصلتیں ہیں، وہ مصیبت کے وقت نہایت حوصلہ والے ہیں اور مصیبت کے بعد سب سے جلدی ہوشیار ہوتے ہیں اور بھاگنے کے بعد سب سے پہلے حملہ کرتے ہیں اور سب لوگوں میں مسکین، یتیم اور ضعیف کے لئے بہتر ہیں اور ایک پانچویں خصلت ہے جو سب لوگوں سے نہایت عمدہ ہے کہ وہ بادشاہوں کے ظلم کو روکتے ہیں۔''

(صحیح مسلم)

قیامت سے پہلے قتل وخون

سیدنا یسیر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی، ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا کہ اے عبداللہ بن مسعود قیامت آئی، یہ سن کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے اور پہلے وہ تکیہ لگائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ترکہ نہ بٹے گا اور لوٹ سے خوشی نہ ہوگی'' (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو لوٹ کی کیا خوشی ہوگی) پھر اپنے ہاتھ سے شام کے ملک کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ''دشمن (نصاریٰ) مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے۔''

میں نے کہا کہ ''دشمن سے تمہاری مراد نصاریٰ ہیں؟''

انہوں نے کہا کہ ''ہاں اور اس وقت سخت لڑائی شروع ہوگی، مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کے لئے آگے بڑھے گا اور بغیر غلبہ کے نہ لوٹے گا۔

(یعنی اس قصد سے جائے گا کہ لڑ کر مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے) پھر دونوں فرقے لڑیں گے یہاں تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی

کو غلبہ نہ ہوگا اور جو لشکر لڑائی کے لئے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا، (یعنی اس کے سب لوگ قتل ہو جائیں گے)۔

دوسرے دن پھر مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے جو مرنے کے لئے یا غالب ہونے کے لئے جائے گا اور لڑائی رہے گی یہاں تک کہ رات ہو جائے گی پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہوگا اور جو لشکر آگے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا۔

جب چوتھا دن ہوگا تو جتنے مسلمان باقی رہ گئے ہوں گے وہ سب آگے بڑھیں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ کافروں کو شکست دے گا اور ایسی لڑائی ہوگی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا ویسی لڑائی کسی نے نہیں دیکھی ہوگی یہاں تک کہ پرندہ ان کے اوپر یا ان کے بدن پر اڑے گا پھر آگے نہیں بڑھے گا کہ وہ مردہ ہو کر گر جائے گا۔

ایک جدی لوگ جو گنتی میں سو ہوں گے ان میں سے ایک شخص بچے گا، (یعنی ننانوے فیصد آدمی مارے جائیں گے اور ایک باقی رہ جائے گا) ایسی حالت میں مال غنیمت کی کون سی خوشی حاصل ہوگی اور کون سا ترکہ بانٹا جائے گا؟ پھر مسلمان اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک اور بڑی آفت کی خبر سنیں گے، ایک پکاران کو آئے گی کہ دجال ان کے پیچھے ان کے بال بچوں میں آ گیا، یہ سنتے ہی جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہوگا اس کو چھوڑ کر روانہ ہوں گے اور دس سواروں کو جاسوسی کے طور پر روانہ کریں گے۔'' (دجال کی خبر لانے کے لئے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں ان سواروں کے اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں اور ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتا ہوں اور وہ اس دن ساری زمین کے بہتر سوار ہوں گے یا اس دن بہتر سواروں میں سے ہوں گے۔''

(صحیح مسلم)

دجال سے پہلے مسلمانوں کی فتوحات

سیدنا نافع بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ لوگ مغرب کی طرف سے آئے جو اون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ٹیلے کے پاس ملے وہ لوگ کھڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے۔

میرے دل نے کہا کہ تو چلا جا اور ان لوگوں کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان میں کھڑا رہ، ایسا نہ ہو کو یہ لوگ فریب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار ڈالیں، پھر میرے دل نے کہا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چپکے سے کچھ باتیں ان سے کرتے ہوں (اور میرا جانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزرے) پھر میں گیا اور ان لوگوں کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان میں کھڑا ہو گیا، میں نے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار باتیں یاد کیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہاتھ پر گنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

''پہلے عرب کے جزیرہ میں (کافروں سے) جہاد کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کو فتح کر دے گا پھر فارس سے جہاد کرو گے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی فتح کر دے گا، پھر نصاریٰ سے لڑو گے، روم والوں سے اللہ تعالیٰ روم کو بھی فتح کر دے گا، پھر دجال سے لڑو گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی فتح کر دے گا۔''

☆☆☆

ابن انشاء

تینوں دسیا تے توں ہسنا ایں
اسیں تینوں کجھ نئیں دسنا اے

بس اگ اپنی وچ جلنا اے
اور آپے پکھا جھلنا اے

اَسیں پکے آں تو خام کڑے
کجھ ہویا نئیں کی ہونا سی

اک دن دا ہسنا رونا سی
اوہ ساگر چھلاں ایویں سی

اوہ ساریاں گلاں ایویں سی
پر چرچا کرنا تمام کڑے

اسیں کہندے کہندے مر جانا
توں ہسدے ہسدے مر جانا

اَسیں اجڑے اجڑے رہ جانا
توں وسدے وسدے مر جانا

ہاں سوچ لیا انجام کڑے
اک گھر وچ دیوا بلدا ای

کی دیکھ سندیسے گھلدا ای
کیوں پورب پچھم جانی ایں

کیوں من اپنا بھٹکانی ایں
گھر آ جا پے گئی شام کڑے

دسویں قسط کا خلاصہ

آیت کو تایا کے گھر پہ کھلے دل سے قبول کیا جاتا ہے کسی بھی پریشانی سے بچنے کو تاؤ آیت کے تجدید نکاح کی تجویز پر عمل کرتے ہیں مگر آیت اس اہم موقع پہ اس نکاح کو مشروط کر دیتی ہے، ایشال سے آزر کے نکاح کو، اس شرط کو مان لیا جاتا ہے۔

حمدہ اپنی ماں کی تشویش ناک حالت سے پریشان ہے اسے لگتا ہے اس کی ماں بچ نہیں سکے گی، حسین سے رقم مانگنے کا اپنا فیصلہ اسے غلط دکھائی دے رہا ہے۔

اشعر جہاد کے لئے جا چکا ہے، مگر خالہ کو ہر دم بیٹے کی یاد آنسو رلاتی رہتی ہے۔

گیارہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

اپنی بوسیدگی فکر کی آلائش سے مفر ہم کو نہیں
اس لئے خوف میں پنہاں ہیں وجوہات ستم
صبر کی اتنی شکایات کہاں تک سنتے
درد کی لہر سے بے زہر رفیقان جہاں
اپنے مردار پہ مٹی ہی نہیں ڈال گئے
اب تو ہم اپنے نقش کی سزا کاٹیں گے
اک جگہ ٹھہرے خیالات بھی پانی کی طرح ہوتے ہیں
ساکت و جامد و ویران و پشیمان نگر
بے یقینی کے تنفس کی ہی بے ترتیبی
ایک دن شہر کو لے ڈوبے گی
سارے بے نور مقامات اکٹھے ہو کر
اک جگہ ٹھہر گئے ہوں جیسے
ساری بے رنگ تمنائیں علیحدہ ہو کر
جا بجا پھیل گئیں خواب کے ویرانے میں
زندگی نگر اور نظر
بیت گئے مر گئے انجانے میں
سوچ کا ذکر بہت ہے ملتا افسانے میں مگر
ذکر کے ہاتھ بندھے رہتے ہیں
خواب کے پاؤں نہیں ہیں کہ نظر آئے گا چلتا پھرتا
بے یقینی میں گھری عقل سے بو آتی ہے
صبر ہر چیز کا حل ہوتا تو کیا اچھا تھا

وہ بہت غصے میں گھر کے اندر داخل ہوئی تھی، راہ میں آئی ہر شے کو طیش کے عالم میں ٹھوکروں سے اڑاتی ہوئی۔

''بی بی جی آپ...... آپ کہاں چلی گئی تھیں۔'' ملازمہ اسے دیکھ کر بھاگی آئی، آیت نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

''مام کہاں ہیں بلاؤ انہیں۔''

''آپ اندر تشریف لائیں۔'' ملازمہ مودب تھی، آیت کو مزید قہر چڑھا۔

''تمہیں سنا نہیں کیا کہا میں نے تم سے۔'' وہ دھاڑ اٹھی، سیدھی تھانے سے ہی ادھر آئی تھی، جا کر ایس ایچ او کو خود اپنا بیان دیا تھا کہ اسے اغواء نہیں کیا گیا، بلکہ وہ اپنی مرضی سے اپنے شوہر کے گھر گئی ہے، مگر وہاں ازلی ہیٹ دھرمی اور لاقانونیت کا راج تھا، فرمایا گیا۔

''ایف آئی آر درج ہو گئی ہے بی بی اور کروانے والے بہت با حیثیت لوگ ہیں، اگر آپ معاملہ رفع دفع کرنا چاہتی ہیں تو ان کو منائیں کہ وہ ایف آئی آر واپس لیں، ملزم اسی صورت میں

باہر آسکتا ہے۔''

تاؤ جی محسن اور آزر بے بسی سے اس کی شکل دیکھتے رہ گئے تھے۔

''میں معیز سے مل کر آتی ہوں۔''

اس نے آزر سے کہا تھا اور لاک اپ کی طرف آ گئی، معیز سلاخوں کے پیچھے موجود تھا اور جیسے چند گھنٹوں کے اندر مرجھا گیا تھا، تاؤ نے بتایا تھا اس نے وہ ناشتہ بھی نہیں کیا جو وہ اس کے لئے لے کر آئے تھے۔

''تم...... کیوں آئی ہو یہاں......؟'' معیز اسے دیکھ کر تلخ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

''میں سمجھ رہی تھی اگر میں خود یہاں آ کر اپنا اسٹیٹ منٹ دوں گی تو آپ لاک اپ سے باہر آ سکتے ہیں مگر......'' وہ افسردگی نظر آئی، معیز نے گہرا سانس بھرا۔

''چلو اب سمجھ آ گئی کہ ایسا نہیں ہو گا، واپس جاؤ۔'' اس کے انداز سے ظاہر نہیں ہو سکا وہ اس سے کس حد تک ناراض ہے۔

''معیز...... آپ فکر نہیں کریں، میں آپ کو یہاں سے ضرور نکلواؤں گی۔'' سلاخوں کو تھامے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتی وہ کیسی اپنائیت سے بولی تھی، معیز بے طرح چونک اٹھا۔

''تم...... یہاں دوبارہ ہرگز نہیں آؤ گی چاہے میں ساری عمر یہاں سے نہ نکلوں پھر بھی نہیں سنا تم نے۔'' وہ ایک دم تحکم سے کہہ رہا تھا، آیت اسے مضطرب سی دیکھنے لگی۔

''معیز!''

''شٹ اپ آیت...... تمہیں سمجھ نہیں آتی میں کیا کہہ رہا ہوں، یہ جگہ اس قابل نہیں کہ تم...... بات کو سمجھو آیت پلیز۔''

غصے میں کہتا وہ ایک دم عاجز ہو کر رہ گیا، آیت کی آنکھیں نم ہوتی چلی گئی تھیں۔

''اوکے اوکے...... آپ ٹینس نہ ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا، پلیز کچھ کھا لیں۔'' اس کے لہجے میں بھیگا بھیگا اصرار تھا، لجاجت تھی، معیز اسے دیکھتا رہا پھر اپنے تنے ہوئے اعصاب کر ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''کیوں کر رہی ہو یہ سب؟'' اور آیت اس سوال پہ بہت ہرٹ نظر آنے لگی، زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا ابھی بھی کسی وضاحت کی ضرورت ہے، کیا لازم ہے بہت کہ اپنا نسوانی وقار داؤ پہ لگا کر میں......'' اس کا گلا اتنا بھرایا تھا کہ یکدم چپ ہو گئی، معیز کے لبوں پہ مسکراہٹ اتر آئی۔

''ہاں...... لازم ہے بہت...... کہ تم محبت کا اظہار کرو مجھ سے...... مجھے بتاؤ کہ تم میرے بنا ادھوری تھیں جبھی اتنا بڑا قدم اٹھایا مگر آیت...... یہ جگہ یہ مقام مناسب نہیں، تم واپس جاؤ، اور دعا کرو اگلی ہماری ملاقات بہت اچھی جگہ اور ماحول میں ہو۔'' مسکراہٹ سمیٹتا ہوا لہجے میں اتر آنے والی تھکاوٹ کو نہیں سمیٹ سکا، آیت نم آنکھیں پونچھتی آہستگی سے سر ہلا گئی۔

''ٹیک کیئر۔'' معیز نے محض سر ہلا دیا تھا، آزر اور محسن کے ساتھ تاؤ ابھی تھانے میں ہی تھے مگر وہ ماما کے پاس چلی آئی تھی، اس کے دل و دماغ میں طوفان اٹھ رہے تھے۔

''بالکل ٹھیک سنا تھا کہ اگر چوہے کو پکڑنا ہو تو پھندہ لگا دو، مگر یہ نہیں اندازہ تھا کہ چوہے کے شکار کے ساتھ صبح گوہر نایاب بھی واپس مل جاتے گا، میری اچھی بیٹی مجھے بتائے گی آخر اس عام سے پروفیسر میں اسے کیا نظر آیا کہ ماں کی محبت کو یوں دغا دے کر اس کے ساتھ بھاگ گئی؟'' مام نے آتے ہی تاک کر اس پہ نشانہ لگایا تھا، وہ سلگتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتی چند قدم آگے بڑھ آئی۔

''سنا تو میں نے بھی تھا کہ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ کے وار کرتی ہے مگر مام آپ نے تو لفظ ماں کی حرمت کا بھی لحاظ نہ رکھا، اپنی اولاد کو ہی ڈسنے لگیں، جتنے میں آپ نے ترندی سے ڈیل کی ہے اماؤنٹ بتا دیں، میں ادائیگی کر دوں گی آپ کو مگر اس کے بعد ہمارا پیچھا چھوڑ دیں، بہرحال میں اپنی زندگی آپ کے لالچ کی نذر نہیں کر سکتی۔'' اس کا قہر بھی پہلی بار ان کے سامنے عیاں ہوا تھا، مام ایک پل کو تو شاکڈ رہ گئیں۔

''یہ پیسے کی نہیں، انا کی جنگ ہے آیت، سن لو تم بھی میں کبھی ہار تسلیم نہیں کروں گی۔'' انہوں نے اعلان جنگ کیا تو آیت متاسفانہ نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

''آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا مام، ضد پہ نہ اتریں، میں نہیں چاہتی کیسی عدالت میں جائے اور آپ کی جگ ہنسائی ہو، مجھے کسی نے نہیں ورغلایا، میں اپنی مرضی سے معیز کے پاس آئی ہوں تو اس کی وجہ آپ کا جبری فیصلہ تھا۔''

''تم کچھ بھی کہو، میں اس اجڈ لڑکے کو ناکوں چنے تو ضرور چبواؤں گی، تم یہ کیس جیت نہیں سکتیں، بچپن کے نکاح کی اہمیت باقی نہیں رہے گی، میرا لائیر اسے چیلنج کرے گا اور......''

''ہمارا نکاح کل رات ہوا ہے اور رجسٹرڈ ہے، صرف میرا نہیں آزر کا بھی ایشال سے نکاح کرا دیا گیا ہے، مام آزر ایشال سے محبت کرتا ہے، بہتر ہو گا آپ بخوشی اس سچویشن کو قبول کر لیں، ورنہ آپ بیٹی کے ساتھ بیٹے کو بھی کھو بیٹھیں گی۔'' وہ مصالحانہ انداز میں انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مام تو جیسے اس اطلاع پہ بے ہوش ہونے کے قریب جا پہنچیں، پھر جو انہوں نے آیت اور آزر سمیت تاؤ کی فیملی کو کوسا اور مغلظات بکے تو آیت کو اپنے کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہونے لگا۔

''میں ایک ایک کر دیکھ لوں گی، اس بڈھے کھوسٹ تمہارے تائے نے مجھ سے میری اولاد کو چھینا ہے، چھوڑوں گی نہیں۔'' وہ ہاتھ میں آئی ہر شے اٹھا اٹھا کر اسے مار رہی تھیں، آیت متاسفانہ انداز میں انہیں دیکھتی، واپسی کو پلٹ گئی تھی۔

☆☆☆

تو نے کس خواب کے تابوت میں ڈالا ہے مجھے
تو نے کس عالم بے حال میں لا پھینکا ہے
ایسے مجس میں تو بینائی چلی جاتی ہے
خوف کے زرد اندھیروں کی طرح
دور تک پھیلی ہوئی خاموشی

میری کمزور ارادوں کے بدن چھیلتی ہے
ہم کسی محل مکافات کے ٹھکرائی ہوئی جاں کی طرح
ہانپتے کانپتے پژمردہ پڑے ہیں گویا
اتنی افسردہ فضا میں کوئی کیا بات کرے
لفظ حلقوم میں کانٹوں کی طرح چبھتے ہیں
اور اگر بولیں تو اتنی زور سے آلگتی ہے
آواز پلٹ کر دل پہ
جس طرح تیز ہواؤں کے تھپیڑے کسی دریاؤں میں
گردش خون ٹھہرتی نظر آتی ہے پریشانوں کو
ہم تو خبروں کی تسلی سے بھی ناواقف ہیں
ورنہ کچھ دیر بہل ہی جاتے
شائیں شائیں کس احساس سے مترشح ہے
آنکھ زخمی ہو تو چبھتا ہے اجالا بھی بہت
روح پر بوجھ ہے سانسوں کا تلاطم بھی کہیں
آسمانوں سے اتارا ہے ہمیں
اور یہ کس عیب کے پاتال میں لا پھینکا ہے
نیند کے جال میں لا پھینکا ہے

ساری تیاری مکمل تھی، بس اسے شیر خان کے کمرے کی لائٹ بند ہونے کا انتظار تھا، اپنے کمرے کی بتی اس نے معمول سے بھی جلدی بجھا دی تھی تو وجہ یہی تھی کہ وہ کسی کو شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی، خاص کر شیر خان کو، جیسے ہی اس کے کمرے کی لائٹ آف ہوتی اس سے دس منٹ بعد وہ گھر سے نکلتی، سارے عمل کامیابی سے پورے ہو گئے تھے، بہت مشکل وظائف پڑھے تھے میں نے اب یہ آخری اور سب سے کڑا مرحلہ تھا، اگر وہ پیر صاحب کی ہدایت کے مطابق یہ آخری عمل قبرستان کے باہر کر لیتی تو پھر حسین شاہ کو اس کا دیوانہ بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا، اس کا دل آنے والے وقت کے تصور کے ساتھ دھڑک کے جاتا تھا، تب جب حسین اس کے ہو جاتا، اس کی محبت نہیں بلکہ عشق میں گرفتار سب کچھ بھلا بیٹھتا، وہ وقت کیا حسین ہو سکتا تھا سوچ کر اس کے جسم میں شرارے سے پھوٹنے لگتے، حسین شاہ کو حاصل کرنے کی خاطر وہ ننگے پیر کانٹوں پہ چل سکتی تھی، یہ تو پھر محض ایک رات باہر گزارنے والی بات تھی، پیر صاحب نے تسلی دی تھی کہ وہ اس عمل کے دوران اسے اکیلا نہیں چھوڑیں گے، اس کی حفاظت کی خاطر خود اس کے ہمراہ رہیں گے، ہوس کا سب سے پہلا شکار عقل ہوتی ہے، عقل رخصت ہو جائے تو درست و غلط کی تمیز بھی ختم، شیطان کا پہلا حملہ ہی حیا پہ ہوتا ہے، حدیث کا مفہوم ہے۔

''جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو۔'' وہ بھی اندھی خواہش کے ہاتھوں شیطان کی غلام بنی جو چاہے کرنے کو تیار بیٹھی تھی، بالآخر سوا گیارہ بجے شیر خان کے کمرے کی لائٹ بند ہو گئی کہ معمول

کے مطابق اس نے پورے گھر کا چکر لگایا تھا، کھڑکیاں دروازے چیک کیے آیا کنڈیاں صحیح لگی ہیں پورچ کی لائٹ بند کی اور چابیاں جھلاتا کمرا میں چلا گیا، چند سیکنڈز بعد اس کے کمرے کی لائٹ بھی بند ہوگئی، وہ مسکرائی چابیوں کے اتنے بڑے گچھے سے ایک چابی کم ہوگئی تھی مگر شیر خان کو خبر تک نہ ہوسکی، یہ چابی صندلین نے دانستہ نکالی تھی، منصوبے کے مطابق اس نے واپس آ کر تالا لگا تو دینا تھا مگر چابی وہیں گیٹ کے پاس پھینک دینی تھی، تاکہ شیر خان کو شک نہ پڑ سکے، وہ یہی سمجھے کس طرح چابی رنگ سے نکل کر یہاں گر پڑی ہے، دس منٹ گزر گئے، ہر سو ہو کا عالم تھا، اس نے اپنے اوپر اوڑھی سیاہ گرم چادر کو اچھی طرح لپیٹا اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا لیا، جس میں وظیفے کا طریقہ اور وہ اشیاء تھیں جو اس عمل کے لئے درکار تھیں، محتاط قدم دھرتی وہ بے آواز باہر آئی، اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور یونہی آگے بڑھتی گئی، گیٹ سے کچھ فاصلے پہ اسے تھمنا پڑا، اس کے منصوبے میں پورچ کی لائٹ آف کرنا تھا جو شیر خان جاتے ہوئے پھر جلا گیا تھا، اسے شیر خان پہ بہت غصہ آیا، ٹائم تیزی سے بیت رہا تھا، ایک بجے اسے ہر صورت عمل شروع کرنا تھا، اس نے مزید احتیاط کو جھٹک دیا، اور جلتی لائٹ میں ہی گیٹ کی سمت بڑھ گئی مگر اس وقت اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا جب اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی کمر کو دونوں بازؤں سے جکڑ کر اسے ایسے کسا کہ وہ ہلنے کے قابل بھی نہ رہی، خوف اس کے دم کو ہونٹوں پہ لا کر روک گیا، پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ پلٹنا چاہتی تھی مگر پکڑنے والے نے اس کا منہ بھی بند کر دیا تھا اپنی مضبوط ہتھیلی سے۔

''ہلنا نہیں...... ورنہ ام یہیں تمہارا گردن مروڑ دے گا۔'' یہ غراہٹ شیر خان کی تھی، صندلین بری طرح پھڑ پھڑائی، کچھ ذہن بھی ریلیکس ہوا کہ معاملہ زیادہ خراب نہیں ہوا۔

''ماڑا ام کو اتنا غافل سمجھا ہوا ہے کہ اماری موجودگی میں تم گھر میں داخل ہوگا اور ہمیں خبر بھی نہ ہوگا۔'' اسے بے دردی سے گھسیٹتا ہوا وہ اپنے ہمراہ واپس اندرونی حصے میں لے جا رہا تھا، غالباً داجی کے کمرے کی طرف، تاکہ اپنے کارنامے کی داد ان سے حاصل کر سکے، یہ خیال ہی روح فرسا تھا، وہ بری طرح سے پھڑ پھڑائی اور پوری قوت صرف کر کے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹا دیا۔

''شیر خان...... چھوڑو...... ایڈیٹ...... چھوڑو مجھے...... ہاتھ ہٹاؤ۔'' دبی ہوئی آواز میں وہ دانت بھینچ بھینچ کر غرائی، بس نہ چل رہا تھا اس منحوس پٹھان کا گلہ دبا دے جس نے اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کو اس کا کام بگاڑ ڈالا تھا، شیر خان کو اس کی آواز سنتے ہی گویا ہزار وولٹیج کا بہت بڑا جھٹکا لگا، ایسے ہی اسے چھوڑ کر وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''چھوٹا بی بی آپ؟'' وہ بدحواس ہو گیا تھا، پھٹی پھٹی آنکھیں لئے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے، راتوں کو بھی کیوں سوتے مرتے نہیں آخر۔'' وہ بری طرح جھلائی، اس پہ چڑھ دوڑی۔

''مگر...... آ...... آپ کہاں جا رہا تھا، وہ بھی اس وقت۔'' شیر خان ہنوز بھونچکا تھا، کسی طرح بھی اپنی حیرت پہ قابو نہیں پا سکا۔

صندلین نے جواباً اسے قہر بار نظروں سے گھورا۔

''جہاں بھی جاؤں، تم سے مطلب، تم بک بک بند کرو اور جا کے اپنے کمرے میں دفع ہو۔''

وہ مٹھیاں بھینچ رہی تھی، یہ مداخلت اتنا طیش دلا رہی تھی کہ شاید واقعی شیر خان کا قتل کر ڈالتی۔

''ام کو کیوں مطبل نہیں، ام اس گھر کا محافظ ہوتا، بڑا بیگم صاب کو ہر بات کا جواب دہ، ہر نقصان کا ذمے دار۔'' شیر خان اچھا خاصا برا مان کر کہہ رہا تھا۔

''اچھا...... میری جان چھوڑو...... تم جاؤ یہاں سے۔'' وہ سخت چڑ کر کہتی اس کے سامنے باقاعدہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی، شیر خان ہنوز اسے الجھن آمیز نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔

''معاف کرنا چھوٹا بی بی مگر، آج ام کو اک بات بتا دو، کیا تم کسی لڑکے سے پیار کرتا اور رات کو اس سے ملنا چاہتا؟'' وہ بہت جرأت سے پوچھ رہا تھا، صندلین نے اکتا کر اسے دیکھا پھر گہرا سانس بھرا۔

''کاش...... جس سے میں پیار کرتی ہوں وہ ایسے چھپ کر مجھ سے ملنے کو تیار ہوتا ملتا تو سہی۔'' وہ ایسے بولی گویا رو دی ہو، معاً اس نے ایک دم تیور بدل لئے۔

''شیر خان اب تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ، مجھے ہر صورت جانا ہے، یاد رکھنا اگر تم نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں تمہیں قتل بھی کر ڈالوں گی۔'' اس کی آنکھوں میں واقعی خون اترنے لگا تھا، شیر خان ایک دم ٹھٹک گیا۔

''اوہ...... ام سمجھا آپ کہاں جانا چاہتا چھوٹا بی بی، چلو ام خود لے کر جاتا، آؤ۔'' وہ جیسے ایک دم کچھ ٹھان چکا تھا، صندلین نے بہت چونک کر اسے دیکھا۔

''لیکن جب میں نے تمہیں کہا تھا میرے ساتھ چلو تو تم مانے نہیں تھے۔'' وہ جتلا کر بولی، شیر خان کے چہرے پہ یاس پھیل گئی۔

''ام آپ کو کنوئیں میں گرنے سے بچانا چاہتا تھا چھوٹا بی بی، مگر خبر نہیں تھی آپ باز نہ آؤ گی اور خود کو ایسے بھی نقصان پہنچا سکتی ہو، آج ام خود چلے گا، یہ بتاؤ اس سے پہلے بھی آپ رات کو کبھی ایسے گیا؟'' وہ کسی خیال کے تحت کچھ سہم کر بولا تھا۔

''نہیں...... یہ پہلا عمل ہے جو آخری بھی ہوگا۔'' صندلین کے انداز میں سرشاری اتر آئی، شیر خان بھی جیسے مطمئن نظر آیا۔

''ٹھیک ہے آئیں، مگر آپ کسی پہ وہاں یہ ظاہر نہیں کریں گی کہ میں آپ کے ساتھ آیا ہوں، مچھلی جب تک پتھر نہ چاٹ لے واپس نہیں پلٹتی۔'' وہ زیر لب بولا تھا، صندلین نے آخری بات پہ دھیان نہیں دیا۔

''یہ بات راز رہے گی، تم کسی کو نہیں بتاؤ گے۔'' اس کے ہمراہ آگے بڑھتی وہ یقین دہانی چاہتی تھی۔

''بے فکر ہو جاؤ آپ۔'' شیر خان کا لہجہ پتھر جیسا تھا، وہ کیا ٹھان چکا ہے صندلین کو کیا خبر تھی۔

☆☆☆

رات جس خواب کے سائے میں سوئے تھے تمہارا تو نہ تھا
غم کی مہمیز ہمیں خواب کے پندار میں لے جاتی ہوئی کہتی ہے
تھوڑا استا ہی لیا جائے تو بہتر ہے مسافر کے لئے

خواب بھی دینے لگے ہم کو فریب
دل میں مضبوط نہ ہو اپنی شکایات میں تو اوروں کا گلہ کیا کرنا
دور بیٹھا ہوا چاہے کوئی بے چین کرے
آرزو اپنا سفر مانگتی ہے
بے ردائی بھی نہیں اچھی کہ سب لوگ ہیں
چھوڑو بے نام ونسب درد کو چھوڑو چھوڑو
ہم تمہیں خواب میں مل آئے تو خوش ہی رہتے
اور یہ نیندیں بھی یوں اپنا اڑاتیں نہ مذاق
سوطرح کے کسی اندوہ سے بچ ہی جاتے
اپنی برباد محبت کو گریبان پہناتے ہی رہیں گے کب تک
اس قدر چاک گریبان اسیری والے
روز دل روزن زنداں میں کرلاتا ہے
روز ہم صورت احوال سے ڈر جاتے ہیں
روز گھبرا کے پلٹ آتے ہیں بستی سے خیال
روز ویرانہ تعاقب میں نکل پڑتا ہے
جاگتے جاگتے آجاتی ہے آنکھوں میں خراش
خون رستا نہیں جم جاتا ہے
اور سلگ اٹھتا ہے بینائی میں بے نور چراغ
دل کی بے زاری کا بے نور چراغ
اور شکستہ کیے رکھتا ہے ملال
رات جس خواب کے سائے تلے سوئے تھے تمہارا تو نہ تھا
رات جس خواب میں ہم پھوٹ کے روئے تھے تمہارا تو نہ تھا

وہ خالی آنکھیں خالی ذہن لیے کب کی ساکت لیٹی ہوئی تھی، دادی دو بار آ گئی تھیں اسے جگانے مگر وہ کمبل سے سر نہیں نکالتی تھی۔

''طبیعت بھی ٹھیک ہے، پھر ایسے لیٹنے کی وجہ؟'' دادی کو اب اس پہ غصہ آنے لگا، جواب اب بھی ندارد تھا، انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا کمبل کھینچ دیا۔

''دونوں مل کر مجھے اچھی طرح پریشان کرلو، ادھر وہ شیر خان منہ ہاتھ سوجائے بیٹھا ہے، اللہ جانے کس سے مارا ماری کی، کہتا ہے رات کچھ چوروں نے گھر میں گھسنے کی کوشش کی، اچھی خاص مار کھا بیٹھا بیچارا، ادھر تم ہو۔'' وہ کچھ نہیں بولی، بس اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''حسین سے بات کرتی ہوں، ایک پستول خرید کر لادے، بیگانہ بچہ، خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو، سر پہ تو خاص چوٹ لگی ہے، دودھ میں ہلدی ملا کر دے آئی ہوں، کہہ رہا تھا ڈاکٹر کو نہ بلوائیں مگر میں نے کہاں ماننی، فون کر دیا ہے، تم تو کچھ بولو۔'' انہیں پھر اپنی کہتے اس پہ تپ چڑھی۔

”آپ شیر خان کو نوکری سے نکال دیں۔“ وہ بولی بھی تو کیا، دادی کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔
”تمہاری اس سے دشمنی ختم نہیں ہوئی ابھی، بچہ ہماری حفاظت میں جان کے در پے ہو گیا۔“ انہوں نے ملامت سے اسے دیکھا تھا، صندلین نے گہرا سانس بھر کیا۔
”میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے دادی، وہ حماقت کی حد تک بے وقوف ہے، کیا ضرورت تھی چوروں سے الجھنے کی، اگر وہ اسے زیادہ نقصان پہنچا دیتے تو آپ سمجھ سکتی ہیں ہم کس مشکل میں پڑ سکتے تھے۔“ اس کا انداز جھلایا ہوا تھا۔
”چلو دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے، ابھی تو تم اٹھ کے ناشتہ بنالو، تمہارے انتظار میں، میں نے بھی کچھ نہیں کھایا، اور وہ شیر خان بیچارا ابھی سوکھے پیٹ تکلیف سہہ رہا ہے۔“ دادی اسے ٹوکتی ہوئی اٹھ کر چلی گئیں، صندلین نے اضطراب بھرے انداز میں اپنا چہرا تھپتھپایا۔
(اگر شیر خان رات میرے ساتھ نہ جاتا، اگر وہ وہاں سے مجھے پیر سے چھڑا کر نہ بھگاتا تو کیا اب میں زندہ ہوتی؟)
اس کے دل میں خوف جاگزیں ہونے لگا، آنکھیں نم ہو گئیں۔
(پتا نہیں میری آنکھیں کیوں نہ کھلیں، پتا نہیں میں اتنی اندھی کیوں ہو گئی تھی)۔ اس کا ملال ختم نہیں ہو رہا تھا۔
(اور یہ سب حسین شاہ تمہاری وجہ سے ہوا، تمہیں کھونے کا احساس مجھے پاگل بنا رہا ہے، تم میرے مجرم ہو اور میں کبھی تمہیں حاصل کرنے تمہیں اپنے آگے جھکانے کی خواہش سے دستبردار نہیں ہوں گی چاہے مجھے مزید جو کچھ مرضی کیوں نہ بھگتنا اور سہنا پڑے) اس کے اندر پھر سے کوئی زخمی شیرنی غرانے لگی۔
”پہلے شیر خان کا ناشتہ بنا کر اسے دو، ڈاکٹر کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے، خالی پیٹ انجکشن کیسے لگوائے گا بچہ۔“
دادی کی ہدایت اس دیکھتے ہی پھر شروع ہو گئیں، وہ کچھ نہیں بولی، شیر خان کے لئے ناشتہ بنا کر ٹرے میں لگا دیا، ابلے ہوئے انڈے، دودھ پتی کا بڑا مگ پراٹھا اور رات کا سالن۔
”یہ تمہارا ناشتہ۔“ دروازہ اس نے کاندھے سے دھکیل کر کھولا تھا، ہلکی سی چڑ چڑاہٹ کی آواز ابھری مگر شیر خان اس طرح لحاف میں دبکا رہا تو اسے مخاطب کرنا پڑا تھا، ٹرے میز پہ رکھ کر اس نے پھر پکارا کہ وہ تو ابھی بھی نہیں ہلا تھا۔
”شیر خان!“ پکارنے کے ساتھ اس نے لحاف بھی کھینچا، سب سے پہلے اس کا چہرا ہی ننگا سامنے تھا، ماتھے پہ گومڑ آنکھ بھی سوجھی ہوئی تھی، صندلین اس سے بے ساختہ نظر چرا گئی۔
”ڈاکٹر کے آنے سے پہلے کچھ ضرور کھالو یہ دادی کا حکم ہے۔“ وہ ناراضگی سے بولی، شیر خان کراہتا ہوا اٹھا تو اسے اور غصہ آ گیا۔
”وہ بڈھا کھوسٹ جعلی پیر تم سے زیادہ طاقت ور نکلا، اتنے زخم دے ڈالے تمہیں۔“ انداز ملامتی تھا، شیر خان نے نظر اٹھا کر پہلی بار اسے دیکھا۔

''اگر ایسا ہوتا تو آپ یہاں نہ کھڑا ہوتی بی بی صاب۔'' اس کا انداز نہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ جتلا گیا، صندلین تلملا کر رہ گئی۔

''میں اس ڈھونگی پیر کو پولیس کے حوالے کروں گی، اتنا مال کھا گیا میرا۔''

''آپ کا اصل مال آپ کا عزت ہے بی بی صاب جو محفوظ رہا، شکر منائیں۔''

''میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔'' وہ بھڑک کر بولی تو شیر خان نے چونک کر اسے دیکھا تھا، پھر تنبیہ کے انداز میں بولا۔

''آپ ان چکروں سے نکل آؤ بی بی صاب، ام چاہتا تو رات بھی آپ کو نہ جانے دیتا وہاں بڑا بیگم صاب کو انوالو کر کے، مگر ام نے آپ کا آنکھیں کھولنے کے لئے یہ کیا، آپ اب باز نہ آیا تو ام مجبوراً بڑا بیگم صاب کو بتائے گا۔'' بہت سکون سے ناشتہ کرتا ہوا وہ کسے اسے ڈرا رہا تھا، صندلین کو آگ ہی لگ گئی۔

''تم دھمکا رہے ہو مجھے؟'' آنکھیں نکال کر وہ کیسی تلخی سے پوچھ رہی تھی، شیر خان نے بغیر کسی خاص تاثر کے سر نفی میں ہلایا۔

''نہیں ام تو آپ کو نصیحت کر رہا ہے۔''

''اونہہ، بڑا آیا نصیحت کرنے والا، اپنے پاس رکھو سب نصیحتیں، مجھے ضرورت نہیں، اپنی بیوی کو کرنا یہ سب۔'' وہ بک بک کرتی باہر نکل گئی، شیر خان کی آنکھوں میں تشویش لہرانے لگی تھی، اس کا خیال تھا وہ باز آ جائے گی، مگر اس پہ تو لگتا تھا کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا، وہ بہت سنجیدگی سے دادی کو اس سلسلے میں آگاہ کرنے کے متعلق سوچنے لگا۔

☆☆☆

عشق کے ساتھ جدائی بھی لگی رہتی ہے
چاند کے ساتھ سمندر بھی سفر کرتا ہے
ہم تجھے چاہنے نکلے تو محبت کے سمندر بھی بہت دور تلک
ساتھ چلے
کائناتوں کا تعلق ہے بہت آپس میں
خواہشیں خاک پہ کرتی ہیں اثر
اور دعائیں بھی بہت دستکیں دیتی ہیں
ہواؤں کی طرح
ہم ہواؤں میں تجھے چھوتے ہیں
ہم فضاؤں میں تجھے چومتے ہیں
ہم خلاؤں میں تجھے دیکھتے ہیں
ہم تو خود اپنے بھی اندر تجھے کرتے ہیں بہت ہی محسوس
جب سے ہم دکھ کی ریاضت کے خطاوار ہوتے
یہ ریاضت بھی تو دیتی ہے جواب

ایک خلقت کہ ہمیں ڈھونڈتی ہے
اک اداسی کہ ہمیں پوجتی ہے
اور کوئی سکھ ہمیں چھوتے ہوئے ڈر جاتا ہے
رات کے ساتھ بیابان بھی چل پڑتے ہیں
دشت میں ہجر کے آسیب نکل پڑتے ہیں
وصل سے وصل کی مانند یہاں
ہجر سے ہجر جڑا رہتا ہے
منسلک ہے یہاں ہر شے سے ہر اک دوسری شے
ہم تجھے چاہنے نکلے تو محبت کے سمندر بھی
بہت دور تلک ساتھ چلے

بہت سے مرحلے تھے بہت سی الجھنیں تھیں، ابا ہر روز محسن اور آزر کے ہمراہ شہر چلے جاتے، واپسی پہ تینوں کے چہروں پہ تھکن اور مایوسی پٹی ہوئی تھی، تھانے کچہریوں کے پھیرے شریفوں اور غریبوں کو کہاں راس آتے ہیں، سیدھا سادا کیس تھا جسے مال داروں کی کرم نوازی خواہ مخواہ الجھائے جا رہی تھی، پیسے سے سب بکتا تھا، ہر شے خریدی جا سکتی تھی، دو تین بار آیت کو بھی کورٹ جانا پڑا، وہ اپنے موقف سے نہیں ہٹی، اس نے وہی بیان دیا جو روز اول تھانے میں جا کر دیا تھا، مام ہر بار بل کھاتیں اسے دیکھ کر اور اسے دھمکی دینا نہ بھولتیں۔

''میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں آیت، تم میری مجرم ہو۔''

''مجرم تو آپ بھی ہیں مام، میرے باپ کی، آپ نے ہم سے ہمارا باپ چھینا ہے، یہ مکافات عمل ہے کہ آج آپ سے آپ کی اولاد چھن گئی۔''

اماں گھر میں آیت کریمہ کا ورد کروا رہی تھیں کہ فیصلہ ان کے حق میں آئے اس روز بھی سماعت تھی اور آیت کی طبیعت صبح سے ہی بہت خراب تھی، بخار کھانسی زکام، وہ چاہنے کے باوجود تاؤ کے ساتھ کورٹ نہ جا سکی اور بالکل غیر متوقع طور پہ ان لوگوں کی واپسی پہ معیز ان کے ساتھ تھا، کورٹ نے بالآخر اسے باعزت بری کر دیا تھا۔

ہر سو خوشی کی مسرت کی لہر دوڑ گئی، اماں تو اسی وقت سجدے میں گر گئیں، محسن مٹھائی لینے بھاگا، ایشال خوشی سے چمکتا چہرا لئے اس کے پاس آ گئی تھی۔

''مبارک ہو آپ کو، بھائی رہا ہو کر آ گئے ہیں۔'' آیت کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔

''تمہیں بھی مبارک ہو۔'' وہ سرخ تپتے ہوئے چہرے اور چمکتی آنکھیں لئے بولی۔

''آپ نے دوا نہیں لی نا، اب دیکھیں بھائی گھر پہنچ کر کتنا خفا ہوں گے ہم پہ کہ ہم نے ان کی نئی نویلی دلہن کو خیال نہ رکھ کے بیمار کر ڈالا۔'' ایشال کی شوخی بھی لوٹ آئی تھی، آیت بری طرح سے جھینپ گئی۔

''تھوڑی سی ہمت کریں اور اپنے بال سلجھالیں، منہ ہاتھ دھو کہ ذرا خود کو تھوڑا سا تیار کریں، میں آپ کا کوئی اچھا سا سوٹ استری کر دیتی ہوں۔'' وہ چٹکی بجا کر بولی تو آیت کو ایک دم بہت

سے حجاب نے گھیر لیا، اپنی حیثیت سے آگاہی اسے خود میں سمٹنے پہ اکسا گئی تھی۔
''پلیز ایشال، میں ٹھیک ہوں ایسے ہی۔'' اس کا انداز لجایا ہوا تھا، ایشال اس کی کیفیت محسوس کرتی ہنسنے لگی۔
''یہ تو آپ کی طبیعت صحیح نہیں، ورنہ آج ہم آپ کو دلہن بناتے، ریئلی اور پھر آپ یہ گانا گاتیں۔''

شکر ونڈا رے مورا پیا موسے ملن آیا
شکر ونڈاں رے مورا پیا موسے ملن آیا
کھڑ کھڑ ہاسی دور اداسی
چانن کیتے روح پیاسی
بیناں پنڈاں اے ہاں
بنیاں پنڈاں رے مورا پیا موسے ملن آیا

ایشال پہ شرارت سوار ہو رہی تھی، آیت بالکل سرخ پڑ گئی۔
''بدتمیز۔''
''ارے، گانا پسند نہیں آیا تو بدل لیتے ہیں، یہ کیسا رہے گا۔'' وہ پھر لہکنے لگی۔

ماھی آوے گا میں پھلاں نال دھرتی سجاواں گی
اونوں دل والے رنگلے پلنگ تے بٹھاواں گی
جھلاں گی پکھیاں..........
بڑا کجھ کہن گیاں اکھیاں

آیت مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک دیا تھا۔
''آؤ...... کچھ اچھا سا پکاتے ہیں، کتنے دن ہو گئے، معیز نے اچھا کھانا نہیں کھایا۔'' پاؤں بستر سے لٹکاتے ہوئے وہ کیسے محبت بھرے انداز میں بولی تھی کہ ایشال نے بے اختیار اسے بانہوں میں بھر لیا نہال ہو کر۔
''میری پیاری سی بھابھی...... اماں اسی کام میں مصروف ہیں، فکر ناٹ، آپ اپنی تیاری پہ توجہ دیں، میرے بھائی کی اصل فریش نس کا باعث آپ کا کھلتا ہوا چہرا ہی ہوگا۔'' وہ اسے گدگدا کر بولی تھی، آیت کے چہرے پہ شرم کی سرخیاں پھیلتی چلی گئی تھیں، ایشال اسے محبت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر جیسے ایک دم سوال کر دیا۔
''یہ معجزہ کیسے ہوا آیت بھابھی، آپ کا نخرہ اور پراؤڈ دیکھ کر تو کبھی نہیں لگتا تھا آپ کبھی ایسی محبت بھی کریں گی بھائی سے۔'' اس سوال نے آیت کو سنجیدہ کر دیا تھا۔
''یہ سوال تو میرے اندر بھی اٹھتا ہے ایشال، مجھے سمجھ نہیں آتی، بس ایک دم سے کوئی تغیر اندر اُمڈ آیا اور ایسا پپا کی ڈیتھ کے بعد ہوا، یا شاید ان کی خواہش نے مجھے سرتاپا بدل دیا، اپنی موت سے اک روز قبل پپا میرے پاس آئے تھے اور یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میں معیز کو کبھی نہ چھوڑوں۔''
وہ جیسے کھوئی کھوئی بولی، باپ کی یاد نے اسے پھر سے غمگین کر دیا تھا۔

''مجھے لگتا ہے بھائی آ گئے ہیں۔''
باہر سے اٹھتی آوازوں سے چونکتی ایشال تیزی سے دروازے کی سمت لپکی، آیت دانستہ باہر نہیں نکلی، وہ واقعی آ گیا تھا اور کتنی دیر تک ملنے والوں کو بھگتا تا رہا، رشتہ دار محلے دار اور کئی دوست وغیرہ، رات کے کھانے پہ وہ سب کے درمیان دوبارہ آیا تب ہی آیت کو کھوجتی اس کی نظریں ناکام لوٹیں تو ایشال جو اس کی کیفیت نوٹ کر رہی تھیں، ہنسنے لگی۔
''کسے ڈھونڈ رہے ہیں؟'' اس کے انداز میں شرارت تھی، معیز خفیف سا ہو گیا۔
''آیت...... کھانا نہیں کھائے گی؟''
''بھابھی کی دراصل طبیعت ٹھیک نہیں، کمرے میں ہیں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی، معیز چوک کر رہ گیا۔
''کیا ہوا اسے؟''
''آپ کے ہجر میں بیمار پڑ گئیں، اور تو کچھ نہیں۔'' اس نے اپنی شرارت کو طول دیا، معیز جواب میں اسے گھور کر رہ گیا۔
''جاؤ بیٹے، بہن کو بلا کر لاؤ، آج کھانا اکٹھے کھائیں گے سب۔'' ابا کے حکم پہ ایشال جلدی سے اٹھی، واپس لوٹی تو آیت ہمراہ تھی، پنک سوٹ میرون بہت خوب صورت سی شال میں اس کا چہرا بھی گلابی گلابی سرخ سا ہو رہا تھا، معیز اس سے نگاہ نہ ہٹا سکا، وہ کچھ کنفیوژ لگ رہی تھی۔
''کیسی ہے دھی رانی اب۔'' ابا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔
''اچھی ہوں اب تاؤ جی؟'' وہ جتنی سنجیدگی سے بولی محسن کو اسی قدر شرارت سوجھ گئی۔
''اب تو خیر سے اچھی ہوں گی ہی، سیاں جو آ گئے گھر۔'' آواز اتنی ضرور تھی کہ سب نے سنی، گھبرا کر اس کی نظریں اٹھیں تو معیز سے ٹکرا گئیں، جو اسے ہی مبتسم نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ اور گڑبڑا گئی۔
''معیز پتر، میں سوچ رہا ہوں تم کل یا پرسوں ہماری بیٹی کو کہیں سیر کرا لاؤ، کیا خیال ہے تمہارا؟'' ابا کھنکارے تھے اور اپنی بات شروع کی، وہ حیران سا رہ گیا۔
''جی...... مگر کہاں......؟''
''یہ ساتھ والے گاؤں کے جتنے بھی کھیت ہیں ان کی۔'' محسن نے پھر ٹکڑا لگایا۔
''جہاں تمہارا دل کرے، مری کاغان یا پھر جہاں ہماری بیٹی پسند کرے، اس سے پوچھ لینا، بالکل مرجھا گئی ہے میری دھی۔'' ابا نے آیت کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا، محسن کا تو منہ کھلا رہ گیا۔
''اتنی فراغ دلی ابا، ابھی صرف نکاح ہوا ہے شادی تو نہیں۔'' وہ جان کر چھیڑنے کو اختلاف کر رہا تھا، ابا نے اسے گھور کر دیکھا۔
''نکاح ایشال اور آزر کا ہوا ہے، معیز کی شادی ہوئی ہے، اس لئے سیر پہ بھی بس یہ دونوں جائیں گے۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا تو معیز جو ابا کی اس فیاضی پہ متحیر سا تھا ایک دم آیت کو دیکھنے لگا جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔
''لیکن ابا بھابھی تو کہہ رہی تھیں جب تک ان کی تعلیم مکمل نہیں ہوتی رخصتی نہیں ہو گی۔''

ایشال نے ٹکڑا لگایا۔
''رخصتی تو اسی دن ہو گئی تھی جس دن ہماری بیٹی اس گھر میں اپنی مرضی سے آئی تھی، کیوں بیٹے، تمہیں واقعی اعتراض ہے؟ معیز تیس سال کا ہو چکا ہے، ہم تو اس کے بچے کھلانے کے ارمان کب کے دبائے بیٹھے ہیں اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟'' ان کا انداز پیار بھرا تھا، آیت ایک دم اٹھ کر چلی گئی۔
''شرما گئی ہے۔'' ابا ہنسنے لگے۔
''آپ نے اسے کھانا بھی نہیں کھانے دیا۔'' اماں نے ٹوکا۔
''چلیں بھائی کھلا دیں گے، خوشی میں کھایا تو ان سے بھی نہیں گیا ہے، دیکھ رہا ہوں میں، کیوں بھائی؟'' اس کی آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی، معیز نے بغیر کسی ردوکد کے سر اثبات میں ہلا دیا۔
''بالکل ایسا ہی ہے، اب ٹرے کمرے میں تم یہ پہنچانا۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا تو محسن کو پانی پیتے اچھو لگ گیا۔
''ایں، میری بلی مجھی کو میاؤں۔'' معیز اس کے سر پہ چپت لگا اٹھ کھڑا ہوا۔
''آج اس کا مطلب ہم بھابھی کو باقاعدہ دلہن بنا کر ان کے کمرے میں بھیجیں۔'' ایشال چہک کر بولی تھی، معیز سن کر بھی ان سنی کرتا کمرے سے نکل گیا، اس کا رخ ایشال کے کمرے کی جانب ہی تھا، جانتا تھا وہ وہیں ملے گی، جبھی بغیر دستک کے اندر داخل ہوا تھا، وہ نہ صرف موجود تھی بلکہ اسے روبرو پا کے اتنا گھبرائی کہ یکلخت اٹھ کھڑی ہوئی۔
''اتنی جان جوکھم میں ڈال کر آپ ہمارے پاس آ گئیں مگر استقبال اتنا روکھا پھیکا۔'' اس سے خاصے فاصلے پہ رکتا وہ مصنوعی خفگی سے بولا، آیت مزید گڑبڑا گئی۔
''جی...... میں سمجھی نہیں؟'' اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں معصومیت بھی تھی اور الجھن بھی، معیز نے ٹھنڈا سانس بھرا۔
''بیمار کیوں پڑیں سچ بتانا۔'' اس کا لہجہ گمبھیر تر ہو گیا، آیت کی پلکیں حیا بار انداز میں لرز کر جھکیں۔
''آپ جائیں یہاں سے، کوئی دیکھ لے گا۔'' وہ ٹپٹا رہی تھی، معیز کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔
''کتنی دیر بھاگو گی، آج رات میرے کمرے میں میرے پاس ہی آنا ہے تمہیں۔'' اسے گہری نظروں سے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا، آیت ایک دم چونک گئی۔
''کیا تم ایسا نہیں چاہتیں؟'' اس کے چہرے پہ اترتی گھبراہٹ کو محسوس کرتا معیز سنجیدہ ہو گیا، آیت نے سر جھکا لیا۔
''نہیں...... ایسا تو کچھ نہیں، بس میں چاہتی تھی، مام ہم سے ناراضگی ختم کر لیں۔'' اس کا لہجہ بوجھل ہونے لگا۔
''کچھ کاموں کو وقت پہ چھوڑ دیتے ہیں آیت، وقت بہترین فیصلہ از خود کر دیا کرتا ہے۔''

نرمی سے کہتے اس نے اس کا سر تھپکا، وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی اور جب رات کو وہ اسی نکاح کے لباس میں معیز کے روبرو تھی تو معیز اسے خواب ناک نظروں سے کتنی دیر تک یونہی دیکھتا رہا تھا۔
''تم میرا ایسا خواب تھیں آیت جسے آنکھوں میں سجاتے مجھے ہمیشہ خوف محسوس ہوا، مجھے کبھی یقین نہیں ہو سکا تھا کہ تم مجھے مل بھی سکو گی، محبت پہ جبھی میں نے انا کا بہت بھاری خول چڑھا دیا، شاید اس لئے کہ میں خود کو تمہارے لئے ہارتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔'' وہ کچھ نہیں بولی، البتہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔
''ایک بات پوچھوں؟'' معیز نے اس کی چوڑیوں کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا، وہ مسکرا دی۔
''ضرور۔''
''جواب صرف سچ پہ مبنی ہونا چاہتے۔'' معیز نے شرط عائد کی تو وہ ہنس دی تھی۔
''میں جانتی ہوں آپ کیا پوچھیں گے۔''
''کیا؟'' معیز چونکا۔
''یہی کہ ایسا کیا ہوا کہ میں نے آپ کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا، ہے نا؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت تھی، معیز نے بھنوؤں کو جنبش دی اثبات میں۔
''حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی حسن پرست فطرت سے مجبور ہو کر آپ سے بھاگ نہ سکی، پہلی بار دیکھ کر ہی میں آپ سے متاثر ہو گئی تھی معیز، مگر آپ کی بداخلاقی اور ایٹی ٹیوڈ نے مجھے حیران بھی کر دیا تھا، شاید ایسا نہ ہوتا، مگر مام نے مجھے مجبور کر دیا، ان کا جو میرے لئے انتخاب تھا اس نے فیصلے میں آسانی کر دی، میں مر تو سکتی تھی مگر ترمذی جیسے بندے کو کبھی قبول نہیں کرتی۔'' اس جواب پہ معیز نے سرد آہ بھری تھی۔
''تو میں خواہ مخواہ خوش فہم ہو رہا تھا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو چکی ہے۔'' اس کا انداز مصنوعی خفگی لئے تھا، آیت نے بن کر اسے دیکھا۔
''جلدی کیا ہے، وہ بھی ہو جائے گی۔''
''تو پھر اس کے لئے ابھی سے کوشش کرنی چاہیے۔'' معیز نے شریر انداز میں کہتے اس کا ہاتھ پکڑا کر لبوں سے چھوا تو آیت ایک دم جھینپ گئی تھی، پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ بولی۔
''معیز ...... میں چاہے آپ سے ساری زندگی تھوڑی سی محبت ہی کیوں نہ کروں مگر آپ سے مجھے بہت ساری توجہ پوری محبت ہمیشہ چاہتے، اس معاملے میں میں اتنی پوزیسو ہوں کہ اگر معمولی سی بھی کوتاہی ہوئی تو معافی نہیں ملے گی۔'' انگلی تنبیہ کے انداز میں اٹھا کر وہ ایسے بولی کہ معیز کو ہنسی آ گئی۔
''اب شرطیں پوری ہو گئی ہوں تو کچھ پیار بھی کر لیا جائے؟'' وہ اتنی سنجیدگی سے بولا تھا کہ آیت اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہ سکی، معیز نے یونہی ہنستے ہوئے اسے تھام کر خود سے لگا لیا تھا۔

☆☆☆

بے قراری کوئی شیوہ تو نہیں ہے کہ بس اب
عمر بھر کے لئے اپنا ہی لیا جائے اسے

دل گرفتہ کسی لمحے میں جنم لینا اگرچہ کوئی معیوب نہیں
پھر بھی بہت مشکل
ہے
دل گرفتہ کسی لمحے سے رہائی کبھی ملتی ہی نہیں
ہم نے بارش سے بیاہی ہیں اگرچہ آنکھیں
پھر بھی صحراؤں کی تاثیر جلاتی ہے انہیں
ہم اگرچہ کسی چاک میں الجھے ہوئے لگتے تو نہیں
ہم کسی خاک میں لتھڑے تو نہیں
ہم اگرچہ کسی زرتار کی پوشاک میں جکڑے تو نہیں ہیں لیکن
پھر بھی دنیا کے دکھاوے کے لئے اچھا ہے
ایسی درویشی بھی اچھی نہیں ہوتی کہ یہ دنیا ہمیں کم تر سمجھے
خود سے یا اور کسی سے بھی ہمیں کم سمجھے
بے قراری کوئی شیوہ نہیں
جان لیوا ہے
بے قراری کوئی عادت نہیں
مجبوری ہے
بے قراری کوئی بے وجہ نہیں
دل گرفتہ کسی لمحے میں جنم لینے کی بیماری ہے

سب کچھ لٹ جائے تو دامن خالی رہ جاتا ہے، اس کا بھی خالی رہ گیا، اس نے جس کی خاطر یہ داؤ کھیلا تھا اس نے وفا نہیں کی، اس کی ماں چلی گئی، بیماری سے لڑ نہیں سکی ٹھیک سے اور ختم ہو گئی، حمدہ کو کتنی دیر یقین نہیں آسکا، یقین آیا تو سر پہ آسمان تھا نہ پاؤں کے نیچے زمین۔

وہ تہی دست تہی داماں رہ گئی، ہاں خالی ہاتھوں میں پچھتاوے تھے، اضطراب تھا، سر پہ اس معاہدے کی لٹکتی ہوئی تلوار۔

وہ ایک خطیر رقم کیونکر بھر پاتی بھلا، اس کی ایسی مضبوط حیثیت کہاں تھی، ہوتی تو یہ جوا کھیلنے کی ضرورت کیا تھی، ماں کو گئے تیسرا دن تھا جب اس کے کچھ حواس بحال ہوئے، سب سے پہلا خیال حسین کا آیا، اپنی اسیری کا آیا اور جیسے حلق میں کانٹے پڑ گئے، خوف نے اس کے وجود میں پنجے گاڑھ دیئے تھے، اسے بھاگ جانا چاہیے، بس اسے بھاگ جانا چاہیے۔

اس کے علاوہ ہر سوچ عبث ہو گئی، ہر خیال کو وہم نے چاٹ لیا، ہر راہ پہ پتھر پڑ گئے، رخت سفر کیا باندھتی، اس کے پاس بچا ہی کیا تھا، جو رقم حسین نے دی تھی شاید اکاؤنٹ میں باقی ہو، اس نے خود کو سنبھالا اور کھڑی ہو گئی۔

یہ کیسا مگر سنبھالنا تھا کہ قدم لڑکھڑاتے تھے، وہ انہی لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئی، گلی میں نیم تاریکی تھی، سناٹا پھیل رہا تھا، مغرب ہوئے کچھ دیر گزری تھی، اس ٹائم مائیں یوں بھی بچوں کو باہر کھیلنے سے منع کرتی ہیں، اسے لگا فرار کو راستہ صاف ہے، سر پہ موجود چادر کو اس نے مزید چہرے

کھینچا، دوسرے کونے کو منہ اور ہاتھوں پہ اچھی طرح پھیلایا، دروازہ کھلا تھا، اس نے یونہی بھیڑ دیا، پچھلے تین دنوں سے محلے کی رحم دل خاتون اس کا خیال رکھ رہی تھی، کھانا بھی لاتی مگر حمدہ کھا نہیں پاتی تھی، کمزوری و نقاہت کتنی بڑھ چکی تھی یہ اب اسے محسوس ہوا، آنکھوں آگے بار بار اندھیرا چھا جاتا تھا، ماں کی بیماری کا یہ ڈیڑھ مہینہ اس نے کیسی خواری اور بے قراری میں بتایا تھا، کھانے پینے کی طرف دھیان نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

اس نے خوف سے پھیلتی آنکھوں سے اطراف میں دیکھا، کوئی اسے یوں فرار ہوتے دیکھ تو نہیں رہا، خاص کر حسین شاہ، جانے کیوں اسے سب سے زیادہ اس کے ہی دیکھے جانے کا خوف مارے ڈال رہا تھا۔

اس کے والٹ میں سات سو تیس روپے بچے تھے، اس وقت کل متاع جسے اس نے مٹھی میں بھینچ کر مہینے سے لگا رکھا تھا، وہ کہاں جانا چاہتی تھی خبر نہیں تھی، بس حسین کی پہنچ سے دور ہو جانے کی دھن اسے یوں بھاگنے پہ اکسا گئی تھی، گلی کا اختتام ہوا سڑک شروع ہو گئی، اب ٹریفک کا اژدھام تھا، چمکتے اور بے حد روشن سائن بورڈ اسٹریٹ لائٹس اب اس کی نم آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں۔

''جانا ہے بی بی؟'' آٹو رکشے والا ایک دم اس کے پاس رکشہ روک کے بولا، وہ اتنی بدحواس تھی کہ اچھل کر یوں پیچھے ہوئی گویا بامشکل گرنے سے بچی ہو، رکشہ والے نے اس گھبراہٹ کے مظاہرے پہ اسے شک بھری نظروں سے دیکھا تھا، گویا وہ گھر سے بھاگی لڑکی ہو یا پھر کوئی تخریب کار......ا...... سٹیشن......'' وہ خشک لبوں پہ زبان پھیر کر فقط یہی کہہ سکی مگر الفاظ ٹوٹ رہے تھے۔

''بیٹھو۔'' رکشہ ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کی جانب اشارہ کیا، وہ والٹ کو سینے سے بھینچتی اس سے قبل کہ رکشے کی نشست سنبھالتی اس پہ پل تیز رفتاری سے وہاں آ کر رکنے والی مہنگی قیمتی گاڑی کا دروازہ کھول کر ایک دراز قامت خوش شکل نوجوان عجلت میں باہر آیا اور اس کا ہاتھ دبوچ کر بے حد مشتعل انداز میں اسے بے دردی سے گاڑی میں پھینکنے کے انداز میں پٹخ ڈالا، وہ اتنی سراسیمہ ہوئی کہ چیخ بھی نہ سکی، رکشہ ڈرائیور اس کھلم کھلا غنڈہ گردی کے مظاہرے پہ حواس باختہ سا نوجوان کو دیکھتا رہ گیا۔

''کیوں کھڑے ہو، دفع ہو جاؤ۔'' نوجوان چیخا تھا، رکشہ ڈرائیور کا سکتہ ٹوٹا، وہ ہڑبڑا کر رکشہ اسٹارٹ کرتا دم دبا کر بھاگا، نوجوان نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اسٹارٹ گاڑی کو گیئر میں ڈالتے تنفر بھری نگاہ سیٹ پہ اوندھے منہ گری حمدہ پہ ڈالی تھی۔

''اس بدعہدی کی جو سزا تمہیں میں اب دوں گا، اسے تم عمر بھر بھلانے کو ترسو گی۔'' دانت بھینچ کر غراتے اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی، حمدہ کے وجود میں حرکت نہیں ہو سکی، صاف ظاہر تھا اس کے حواس ساتھ چھوڑ چکے تھے، ہوش میں آنے کے بعد ہی اس پہ کھلتا اس پہ کیا قیامت ٹوٹی ہے۔

☆☆☆

موت کی کوکھ سے نکلے ہوئے سناٹے میں

درد کی فاختہ کرلاتی ہے
درد بھی زندہ ہوا کرتا ہے
اس طرف خوب دھڑکتا ہوا سینہ ہو مگر
اس طرف خاک ہو بس
ہار تو ہار ہے انسان کو ویرانہ بنا دیتی ہے
راہ گزر راکھ سے اٹ جاتی ہے
درد مر جائے تو انسان بھی مر جاتا ہے
موت کی کوکھ میں بکھری ہوئی خاموشی بھی جب
درد میں بولتی ہے
ایک افسانہ جنم لیتا ہے
زندگی اور ریاضت کا کوئی افسانہ
درد کی موت سے دل مرتا ہے
رکھ کے ہر سانس پہ سل مرتا ہے
تانوں بانوں میں الجھنے میں بھی اک جیون ہے
موت کی کوکھ سے نکلا ہوا سناٹا بھی
تانوں بانوں کی طرح ہوتا ہے
موت سے دوری
کسی درد پہ گرتی ہے تو ڈھا دیتی ہے
راکھ کا راکھ پہاڑ
اور جلا دیتی ہے سناٹوں کو
موت برحق ہے مگر موت کا ڈر موت زدہ
زندگی ایک سفر ہے لیکن
زندگی یہ سفر موت زدہ
ریت سے گھر جو بنائیں تو بھلا کیا ہوگا
ریت اور ریت کا گھر موت زدہ
خوف اور خوف کی پرچھائیں کا در موت زدہ
اور تو اور سبھی قوت پرواز کا پر موت زدہ
موت اور موت کا ڈر موت زدہ

وہ کوئی محل تھا، محل بھی شیش محل، گھر اتنے بڑے اور اتنے خوب صورت بھی ہو سکتے ہیں اس کے تصور میں بھی یہ آ نہیں تھا، اسے اس شیش محل میں قید کر دیا گیا تھا جہاں اس جیسی اور جانے کتنی لڑکیاں قید تھیں یا شاید آزاد تھیں، بظاہر تو آزاد لگتی تھیں، چلتی پھرتی تھیں ہنسی بولتی بھی تھیں، شاید ہر رنگ و نسل ہر عقیدے سے تعلق رکھنے والی یہ مخلوق، اسے معلوم ہو سکا حسین شاہ کی ملکیت ہے اور

ساری زندگی کے لئے غلام بن چکی ہے تو اس پر پھر سے غشی طاری ہوگئی تھی، وہاں اتنا حسن تھا ایسے ایسے سحر آفریں چہرے تھے کہ نگاہ نہیں ٹھہر پاتی، پھر وہ کیا حیثیت کیا مقام رکھتی تھی کہ اسے بھی نہیں چھوڑا گیا۔

''اسے یہاں رہنے کی سب طور طریقے اور آداب سکھلا دو اور فراموش کروا دینا کہ کبھی باہر بھی نکلنا ہے۔''

حسین شاہ نے ایک خوبرو نازک اندام لڑکی کو مخاطب کیا تھا جو اسے روبرو پا کے تعظیماً یوں جھکی تھی گویا رکوع کی حالت میں چلی گئی ہو۔

''آیئے گورجبیں۔'' لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو رو رو کر آنکھیں سجا لینے والی حمدہ بدک کر دور ہٹ گئی۔

''نہیں، مجھے یہ غلامی ہرگز قبول نہیں ہے۔'' وہ چلائی تھی، حسین شاہ نے جواباً سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''یہاں انکار کا مطلب موت ہے، بہت بھیانک موت۔'' اس کی آواز بھی اس کی نظروں جیسی سرد تھی، حمدہ بے حس رہی بے خوف رہی۔

''تم مجھے ایک بار ہی موت کے گھاٹ اتار دو، یہ بار بار مرنا مجھے قبول نہیں۔'' مٹھیاں بھینچ کر وہ جس طرح چلائی، اس کے حلق کی رگیں پھول گئیں، پاس موجود لڑکی جس طرح اس کی طرف بڑھی حسین شاہ کے ہاتھ اٹھائے ٹھہرنے کا اشارہ پا کر ہی تھم سکی تھی ورنہ شاید اس کے نازک ہاتھ کا تھپڑ حمدہ کا گال ادھیڑ ڈالتا۔

''اسے میں خود ٹریٹ کروں گا، اسے تیار کر دو، سارا میل کچیل اتار کر خوشبوؤں میں بسا کر میری خواب گاہ میں پہنچا دینا، اتھری گھوڑیوں کو لگام ڈالنے اور ان پہ سواری کرنے کا اپنا الگ لطف ہے۔'' وہ مسکرایا تھا اور آرڈر کرتا پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، حمدہ کو لگا تھا اس کے وجود سے جان بھی وہ جاتے ہوئے نکال کر لے گیا ہے، اس کی زبان سوکھ کر حلق سے چپک گئی آنکھیں ساکن رہ گئیں، اسے لگا وہ پھر بے ہوش ہو رہی ہے اور واقعی وہ اپنے حواس سلامت نہیں رکھ سکی تھی۔

(جاری ہے)

اے دل تو ہی بتا

فوزیہ سرور

مکمل ناول

معطر پھولوں کی لڑیوں سے مزین جھولے پر بیٹھی نشا محبت بھری نگاہوں سے اپنے نرم و ملائم گورے ہاتھوں کی ہتھیلی پر مہندی سے لکھے نام کو تک رہی تھی، مہندی کا رنگ بھی خوب رچا تھا اس کی سرخ و سفید ہتھیلیوں پر، حسن، محبت، بھری زیر لب سرگوشی فضا برد ہوئی، تو نشا خود ہی شرما کر زیریں لب سفید موتیوں تلے چھپا گئی، نشا کے ساتھ جھولے پر اس کی ہم عمر فرح جو اس کی ملازمہ کی بیٹی اور اس کی دوست تھی بیٹھی اس کی ساعتوں میں حسن کا نام لے کر اس کے دل کی دھڑکنوں کو بہاروں بھری تال پر رقص کروا گئی، دونوں اس وقت سمیرا بیگم کی کینہ توز نگاہوں کی زد میں تھیں، لیکن پرواہ کسے تھی، نشا کی زندگی کا سیاہ باب روشن باب میں ڈھلنے والا تھا، سمیرا بیگم جو نشا کی چچی تھیں لیکن نشا کو وہ ظالم جادوگرنی اور چڑیل لگتی تھی، جو اپنے نوکیلے دانتوں سے اس کے وجود کا خون چوس رہی تھی، فرح بھی خوش تھی نشا کو اس کی ظالم چچی سے ہمیشہ کے لئے نجات ملنے والی تھی۔

دونوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا اور سمیرا بیگم اپنی دو عدد بیٹیوں نمرہ اور ثمرہ کے ہمراہ دونوں پر زہر میں بجھی نظروں کے تیر پھینک رہی تھیں، نشا ہواؤں کے سنگ محو رقص تھی، کچھ ہی پل حائل تھے حسن اس کو لے جانے والا تھا، اس کی مہندی کی رات ہی اس کی رخصتی ہونی تھی، یہ بھی سمیرا بیگم نے اپنے تئیں نشا اور حسن پر احسان کیا تھا، اس احسان کی قیمت حسن کو سمیرا بیگم کو بھاری چیک دے کر چکانی تھی، کیونکہ سمیرا بیگم نشا کی شادی دھوم دھام سے کرنے کی بجائے اس کو حسن کے گھر بھجوا دینا چاہتی تھیں، تاکہ جو بھی ہنگامے کرنے ہیں حسن اپنے گھر میں کرنے میرے گھر میں نشا کی بارات نہیں آئے گی، لیکن حسن نشا کو

عزت اسے بیاہ کر لے جانا چاہتا تھا، اس نے سمیرا بیگم کو بھاری رقم کا لالچ دیا تو سمیرا بیگم کو ماننا پڑا حسن کا مطالبہ اور آج اس شاندار محل نما گھر کے وسیع و عریض لان میں مہندی کا فنکشن عروج پر تھا، رخصتی بھی آج ہی ہو جانی تھی، نشا خوش تھی بہت خوش، پورا لان روشنیوں میں نہایا ہوا تھا، دسمبر کی یخ بستہ رات لیکن مختلف فاصلوں پر نصب مشعل دانوں میں بھڑکتے الاؤ کے سبب ماحول ماں کی گود سا نرم گرم تھا، لان میں ادھر ادھر چلتے پھرتے اکا دکا نفوس کو سردی کا احساس تک نہ تھا، سمیرا بیگم سے جن بیگمات کی ہیلو ہائے تھی صرف وہی مدعو تھیں جو عجیب و غریب ملبوسات میں ملبوس خوش گپیوں میں تو گم لیکن غیر موجود خواتین کی ذات کے بخیے ادھیڑنے میں زیادہ مگن تھیں، نشا کا تعلق اپر کلاس سے تھا لیکن زندگی اس نے لوئر مڈل کلاس سے بھی بدتر گزاری تھی، سمیرا بیگم چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ملازمین کو ہدایات دینے میں مشغول تھیں، شاندار قیمتی ساڑھی میں ملبوس سمیرا بیگم کے دل میں کیا تھا، چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔

''اف تیمور پتا کرو، حسن کہاں رہ گیا، آدھے گھنٹے کا کہہ کر گیا تھا، گھنٹے سے اوپر ہونے کو ہے ابھی تک نہیں آیا، کیا ضرورت تھی عین وقت پر جیولر کے پاس جانے کی، پہلے کنگن لے آتا، سمیرا کو شرم نہ آئی روانگی سے دو گھنٹے قبل کنگن کی فرمائش کر ڈالی، سمیرا تو طوفان کھڑا کر دے گی دیر سے پہنچنے پر پہلے ہی اتنی مشکل سے مانی ہے۔'' ثمینہ بیگم پر تفکر اور جھنجھلاہٹ سے پر لہجے میں اپنے اکلوتے بھانجے سے مخاطب ہوئیں۔

''آپ پریشان نہ ہوں خالہ جانی، میں پتا کرتا ہوں، موبائل بھی اس کا آف جا رہا ہے، بہت بار ٹرائی کر چکا ہوں، میں جیولر شاپ پر جا کر خود چیک کرتا ہوں۔'' تیمور دل ہی دل میں حسن کے ابھی تک گھر نہ پہنچنے اور موبائل آف ہونے پر پریشان تھا لیکن اپنی پریشانی خالہ کے سامنے ظاہر نہ کی، گھر اس وقت مہمانوں سے بھرا تھا، عشاء کے بعد کا وقت تھا فنکشن کا، چھ تو بج گئے تھے، آدھا گھنٹہ باقی تھا، آدھے گھنٹے میں وہ پہنچ سکتے تھے کیونکہ ان کے گھر سے نشا کے گھر تک کا فاصلہ صرف بیس منٹ کا تھا، سوسائٹیز الگ الگ تھیں مگر ساتھ ساتھ تو بھی تھیں، اب حسن آتا تو وہ روانہ ہوتے، ثمینہ بیگم (حسن کی مما) اور زرینہ بیگم (تیمور کی مما) تفکر سے سر جوڑے کھڑی تھیں، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آدھا گھنٹہ قبل اس گھر پر کونسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے، ابھی تیمور لاؤنج میں نکلا بھی نہ تھا کہ ثمینہ بیگم کے موبائل کی مترنم گھنٹی بج اٹھی، ثمینہ بیگم کے کال پک کرنے پر دوسری طرف سے جو کہا گیا، ثمینہ بیگم کا ہیرے کی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ دل پر جا پڑا، ان کی سماعتوں میں دھماکے ہونے لگے۔

وہ وہیں لاؤنج کے چمکتے ماربل فرش پر ڈھے سی گئیں، تیمور جس کی نگاہ خالہ پر تھی، ثمینہ بیگم کو نیچے گرتا دیکھ کر تیر کی طرح ان کی جانب بڑھا زرینہ بیگم نے بھی سرعت اسے آگے بڑھ کر بہن کو تھاما تھا، تیمور نے خالہ کا موبائل اپنے کان سے لگا لیا، دوسری طرف سے اب ہاسپٹل کا ایڈریس سمجھایا جا رہا تھا، دل تو تیمور کا بھی بند ہونے کو تھا لیکن اس نے ہمت مجتمع رکھی اگر وہ بھی ہمت ہار جاتا تو، اسے ہمت لازم پکڑنی تھی، فون حسن کو ہاسپٹل پہنچانے والے شخص نے کیا تھا، اسے حسن کا موبائل اس کے قریب سے ہی مل گیا تھا جو سڑک پر گرنے کے باعث آف ہو گیا تھا، حسن کی گاڑی کا بری طرح ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔

مہربان شخص نے موبائل اٹھا لیا اور فوری

حسن کو ہاسپٹل پہنچایا، ہاسپٹل میں ایمرجنسی میں حسن کو بھیج کر حسن کا موبائل آن کر کے ثمینہ بیگم کو اطلاع دی تھی، تیمور نے پھر چند پل ہی لگائے تھے اور اپنی مما اور خالہ کو گاڑی میں لئے ہاسپٹل جانے والے راستے پر گامزن ہو گیا، پیچھے مہمان دل میں دکھی ہوتے اپنے گھروں کو چل دیے، شادی والا گھر چند لمحوں میں ویران ہوا تھا، اب گھر میں قبرستان کی سی خاموشی طاری تھی، اس خاموش گھر میں ملازمین کے علاوہ صرف ایک ہی وجود لاؤنج میں بیٹھا تھا، جو تینوں کے ہاسپٹل جانے کے بعد دعا گو تھا، وہ وجود دو اذیتوں میں مبتلا تھا، وہ حسن کے لئے دعا گو بھی تھا اور دل میں ڈھیروں شکوے بھی تھے، دوسری طرف ثمینہ بیگم جن کے بیٹے کی شادی پر سج دھج ہی نرالی تھی، خوبصورت قیمتی ترین ساڑھی میں ملبوس وہ اس وقت ہاسپٹل کے کوریڈور میں تقریباً دوڑ رہی تھیں، انہیں حسن کو دیکھنے کی بے تابی تھی، ان کا حسن، کتنا خوش تھا، اس کی خوشیوں کو کس کی نظر کھا گئی، کیا سمیرا بیگم صحیح کہتی تھیں، نشا ہی منحوس تھی، نشا کا حسن سے نکاح ہوا تو نشا کے چچا دنیا سے منہ موڑ گئے، اب رخصتی تھی تو حسن خود، نہیں نہیں میرے حسن کو کچھ نہیں ہوگا، چلتے چلتے انہوں نے شدت سے سر نفی میں ہلایا تھا، اس وقت نشا کا نہیں صرف اپنے حسن کا خیال تھا جو اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا، تیمور، ثمینہ بیگم اور زرینہ بیگم کو حسن کو دیکھ کر دھچکا لگا، سفید لباس سرخ دہکتی ہوئی آگ لگا انہیں جوان کے وجود کو دکھ کی بھٹی میں جھلسا گیا، حسن نے اپنی محبت کی شادی کے دن کون سا جوڑا پہن لیا تھا، ثمینہ بیگم اس حالت پر تڑپ اٹھیں، بلکیں اور سسکنے لگیں، تیمور نے ان کے کندھے کے گرد بازو حمائل کر کے ان کو دلاسا دیا، حسن کے سر پر شدید چوٹ پہنچی تھی، حسن بے ہوش تھا، باقی جسم پر بھی شدید چوٹیں آئی تھیں۔

حسن کو ہاسپٹل لانے والا آدمی حسن کی مالی حالت کا اندازہ لگاتے پرائیویٹ ہاسپٹل میں ہی لایا تھا، حسن کی بے ہوشی کتنی طویل ہونی تھی کوئی نہ جانتا تھا اور نشا کی زندگی کا باب سیاہ ترین تاریکی میں ڈھلنے والا تھا، وہ اس بات سے انجان خوشی کے ہنڈولے میں بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''کیا مصیبت ہے، سات سے اوپر ٹائم ہو گیا ہے، ابھی تک حسن اور ثمینہ کا نام ونشان تک نہیں۔'' سمیرا بیگم جھنجھلا کر بڑبڑائیں، کوفت کا شکار سمیرا بیگم اپنی مدعو کی ہوئی بیگمات کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''سمیرا نشا تو بہت لکی ہے، حسن جیسا شاندار خوبصورت لڑکا اس کا نصیب بن گیا، اتنا کامیاب بزنس مین، لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتی تم نے نشا کا حسن سے ہونے کیسے دیا، نمرہ اور ثمرہ کا کیوں نہ سوچا، تم نے ہیرا گنوا دیا۔'' مسز رخشندہ نے نشا کے نوخیز کم عمر حسن کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے ریشمی بالوں کو نزاکت سے جھٹکتے ہوئے کہا، سمیرا بیگم نے سلگتی نگاہ نشا پر ڈالی جس کا چہرہ اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا۔

''میری بیٹیاں بہت سیدھی سادھی اور معصوم ہیں، ان کو لڑکے پھانسنے کے گٹس نہیں آتے، حسن نے جس دن پہلا قدم ہمارے گھر رکھا، اس کے مہینہ بعد ثمینہ بیگم کو رشتہ لینے بھیج دیا، اب مجھے کیا پتہ اس لڑکی نے حسن پر کیا جادو چلایا کہ اس نے نکاح کروا کر ہی دم لیا، سجاد کو تو بھتیجی کی بہتری کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہ تھا، اپنی اولاد جائے بھاڑ میں، نکاح کر دیا، اس کے بعد ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں گویا اس فرض کو ادا

کرنے کے لئے زندہ ہے، سجاد کی وفات کے دو مہینے بعد ثمینہ اور حسن نے رخصتی کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، میں نے کوشش تو بہت کی حسن کی توجہ نشا سے ہٹ جائے، نشا سے ایک ملاقات تک نہ کرنے دی نکاح کے بعد، کبھی موبائل تک رسائی نہ دی نشا کو، لیکن حسن کے دل و دماغ پر تو نشا کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا، اب دیکھو شادی کا دن آ پہنچا اور میں کچھ بھی نہ کر سکی۔" سمیرا بیگم نے جاہل عورتوں کی طرح جلے دل کے پھپھولے پھوڑے، سمیرا بیگم جیسی ذہنیت رکھنے والی اس کی دوست بیگمات نے کافی دکھ کا اظہار کیا، سمیرا بیگم کی ناکامی پر اتنا تو وہ جانتی تھیں، نمرہ اور ثمرہ معصومیت کے نام پر دھبہ تھیں، نشا معصومیت اور حسن کا خوبصورت امتزاج تھی، جو دیکھتا گرویدہ ہو جاتا، لیکن سمیرا بیگم کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں، سچ بات کہنے اور سننے کا حوصلہ کی کمی میں ہوتا ہے جوان خواتین میں ناپید تھا۔

ثمینہ بیگم کا دل غم سے پھٹ رہا تھا، وہ سنبھالے نہ سنبھل رہی تھیں، خبر ہی ایسی دی تھی ڈاکٹرز نے، وہ بے آب مچھلی کی مانند تڑپ رہی تھیں، زرینہ بیگم اور تیمور کا بھی یہی حال تھا، حسن اپنے دماغ پر لگنے والی چوٹ کے باعث کومے میں جا چکا تھا، اب دعائیں ہی اسے ہوش میں لا سکتی تھیں، ثمینہ بیگم کو پہلی بار نشا کا وجود منحوس لگا تھا۔

نو بجے تو سمیرا بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، نمرہ ثمرہ جو نشا کے جھولے کے قریب بگڑے تیور لئے کھڑی تھیں، سلیولیس میکسیاں پہنے وہ کھولتی ہوئی نگاہوں سے نشا کا سجا سنورا روپ دیکھتیں جوان کے دل پر سانپ لوٹ جاتے، ان کا بس نہ چل رہا تھا وہ نشا کے سجے سنورے روپ کو بھڑکتے الاؤ میں جھونک دیں، نو بجے بھی جب بارات کی آمد نہ ہوئی تو حد درجہ بے زاری لئے وہ کمروں میں چلی گئیں، خواتین بیگمات بھی اکتاہٹ کا شکار ہو کر جا چکی تھیں، سمیرا بیگم کے تیور خطرناک حد تک بگڑ گئے، فرح بھی صورتحال دیکھ کر پریشان ہو اٹھی لیکن نشا اپنی ہی خوش کن سوچوں میں مدہوش تھی، کتنی مشکل زندگی کے بعد اسے حسن کی صورت خوشیوں کا پیام ملا تھا، وہ تو ابھی تک بے یقین تھی کہ غلاموں والی تر زندگی کا خاتمہ ہو چکا ہے، اپنی باقی زندگی وہ حسین اور محبت کرنے والے ہم سفر کے سنگ گزارے گی، اس پل وہ حسن سے ہونے والی ایک ملاقات میں کھو سی گئی، حالات کیا رخ بدل چکے ہیں اسے مطلق خبر نہ تھی، وہ خوش ملاقات کے کن لمحوں کی رتھ پر سوار تھی اس پل۔

"تمہیں دیکھ کر یوں لگتا ہے نشا کوئی پری کوہ قاف سے بھٹک کر دنیا میں آ گئی ہو۔" حسن کی مدھر خوبصورت آواز نے اس کے وجود کا گھیراؤ کیا تو نشا نے سہم کر آس پاس دیکھا، وہ لان میں چائے کے برتن اٹھانے آئی تھی جب حسن کی گاڑی کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی، تب وہ حسن کے نکاح میں نہیں تھی، صرف بات پکی ہوئی تھی۔

نشا کو لان میں دیکھ کر حسن کی تو مانو دلی مراد بھر آئی، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نشا کے سر پر آ پہنچا جو منظر سے غائب ہونے کے لئے پر تول رہی تھی، سمیرا چچی کا خوف ہر جذبے پر حاوی تھا، حسن نے نشا کے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دیں، نشا اس کی مسحور کن نگاہوں کی گرفت میں وہیں جم سی گئی، تبھی حسن نے قدرے جھک کر نشا کی سماعتوں میں فسوں پھونکا تھا، نشا نے سہم کر آس پاس دیکھ کہیں سمیرا چچی نمودار نہ ہو جائیں اور اس کی درگت بن جائے۔

''اتنی خوفزدہ کیوں رہتی ہو۔'' حسن نشا کے حسین مکھڑے پر پھیلے ہراس کو دیکھ کر چونک گیا، وہ لاعلم تھا اس بات سے کہ نشا کے ساتھ اس گھر میں کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا ہے، سمیرا بیگم سب اچھا دکھاتی تھیں ملنے والوں کو۔

''بس یونہی خوف کا شکار ہو جاتی ہوں، کوئی دیکھ نہ لے۔'' نشا نے سریلی مترنم آواز کا جادو جگایا، حسن مسحور سا ہو گیا، چند پل وہ نشا کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا اور نشا کے دل میں خوش کن بہاروں جیسے احساس کے ساتھ خوف بھی بڑھتا گیا۔

''اگر کوئی دیکھ بھی لے گا تو کیا ہوگا۔'' حسن چند لمحوں بعد کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوا۔

ایک بات کا اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا نشا اس کے قریب آنے پر خوفزدہ ہو جاتی تھی، نہ جانے کیسا ڈر تھا جو اس کی معصوم بڑی بڑی ہرنی سی آنکھوں میں تیرتا رہتا تھا، نشا نے جواباً کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ سمیرا بیگم کو لان میں داخل ہوتے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے، نظر چچی کے پیچھے گئی تو نمرہ اور ثمرہ جدید لباس پہنے قریب آتی دکھائی دیں، حسن کی ان کی جانب پشت تھی۔

''ارے حسن تم کب آئے۔'' سمیرا بیگم کی شیریں، شائستہ آواز پر حسن آہ بھر کر رہ گیا، ابھی تو اسے نشا سے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔

''ابھی ابھی آیا ہوں آنٹی۔'' حسن پلٹ کر مودب لہجے میں بولا، نگاہ نمرہ ثمرہ کی جانب اٹھ گئی، دونوں نے ادا سے سلام جھاڑا تھا، نمرہ اور ثمرہ پھولوں کے ڈیزائن سے بھرے کرتا اور ٹراؤزر میں ملبوس تھیں، سلکی بال شانوں پر لہرا رہے تھے، دونوں دوپٹہ گلے میں ڈالنے کی بھی زحمت نہ کرتی تھیں، اس کے برعکس نشا ہمیشہ سادہ حلیے میں رہتی تھی، اس کے سر پر دوپٹہ ہی دیکھا تھا حسن نے، حسن اس کی سادگی، معصومیت اور حسن سے ہی تو متاثر ہوا تھا اور اسے اپنے نام بھی کروا چکا تھا، نمرہ ثمرہ کے سلام کا جواب اس نے ہولے سے سر جھکا کر دیا۔

''اندر لاؤنج میں آؤ نا یہاں کیوں کھڑے ہو۔'' سمیرا بیگم ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے بولیں۔

''مجھے انکل سے کچھ کام تھا انہیں سے ملنے آیا تھا، ان کی طبیعت اب کیسی ہے کیا میں مل سکتا ہوں، ان کا فون بھی آف جا رہا تھا۔'' حسن نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔

''تمہارے انکل سو رہے ہیں، ان کی ڈسٹربنس کے خیال سے میں نے ان کا موبائل آف کر دیا تھا، اگر تم کو ضروری کام ہے تو میں جگا دیتی ہوں۔'' سمیرا بیگم کا لہجہ اور انداز مٹھاس بھرے تھے۔

''نہیں آنٹی، ان کو آرام کرنے دیں میں پھر آ جاؤں گا۔'' کہتے ہوئے ذومعنی نگاہ نشا پر ڈالی جو نگاہیں لان کی سرسبز گھاس پر گاڑھے کھڑے تھی، حسن کو تو دوبارہ ملنے کا موقع چاہیے تھا، وہ تو شادی کا جلد از جلد خواہش مند تھا لیکن سمیرا آنٹی ٹال مٹول سے کام لے رہی تھیں۔

''اچھا آنٹی میں چلتا ہوں۔'' حسن نے اجازت طلب کرتے بھرپور نگاہ نشا پر ڈالی جس نے حسن کے اجازت طلب کرنے پر پل بھر کے لئے نگاہ اٹھائی تھی، حسن کی محبت بھری نگاہ نے نشا کے دل کو جکڑا تھا، دل میں کہیں سکون سا اترا تھا، اس کا احساس کرنے والا اللہ نے بھیج دیا تھا اس زندان میں۔

''او کے بیٹا، لیکن اگر زحمت نہ ہو تو نمرہ ثمرہ کو ان کی فرینڈ کے گھر ڈراپ کر دینا، ڈرائیور آج

چھٹی پر ہے، میں خود چھوڑنے جا رہی تھی، اب تم ان کو چھوڑ آؤ۔'' سمیرا بیگم کے لہجے کی مٹھاس مزید بڑھی، حسن انکار نہ کر سکا اور اثبات میں سر ہلا دیا، نشا کے قریب سے گزرتے ہوئے زیرلب اللہ حافظ کہا جو نشا کی سماعتوں نے بخوبی سنا، اس کے لب مسکرا اٹھے، ثمرہ ثمرہ کھولتی نگاہ اس کے مسکراتے چہرے پر ڈالتی حسن کے پیچھے چل دیں، سمیرا بیگم نے تنفر سے نشا کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ کو دیکھا تھا، جونہی حسن کی گاڑی گیٹ سے باہر نکلی سمیرا بیگم نے اندر کا زہر زبان کے ذریعے اگلا۔

''تم کیا سمجھتی ہو حسن سے تمہارا بیاہ ہونے دوں گی، کچی گولیاں نہیں کھیلیں میں نے حسن کو تم سے دور نہ کیا تو میرا نام بدل دینا، لیکن تم میرا نام کیا بدلو گی، تمہاری ایسی اوقات کہاں۔'' سمیرا بیگم نشا کی ٹھوڑی کو اپنے ہاتھ سے دبوچ کر غرائیں، نشا کا دل خوف سے سکڑ سا گیا۔

''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، اگر سجاد نہ میری راہ میں حائل ہوتے تو تجھے کب کا گھر سے دھکے دے کر نکال چکی ہوتی، بی بی پا کباز میرا بیٹا تیری وجہ سے گھر سے نکال دیا، سجاد نے، تجھے خوشیاں نصیب ہوں گی یہ تو نے سوچا بھی کیسے۔'' سمیرا بیگم نے کہتے ہوئے نشا کو پیچھے دھکیلا، نشا بری طرح لڑکھڑا کر گری تھی گھاس پر۔

''نشا...... نشا...... کہاں کھوئی ہوئی ہو۔'' فرح کی پریشان آواز نشا کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ہڑبڑا گئی، حسن سے ملاقات کا خیال سوچتے ہوئے سمیرا چچی کی نفرت بھی یاد آ گئی تھی، اس نے آس پاس دیکھا، تو گھبرا کر اپنے قریب کھڑی فرح کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''نشا سمیرا بیگم بہت غصے میں ہیں۔'' فرح پریشانی سے بولی۔

''کیوں؟'' نشا نے کہتے ہوئے نگاہ دور کھڑی سمیرا بیگم پر ڈالی، جو موبائل فون کان سے لگائے کھڑی تھیں، نشا کے دل کو انہونی کے پریشان کن احساس نے جکڑا تھا، دوسری طرف سے نہ جانے کیا کہا جا رہا تھا، سمیرا بیگم کے چہرے پر بے زاری اور کرختگی کی دبیز تہہ مزید رنگ جمانے لگی، نشا کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے، نشا کو طوفان کی آمد کی آہٹیں سنائی دینے لگیں، سمیرا بیگم نے موبائل پر چلنے والی کال منقطع کر کے شرربار نگاہوں سے نشا کو دیکھا اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی نشا کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

''نشا تم تو واقعی منحوس ہو۔'' سمیرا بیگم کی آواز کی ٹھنڈک اور سرد مہری نشا کو ریڑھ کی ہڈی میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔

''تمہارا نکاح ہوا، چچا کی زندگی کا سورج غروب ہو گیا، اب رخصتی ہے تو لگتا ہے حسن کی زندگی کا سورج ڈوبنے کو ہے، نہیں۔'' نشا نے بے اختیار نفی میں سر ہلا کر دل پر مہندی سے سجا نرم و نازک ہاتھ رکھا تھا۔

''مجھے لگتا ہے ایسا ہی ہوگا۔''

''ثمینہ بہت رو رہی تھی، حسن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، وہ آئی سی یو میں انتہائی سیریس کنڈیشن میں پڑا ہے وہ کومے میں جا چکا ہے، اس کا کیا مطلب ہوا نشا، حسن مر گیا، کہا تھا نا میں نے، خوشیاں تمہارا مقدر کبھی نہیں بنیں گی۔'' سمیرا بیگم کا متکبر لہجہ زہر خند ہوا، اس کے دل میں آگ کے بھانبڑ جل رہے تھے نشا کو سجا سنورا دیکھ کر، اس کی بیٹیاں عمر میں نشا سے بڑی تھیں، نشا ہی کیوں، ان کی بیٹیاں کیوں نہیں، اب تو سینے میں ٹھنڈ پڑی تھی، نشا کا چہرا سمیرا بیگم کے سفا کی بھرے الفاظ

پر لٹھے کی مانند سفید ہوا تھا، دل حسن کی زندگی کے لئے دعا گو ہو گیا، نشا نے تو خوشی کو ابھی پوری طرح محسوس بھی نہ کیا تھا اور وہ چھن بھی گئی تھی، الاؤ سرد کیے جا چکے تھے، سامان سمیٹا جا چکا تھا، سب ملازمین سمیرا بیگم کے حکم پر تیزی سے سب کچھ سمیٹ کر جا چکے تھے، کھلے آسمان تلے ٹھنڈ سے نیلی پڑتی نشا سہمی ہرنی بنی بیٹھی تھی، فرح، سمیرا بیگم اور نشا کے سوالان میں کوئی نہ تھا، خنکی بڑھ گئی تھی، نشا نے پتھرائی ہوئی نگاہوں سے سمیرا چچی کے سرد روپ کو دیکھا جو ہرگز نیا نہیں تھا، بچپن سے اب تک نشا کو سمیرا چچی نے ایسی ہی دل دہلا دینے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

''تمہیں مزید اب اس گھر میں برداشت نہیں کروں گی، حسن کی زندگی کا بھروسہ نہیں، خود کو بیوہ ہی سمجھو۔'' سمیرا چچی کے زہر بھرے نوکیلے الفاظ خنجر کا روپ دھارے نشا کے دل کو لہولہان کر گئے، لیکن وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو بے چینی سے مسلتے دل پر خنجر کے تابڑتوڑ حملوں سے نڈھال سب کچھ سننے پر مجبور تھی، بولنے کا اذن تھا، بولنے کا اذن تو اسے کبھی حاصل نہ تھا اب کیسے حاصل ہوتا۔

''تمہارے چچا نے تمہارا ٹھیکہ لیا تھا اب وہ نہیں رہے تم پر یہ میرا احسان تھا جو تمہاری شادی حسن سے کروا رہی تھی، وگرنہ جس طرح تمہاری وجہ سے سجاد نے میرا بیٹا گھر سے نکالا تھا، سجاد کے دنیا سے منہ موڑتے ہی تمہیں بھی گھر سے نکال باہر کرتی، لیکن اب تو حسن بھی نہیں رہا۔'' سمیرا بیگم کا لہجہ دل جھلساتا تھا، نشا کا دل ڈوب سا گیا۔

''اب جب حسن سمجھو مر گیا تو تم بھی دفع ہو جاؤ میرے گھر سے، تمہارا اب مزید میرے گھر میں رکنے کا جواز ختم۔'' سمیرا بیگم نے لفظ چبا چبا کر نشا پر گویا لاوا اگلا تھا، نشا نے خوف اور اندیشوں کو اپنے دل میں اترتے دیکھا تھا، زبان پر تو صدیوں سے قفل لگے تھے، وگرنہ کہہ ڈالتی، اتنے بڑے گھر کی وہ بھی تو وارث ہے اور حسن ضرور صحت یاب ہوگا، لیکن اس کی زبان پر لگے قفل زنگ آلود ہو چکے تھے، سمیرا بیگم کی فرعونیت نے رنگ کبھی اترنے ہی نہ دیا تھا، اب تو وہ فرعون کی پکی سہیلی لگی تھی نشا کو، دوسری طرف سمیرا بیگم کو اس پل بیٹے کا گھر سے نکالنا یاد آیا تو ان کے اندر نشا کے لئے نفرت کا الاؤ پوری شدت سے بھڑکا تھا سمیرا بیگم کے اندر رہی سہی انسانیت بھر بھر جلنے لگی، کیسے بھتیجی کی خاطر سجاد نے سالوں بعد انگلینڈ سے آئے بیٹے کو چند دن بعد ہی گھر بدر کر دیا تھا۔

''اٹھو نشا۔'' سمیرا بیگم کے ماتھے پر لاتعداد بل تھے تو لہجہ سرد، نشا نے سانس رکتا محسوس کیا تھا۔

''کپڑے بدل کر واپس یہیں آؤ اور ہاں اگر کچھ اپنی قیمتی چیزیں لینی ہوں تو رکھ لینا۔'' کھردرا حکم نشا کی سماعتوں کو چھیل گیا، قدم حکم کے ماتحت ہوئے نشا کے پیچھے چلتی، فرح کو اپنا وجود سمیرا بیگم کی سرد مہری سے برف کی سل میں ڈھلتا محسوس ہوا تھا، نشا کی واپسی چند لمحوں بعد ہوئی، اس کے تن پر گرم اونی لباس تھا جو نمرہ کی اترن تھی، گورے پاؤں اونی جرابوں اور کینوس شوز میں مقید تھے جو نمرہ نے عنایت کیے تھے۔

سر پر اور وجود کے گرد گرم نیلی شال تھی جو سمیرا بیگم نے کچھ عرصہ استعمال کے بعد اسے دان کر دی تھی (اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ تھا جس میں اس کی کچھ چیزیں اور میٹرک کا رزلٹ کارڈ اور سند تھی)۔

سمیرا بیگم نے سر تا پاؤں نشا کا جائزہ لیا چاند لمحے پہلے سجی سنوری بیٹھی تھی۔

"تم ماسیوں والے حلیے میں ہی اچھی لگتی ہو نشا۔" سمیرا بیگم کی طنزیہ مسکراہٹ دل جلانے والی تھی، نشا نگاہیں جھکائے کسی مجرم کی طرح کھڑی تھی، خوشیاں اس کی فنا ہوئی تھیں معتوب بھی وہی ٹھہری تھی، سمیرا بیگم کو اب نشا کا وجود ایک پل کے لئے بھی اس گھر میں برداشت نہ تھا، نشا دو کنال پر پھیلے بنگلے کی تنہا مالک تھی، اس کی شادی کر کے نشا کو اسے پر اعتماد ہر گز نہیں بنانا تھا تا کہ کل کو وہ اپنے بنگلے اور بزنس کا مطالبہ کر سکے، حسن سے بھی اس صورت وہ رخصتی پر آمادہ ہوئی تھیں کہ حسن کا نشا کی جائیداد سے کوئی تعلق نہ ہو گا، اپنی طرف سے تو وہ مطمئن تھیں لیکن حسن اور ثمینہ بیگم کے دل میں کیا تھا، وہ نہیں جانتی تھیں، ابھی اسی وقت انہیں نشا کے وجود سے اپنا گھر پاک کرنا تھا، ان کی طرف سے وہ دنیا کے برزخ میں دھڑ دھڑ جلے ان کی جانے بھلا، نشا کی بے جان ہوتی ٹانگیں طاقت کے قحط کا شکار تھیں، سمیرا بیگم کے ترکش کے آخری زہریلے تیر نے اس کی رہی سہی ہمت بھی فنا کر ڈالی تھی۔

☆☆☆

ثمینہ بیگم رو رو کر نڈھال ہو رہی تھیں، ہاسپٹل کے صاف ستھرے کاریڈور میں بینچ پر بیٹھی وہ گریہ زاری کے ساتھ ساتھ بیٹے کے کومے سے باہر آنے کی دعائیں اللہ سے کر رہی تھیں، انہیں ایک پل کے لئے بھی نشا کا خیال نہ آیا تھا جو ان کی بہو تھی، سمیرا بیگم جس نے ہمیشہ دونوں ماں بیٹا کو اپنا اچھا روپ دکھایا تھا لیکن جونہی ثمینہ نے رخصتی کی بات کی سمیرا بیگم نے منافقت کا چولا اتار کر اپنا اصل رنگ دکھا دیا، وہ تب جانے تھے دونوں ماں بیٹا، نشا اتنا خوفزدہ کیوں رہتی ہے، تب حسن رخصتی کی خاطر سمیرا بیگم کی ساری شرطیں مان گیا تھا گو ثمینہ بیگم کو اعتراض تھا چند شرائط پر، لیکن بیٹے کی خوشی کی خاطر چپ ہو گئی تھیں، اب اگر وہ چاہتیں تو نشا کو اپنے گھر بلوا لیتیں تیمور کو بھیج کر، لیکن ان کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نشا کا خیال نہ تھا ان کو صرف اپنے حسن کی زندگی سے غرض تھی۔

☆☆☆

سمیرا قہر برساتی نگاہوں سے کچھ پل بیگ سینے سے دبوچے نشا کو گھورتی رہی۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" نشا خوش گمانی کی بلندیوں پر اڑنے لگی، چچی حسن کے پاس لے جانے والی ہیں یقیناً اسی لئے اہم سامان لینے کو کہا، مستعد ڈرائیور ڈرائیوے پر گاڑی کے دروازے کھولے بالکل تیار ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا، سمیرا بیگم کا حکم نشا کے قدموں کو بجلی کا ہم سفر بنا گیا، پچھلی سیٹ پر جس برق رفتاری سے وہ بیٹھی تھی سمیرا بیگم کی نگاہوں نے حیرانگی کا مزہ چکھا تھا، اگر نشا جان لیتی سمیرا چچی کے کیا ارادے ہیں وہ تاحیات اپنی ٹانگوں کو مردہ قرار دے دیتی قدم نہ اٹھاتی، سمیرا بیگم نے فرنٹ سیٹ سنبھالی تو گاڑی کھلے گیٹ سے نکل کر کالونی کے مختلف بلاکس میں تیز رفتاری سے اڑتی مین سڑک پر آ گئی نشا حسن کو دیکھنے کے لئے بے قرار تو سمیرا بیگم کا سرد پتھریلے تاثرات سے اٹا چہرہ، گاڑی تقریباً گھنٹہ محو سفر رہنے کے بعد بالآخر ٹھہر گئی، نشا کو باہر کی دنیا صرف تب دیکھنے کو ملی تھی، جب وہ میٹرک کے پیپرز دینے سنٹر تک گئی تھی، وہ بھی چچا کا احسان تھا جو میٹرک کر لیا ورنہ چچی کا ارادہ ہرگز اس کو اتنی تعلیم دلوانے کا بھی نہ تھا، وہ خوش تھی اب چچی اس زندان سے نکال کر ہمیشہ کے لئے حسن کے پاس چھوڑ دیں گی، کیونکہ ڈاکومنٹس کا بیگ نشا نے پہلے ہی ریڈی کر لیا تھا، حسن کے ساتھ رخصتی کے وقت اسے اپنے ساتھ لے کر جانا

تھا، رخصتی کے وقت فرح اسے لا دیتی، لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی تھی، سمیرا چچی کا گویا نشا پر احسان تھا جو وہ نشا کو حسن کے پاس چھوڑنے آئی تھیں یہ نشا کا خیال تھا جو وہ سفر کے دوران مسلسل سوچتی آئی تھی۔

لیکن گاڑی مکمل سیاہ چادر میں لپٹی جگہ پر ٹھہری تھی۔

''باہر نکلو نشا۔'' نشا ہراساں ہوئی گاڑی سے باہر نکلی تو رات کی سیاہ چادر نے اس کے وجود کو خود میں سمو لیا، سمیرا بیگم نے شیشہ نیچے کیا اور بھالہ تھا جو نشا کی سماعتوں میں اتار دیا۔

''اب تم یہیں رہو نشا، مرو یا جیو میری بلا سے، چاہتی تو تمہیں گھر کے گیٹ سے نکال باہر کرتی لیکن تم گیٹ کے سامنے تماشا لگا لیتیں، اب یہاں سے تو تم گھر واپس جانے سے رہیں۔'' نشا کی سماعتیں لہولہان ہو گئیں سفاکی بھرے الفاظ پر، پھٹی پھٹی نگاہوں نے سمیرا چچی کا زہریلا ترین روپ دیکھا تھا اس پل، سمیرا چچی نے جونہی شیشہ اوپر کیا، نشا کے وجود میں طوفان برپا ہو گیا۔

''کیسے چھوڑ کر جا سکتی ہیں آپ مجھے، وہ گھر میرا ہے جہاں آپ نے قبضہ جما رکھا ہے، آپ اتنی سنگدل کیسے ہو سکتی ہیں۔'' سمیرا بیگم کا شیشہ اوپر کرتا ہاتھ پل بھر کے لئے ساکت ہوا، پتلیاں سکیڑ کر نشا کی جرأت ملاحظہ کی۔

''تو مینڈکی کو بھی بالآخر زکام ہو ہی گیا، میں نے قبضہ جما رکھا ہے تمہارے گھر پر، ہاں یہی کہنا نا تم نے، تو نشا بی بی سن لو کان کھول کے، مجھے تم سے اتنی نفرت ہے کہ میرا بس چلے تو تمہیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں، ابھی تو رحم کھایا ہے تم پر، تمہیں زندہ چھوڑ رہی ہوں۔'' نشا سمیرا چچی کی اتنی نفرت پر سن ہوئی۔

''چلو ڈرائیور۔'' سمیرا بیگم نے نشا کے ساکت وجود پر نفرین بھری نظر ڈال کر ڈرائیور کو حکم دیا، ڈرائیور نے جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی، نشا کا سن وجود بھونچال کی زد میں آ گیا، وہ ہوا کے بگولہ بنی گاڑی کے پیچھے بھاگی، گاڑی لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی تاریکی میں غائب ہو گئی، نشا کی جان اس کے جسم سے نکلنے کو پر تولنے لگی، تقدیر نے کیسا پلٹا کھایا تھا، کچھ وقت پہلے وہ خوشیوں کے پنگھوڑے میں جھول رہی تھی اور اب انجان جگہ پر سیاہ تاریک رات میں بے یارو مددگار کھڑی اپنی حرماں نصیبی پر ماتم کناں تھی، تاریکی کے دبیز پر اس پر سایہ فگن تھے سڑک کے اطراف لگے درختوں نے دکھ سے اس بلکتی لڑکی کو دیکھا تھا، ٹھنڈی یخ بستہ ہواؤں میں سرد آہوں کے راگ تھے، سڑک پر ہوا کے رحم و کرم پر پڑے زرد پتوں کے دل اس تاریک رات میں خوف سے زرد پڑتی لڑکی کے لئے نوحہ کناں تھے، صدمہ اور خوف اتنا شدید تھا کہ نشا اپنے سینے سے بیگ چمٹائے وہیں سڑک کنارے ڈھے گئی، اس کا ذہن ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

ٹپ ٹپ بارش کے قطرے تواتر سے نشا کے بے ہوش وجود پر برسنے لگے تو نشا عالم مدہوشی سے ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی، بارش کی رم جھم سڑک پر مدھر راگ بکھیر رہی تھی، نشا کافی ثانیے خالی الذہنی کیفیت میں گھری ٹس بیٹھی رہی، پھر اس کو سب یاد آ گیا تو دل ڈوب سا گیا۔

گھبرائی نگاہ نے بوکھلا کر ماحول کی ہولناکی کو پوری شدت سے محسوس کیا، بے ہوش ہونا اسے نعمت لگا تھا، وہ رات کی ہولناکی کا سامنا کیسے کرتی جبکہ دن کو بیدار ہوئے کافی وقت بیت چکا تھا، دن کا یہ عالم تھا تو رات، نشا کو سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی، وہ سسکنے لگی، اس کی دنیا تو اس کا

گھر تھا، سمیرا چچی نے اپنی نفرت میں اسے بھری دنیا میں لاوارث بنا کر چھوڑ دیا تھا، وہ بنا سمت کا تعین کیے برستی بارش میں ایک سمت چلنے لگی، ذہن میں اس کے سترہ سالہ ماضی کی فلم سی چلنے لگی، زندگی تو کبھی بھی اس کے لئے حسین نہ تھی، لیکن تب زندگی نے حسن کے سارے رنگ چرائے تھے، جب حسن اس کی زندگی میں آیا تھا، تب زندگی نے اپنی ساری رعنائیاں نشا کے وجود میں بھر دی تھیں، ان رعنائیوں کی عمر کتنی مختصر تھی، سڑک کنارے بارش کی رم جھم میں بھیگتی لڑکی نے دلگرفتگی سے سوچا تھا۔

☆☆☆

سجاد اور عظیم دو ہی بھائی تھے، ان کا نہ صرف بزنس الگ الگ تھا بلکہ بنگلے بھی الگ الگ تھے، عظیم کا بنگلہ دو کنال کی اراضی پر مشتمل تھا، پھلتا پھولتا بزنس، سلجھی ہوئی سلیقہ شعار نرم گفتار خوبصورت بیوی عظیم خود کو خوش قسمت تصور کرتا، سجاد کا بزنس ترقی کرنے کے بجائے زیادہ تر نقصان میں رہتا، اس کا بنگلہ ایک کنال کا تھا، بیوی بھی واجبی شکل وصورت کی حامل، کم پڑھی لکھی، زبان دراز اور نک چڑھی مغرور تھی، سجاد اس سے ناک تک عاجز تھے، سجاد کی شادی پسند کی تھی، ماں باپ کی منت سماجت کر کے سمیرا سے شادی کی تھی، جبکہ عظیم کی شادی خالصتاً ماں باپ کی پسند سے ہوئی تو سمیرا کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا، جٹھانی شائستہ پر اس کا پلہ جو بھاری ہو گیا تھا۔

جس کی اچھی عادات کے سب ہی معترف تھے، سمیرا کی زبان درازی دو چند ہو گئی جب اس نے دو جڑواں بیٹیوں کو جنم دیا، شائستہ کی طرف سے اتنے سال گزرنے کے باوجود کوئی خوشخبری نہ ملی تھی، ساس سسر بچوں پر جان نچھاور کرتے تھے، عظیم اور شائستہ بھی ندیم، نمرہ اور ثمرہ پر اپنی محبتیں نچھاور کرتے تو سمیرا کی گردن کا سریا مزید تن جاتا، چشم تصور میں وہ عظیم کی جائیداد کا مالک سجاد اور اپنے بچوں کو ہی تصور کرتی، جب اولاد ہی نہیں ہوگی تو پھر انہی کے حصے میں سب آئے گا، جٹھانی کے ساتھ اس کا رویہ گزارے لائق ہی تھا، سجاد اس کے برعکس اپنے بھائی اور بھابھی کا دل سے احترام کرتے تھے، جو لالچ سمیرا کے ذہن و دل میں پنپ رہا تھا، سجاد کو اگر خبر ہوئی تو سمیرا بیگم کی شامت آجاتی، شائستہ بھی صبر وشکر کے ساتھ بے اولادی کا غم سہہ رہی تھیں، ندیم نمرہ اور ثمرہ کو ڈھیروں کھلونے آئے روز لا کر دیتیں، ساس سسر یکے بعد دیگرے بڑے بیٹے کی بے اولادی کا غم سینے سے لگائے دنیا سے رخصت ہو گئے، سمیرا بیگم کو جو لحاظ ادب تھا ساس سسر کی موجودگی میں، ساس سسر کے رخصت ہوتے ہی وہ بھی رخصت ہو گیا، تاک تاک کر شائستہ کو دل دکھانے والی باتیں کرتیں، شائستہ نے بھی اس بات کی شکایت عظیم اور سجاد سے نہ کی، ندیم سات سال کا، نمرہ اور ثمرہ پانچ سال کی تھیں، جب شائستہ امید سے ہوئی، عظیم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، نشا ان کی زندگی میں بہار بن کر دنیا میں آئی، تو عظیم اور شائستہ کے ساتھ سجاد بھی خوشی سے بے قابو ہو گئے، سجاد کو چھوٹی سی نشا اپنی جان سے بھی پیاری تھی، سمیرا بیگم نشا کی پیدائش پر جل بھن گئی تھی اب شوہر کو اپنے بچوں پر محبت نچھاور کرنے کی بجائے نشا پر محبتوں کے خزانے لٹاتا، وہ نشا سے نفرت کرنے لگیں، انہیں ہر وہ انسان زہر لگتا تھا جسے سجاد بیوی بچوں کو نظر انداز کر کے اہمیت دیں، سجاد کو بھی کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا سمیرا کی نشا اور شائستہ بھابھی سے نفرت اور بے زاری کا، انہوں نے پیار سے بیوی کو سمجھایا،

شائستہ بھابھی کی مثالیں دیں تو سمیرا جلتے توے پر جا بیٹھیں، اب تو سجاد کی زبان ہمہ وقت شائستہ بھابھی کی تعریف میں رطلب اللسان رہتی تھی، سمیرا جل بھن کر کوئلہ بن جاتی، نشا اتنی خوبصورت تھی جو بھی دیکھتا پیار کیے بغیر نہ رہتا اس کے اپنے بچے نشا کے آنے کے بعد پس پشت چلے گئے تھے، یہیں سے سمیرا کی شائستہ اور نشا سے شدید دشمنی کا آغاز ہو گیا، نشا تین سال کی تھی جب شائستہ دوبارہ امید سے ہوئی، عظیم اور شائستہ کو گویا دنیا جہان کا خزانہ مل گیا ہو، لیکن خوشیاں اس نیک جوڑے کو راس نہ آئیں، ایک رات عظیم شائستہ کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے لے گئے، نشا کو سجاد اور سمیرا کے پاس چھوڑ گئے تھے، واپسی پر دونوں بے انتہا خوش الٹرا ساؤنڈ میں بیٹے کی خوشخبری ملی تھی، عظیم شائستہ کو محبت سے چھیڑ رہے تھے، تب انہیں غلط موڑ مڑنے کا اندازہ نہ ہوا، گاڑی کی دوسری طرف سے آنے والی گاڑی سے اتنی شدید ٹکر ہوئی گویا بم کا دھماکہ ہو گیا ہو، دونوں گاڑیوں میں بیٹھے نفوس میں سے کوئی حیات نہ رہ سکا، تین سالہ نشا کو موت اور زندگی کے معنی تو ابھی سمجھ نہ آتے تھے، بس وہ ہر وقت ماما پاپا کو پکار پکار کر روتی رہتی، سجاد کا دل دکھ سے چھلنی ہو جاتا، نشا کو اس نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا، سمیرا بیگم کو شائستہ بھابھی اور عظیم کی موت کا وقتی صدمہ ضرور ہوا تھا، لیکن جب سجاد نے عظیم بھائی کا بنگلہ کرائے پر اٹھانا چاہا، تب اسے کمینی سی خوشی ہوئی، شائستہ بھابھی اور عظیم کی موت اسے فائدے سے ہمکنار کر گئی تھی اس نے سجاد کو جذباتی طور پر ٹریپ کر کے اپنا بنگلہ کرائے پر چڑھوا دیا، عظیم بھائی کے بنگلے میں ان کی اپنی فیملی شفٹ ہو گئی، سمیرا کا یوں کہنا نشا ہمارے بنگلے میں اجنبیت محسوس کرے گی، اپنے بنگلے کے کونے کونے سے نشا کو انسیت ہو گی، وہ اپنے بنگلے میں ہی سکون محسوس کرے گی، سجاد کو پہلی بار سمیرا کی بات دل کو بھائی تھی، پھر آنے والے دنوں وہی ہوا جو سمیرا نے چاہا، نشا سے سجاد کی محبت میں کبھی فرق نہ آیا، ایک بار سمیرا نے نشا کو ہمہ وقت سجاد کا دم چھلہ بننے پر سجاد کی غیر موجودگی میں اس کے نازک پھول سے رخساروں پر طمانچے رسید کیے تھے۔

''آئندہ مجھے اپنے چچا کے آس پاس بھی نظر نہ آنا۔'' پانچ سالہ نشا سمیرا چچی سے تب اتنی خوفزدہ ہوئی یہ ڈر سترہ سال کی ہونے پر بھی پیچھا نہ چھوڑ سکا، سجاد چچا سے نامحسوس طریقے سے وہ سمیرا چچی کی موجودگی میں قریب جانے سے کترانے لگی، سجاد مکمل طور پر سمیرا کے نرغے میں آ چکے تھے، عظیم بھائی کا پھلتا پھولتا بزنس اور اپنا بزنس دونوں نے سجاد کو گھن چکر بنا کر رکھ دیا تھا، سمیرا کی زندگی کے شاہانہ ٹھاٹ باٹھ اسے غرور و تکبر کی اونچی مسند پر بٹھا گئے، اسے نشا کی اتنی تعلیم دلوانی ہی نہیں تھی جو اس میں اعتماد بھر دیتی اور اسے ان کے مقابل لا کھڑا کرتی اور وہ اپنے باپ کا بزنس اور دو کنال کے بنگلے کی ملکیت کا حق جتاتی، دبوسی، ڈری سہمی نشا کو انہوں نے گھر پر ہی تعلیم دلوائی تھی، فی میل ٹیوٹر ارینج کر کے، بیٹا او لیول کرتے ہی انگلینڈ اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیج دیا، نمرہ ثمرہ مہنگے ترین سکول کالجز سے فارغ التحصیل نشا پر سجاد صاحب کی منت سماجت کے بعد سمیرا نے گویا احسان کیا تھا، اسے میٹرک کے پیپرز دینے دیے تھے، نشا کو تعلیم حاصل کرنے کا اتنا شوق تھا، جب اس کی سند اور رزلٹ کارڈ اسے ملا اس نے شاندار نمبر حاصل کیے تھے، وہ قیمتی متاع کی طرح انہیں سنبھال کر رکھتی تھی، پرانی ملازمہ کی بیٹی فرح اس کی ہم عمر تھی اور اسی کے ساتھ نشا کی

دوستی تھی، وہ نشا کا بہت خیال رکھتی تھی، اسے سمیرا چچی کے عتاب سے بچانے کے لئے وہ اس کے بگاڑنے والے کام اپنے سر لے لیتی تھی، سمیرا بیگم کو نشا کا وجود خار بن کر تب کھٹکا جب نمرہ اور ثمرہ کے لئے آنے والے اعلیٰ خاندانوں کے رشتے نشا کو پسند کر کے چلے جاتے، سمیرا کا فشار خون بلند ہو جاتا وہ نشا کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتی، اس کی ماں کی موجودگی میں ہمیشہ مجھے نظر انداز کیا گیا اور اب اس کی موجودگی میں میری بیٹیوں کی دل آزاری ہو گی، ایسا ہرگز ہونے نہ دوں گی، تب نشا کو نمرہ اور ثمرہ کی اترن پہننے کو ملنے لگی، وہ اتنی صابر و شاکر کبھی اپنا حق نہ مانگا، سمیرا چچی کا خوف اسے لب سیئے رکھنے پر مجبور کر دیتا، سجاد بزنس کے جھمیلوں میں مصروف، انہی دنوں اس پر لان میں جانے پر بھی پابندی لگ گئی، صرف کچن کے کام دیکھے اور اپنے کمرے میں رہے، نشا حکم کی غلام، لیکن اس پابندی کا عقدہ بھی فرح نے اس پر کھول دیا، سجاد صاحب نے ایک نوجوان حسن کے ساتھ بزنس میں پارٹنر شپ کی تھی، وہ اتنا خوبصورت وجیہہ اور ہینڈسم نوجوان تھا، سمیرا بیگم نے نمرہ کے لئے اس کو پسند تک کر لیا تھا، اب حسن کو اپنے گھر ڈنر پر انوائٹ کیا تھا، اس کی مما انگلینڈ میں تھیں، سمیرا بیگم کی پوری کوشش تھی، نمرہ کی بات بن جائے، سجاد صاحب بھی بیوی کے ہمنوا تھے وہ تھا ہی اتنا سلجھا ہوا اور تعلیم یافتہ نوجوان، بزنس بھی خاصا وسیع، نشا تو کیا سمیرا بیگم نے ثمرہ پر بھی پابندی عائد کر دی کہ وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے، نشا کے ذمے نت نئی ڈشز پکا کر کمرے میں چلے جانا تھا، نشا کچن میں بزی تھی، سمیرا بیگم وقفے وقفے سے کھانے کا جائزہ لینے کچن میں آ جا رہی تھی، سمیرا چچی کی موجودگی نشا کے ہاتھ پاؤں پھلا دیتی تھی، ابھی بھی جونہی سمیرا بیگم کچن میں آئیں، دودھ کی پتیلی چولہے پر رکھتے نشا کا ہاتھ کانپا، پتیلی اس کے ہاتھ سے چھوٹی، کوکنگ رینج پر دودھ پھیل گیا، سمیرا بیگم کا پارہ ہائی ہوا تو نشا کی روح فنا، ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں تمہارے، سمیرا بیگم نے نشا کی کمر پر جھولتی ناگن کی طرح بل کھاتی چٹیا کو پوری شدت سے کھینچا تھا، نشا تکلیف سے بلبلا اٹھی۔

''حسن کے آنے میں فقط ایک گھنٹہ رہ گیا تھا اور سارا دودھ گرا دیا تھا کم بخت نے، اب اس وقت کھیر کے لئے دودھ منگواؤں تو کھیر کب بنے گی، تم سے کوئی کام نہیں ہوتا۔'' زوردار دھکا نشا کو دیتے سمیرا بیگم کڑک کر گویا ہوئیں، نشا نے اپنا وجود بے حس و حرکت ہوتے دیکھا، غلطی معمولی ہو یا بڑی، چوٹ ہر بار ایک سی سہنی پڑی تھی اسے۔

''اب دفعان ہو جاؤ یہاں سے، ماں باپ مر گئے تم بھی مر جاتیں، میرے سینے پر مونگ دلنے کو تم دنیا میں آ گئیں۔'' سمیرا بیگم نشا کو بری طرح پیٹتے اپنے دل کا زہر اس کی سماعتوں میں انڈیل رہی تھی کچن میں داخل ہوتی فرح نے تڑپ کر معمول کے اس منظر کو دیکھا تھا، اس کے اندر ایک آگ سی جل اٹھی تھی، نشا بی بی اتنی جائیداد کی مالک اور حال نوکروں سے بھی بدتر، نشا سسکتی ہوئی کچن سے نکلی تو واجبی شکل وصورت کی مالک نمرہ سے ٹکر ہوتے ہوئے بچی، نمرہ کا وجود قیمتی لباس سے سج سا گیا تھا، روتی ہوئی نشا کو دیکھ کر استہزائیہ مسکراہٹ نے لبوں کو چھوا، نشا کا وجود درد بن گیا، وہ اپنی اپنی تذلیل پر سمیرا چچی کی ہدایت فراموش کر گئی، اسے اپنا درد آنسوؤں کی شکل میں بہانا تھا، وہ لان میں چلی آئی، شام کے سہانے رنگ ہر سو بکھرے تھے، سجاد چچا گھر میں موجود تھے، لیکن اپنے کمرے میں صبح سے بند

تھے، پورے گھر کی کرتا دھرتا ان کی بیوی ہی تھی، سمیرا بیگم نے شوہر اور دنیا کے سامنے نشا کے ساتھ اچھے سلوک کا ڈھونگ رچا رکھا تھا، سجاد صاحب اندر ہی اندر کڑھتے تھے نشا کی حالت پر لیکن وہ بہترین رشتے کے انتظار میں تھے، تاکہ نشا کو بھی پرسکون زندگی میسر آئے، نشا لان میں بوگن ویلیا کی بیل کے نیچے لش گرین گھاس پر چہرہ گھٹنوں پر چھپا کر بیٹھ گئی، دل تھا کہ ادھڑا جا رہا تھا، ماں باپ کی یاد شدت اسے دل و دماغ کی دیواروں سے سر پٹخنے لگی تو وجود ہچکولوں کی زد میں آ گیا۔

''کیا میری زندگی یونہی ترستے بلکتے گزرے گی۔'' اسی پل حسن کی گاڑی کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور ڈرائیوے پر آ ٹھہری، وہ مقررہ وقت سے آدھا گھنٹہ قبل پہنچا تھا، سمیرا بیگم اور نمیرہ ملازمہ سے سب کھانوں کو ڈش آؤٹ کروا چکی تھیں، حسن کے آتے ہی سرو کر دینا تھا، ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ حسن آ چکا ہے اور اسے لان میں روتی بلکتی نشا نے اپنی جانب قدم بڑھانے پر مجبور کر دیا ہے، نشا کا رونے اور گریہ زاری کے باعث لرزتا وجود اور اس کے عین سامنے کھڑا حسن، جس کی نگاہوں میں استعجاب پناہ لے چکا تھا۔

''یہ لڑکی آخر اتنا کیوں رو رہی ہے؟ اور ہے کون۔'' نشا کی سماعتوں نے اجنبی قدموں کی چاپ سنی تو جھٹکے سے سر اٹھایا، روئی روئی گلابی آنکھوں میں آنسوؤں کا بسیرا تھا، سفید چمکتے موتیوں کی قطار میں کچلتے گلابی نازک پنکھڑیوں سے لب، گھنیری دراز خم دار لرزتی پلکوں کی چلمن کی بے تابی، چھوٹی سی ستواں شان سے اٹھی ناک، رنگت ایسی گویا میدے میں گلابی رنگ گھول دیا ہو، وہ حسن کا شاہکار تھی، حسن اس کے حسن کے سحر میں ساکت ہوا تو نشا ہراساں ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، حسن کی نگاہوں نے اس نازک، معصوم لڑکی کی محبت کے سارے رنگ آن واحد میں خود میں سموئے تھے، یہ کیسا سحر تھا جو اس کی ہرنی سی وحشت زدہ آنکھوں نے حسن پر پھونکا تھا، وہ یک ٹک اس پری چہرہ لڑکی کو دیکھے گیا، نشا بوکھلا گئی، سمیرا چچی کی تنبیہ ذہن کے پردے پر لہرائی تو رگوں میں دوڑتا لہو منجمد ہوا، یہ کیا کر بیٹھی تھی وہ، حکم عدولی وہ بھی فرعون صفت سمیرا چچی کی، نشا کے قدم ہراس اور افراتفری کی بھینٹ چڑھ گئے، اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا تھا، کہ اس کو لمحہ بہ لمحہ دور جاتے دیکھنے والا پتھر ہو چکا ہے، فرح جو نشا کو دیکھنے آئی تھی، نشا کے نقش پا کو بغور محبت سے دیکھتے دیکھ کر زیر لب مسکراتے حسن کے قریب چلی آئی، حسن فرح کو دیکھ کر یک لخت سنبھلا، یقیناً یہ لڑکی اس گھر کی ملازمہ تھی، سجاد صاحب کی بھتیجی نشا تھی یہ، فرح نے خود ہی نشا کا تعارف کروایا، حسن کی نگاہوں میں نشا کے لئے پسندیدگی کے رنگ دیکھ کر فرح نے دل سے چاہا تھا کاش نشا کی شادی اس خوبصورت نوجوان سے ہو جائے، اس لئے اپنی طرف سے نشا کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہا، اس پل اسے سمیرا بیگم کا بھی خوف نہ تھا صرف نشا کی بہتری مطلوب تھی۔

''اوہ...... لیکن یہ رو کیوں رہی تھیں۔'' حسن کا لہجہ مضطرب تھا۔

''بس صاحب جی، ماں باپ نہیں ہیں بی بی کے، یاد آ گئی ہو گی ان کی۔'' اب وہ سمیرا بیگم کی ظلم کی داستان تو سنا نہیں سکتی تھی۔

''اوہ ویری سیڈ، شادی وادی نہیں ہوئی ان کی۔'' حسن کے لہجے میں ان دیکھی آنچ تھی۔

''نہیں صاحب جی۔'' فرح نے زور و شور سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''اوکے میں ذرا سمیرا آنٹی اور سجاد انکل سے مل لوں۔'' حسن دل ہی دل میں پر سکون ہوا تھا، فرح کی مسکراتی نگاہوں نے اندرونی حصے میں غائب ہونے تک حسن کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆

''واٹ؟'' سمیرا بیگم کی زبان سے بے اختیار نکلا، انہیں ہزار کا نہیں لاکھ واٹ کا جھٹکا لگا تھا یہ کیا کہہ دیا تھا، ثمینہ بیگم نے انہیں یقیناً سننے میں غلطی ہوئی تھی، وہ بے یقین نگاہوں سے ثمینہ بیگم کو دیکھے گئیں، سجاد صاحب بھی عجیب سے احساسات میں گھر گئے، نمرہ بیٹی تھی تو نشا بھتیجی وہ کیا فیصلہ کریں، وہ گو مگو کیفیت میں محض نگاہ جھکائے بیٹھے رہ گئے، حسن نے نشا کے لئے رشتہ بھیج دیا تھا، سمیرا بیگم جو ایک ماہ سے خوش فہمی کے گھوڑے پر سوار تھیں، ثمینہ بیگم کے نشا کا رشتہ مانگنے پر دھڑام سے خوش فہمی کے تحت سے گری تھیں، تکلیف اور جلن بھی اتنی ہی شدید تھی، ثمینہ بیگم دونوں میاں بیوی کا رویہ دیکھ کر پریشان، حسن کی شدید خواہش بن چکی تھی نشا، سمیرا بیگم کیسے نشا کو نمرہ کا حق مارنے دیتیں، اپنے تئیں وہ حسن کو نمرہ کے لئے پسند کر چکی تھیں اور اب حسن پر صرف نمرہ کا حق تھا، ان کا ارادہ صاف انکار ثمینہ بیگم کے منہ پر کرنے کا تھا، لیکن سجاد کی بات پر وہ آنکھیں پھاڑے شوہر کو دیکھنے لگیں، یہ کیسے نشا کو نمرہ پر ترجیح دے سکتے ہیں، دنیا والوں کو نظر میں نشا کی چچی چچا اس پر جان نچھاور کرتے تھے، لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی، ثمینہ بیگم اور حسن اس بات سے قطعی انجان تھے۔

''ثمینہ بہن نشا آپ کی ہی بیٹی ہے، مجھے نشا کے لئے حسن کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔'' سمیرا بیگم کے سر پر گویا بم بلاسٹ ہوا تھا، نگاہ نے غصہ اور طیش ایک ساتھ اگلا تھا، لیکن مقابل بھی سجاد صاحب تھے جن کو اس پل صرف نشا کی بھلائی مقصود تھی۔

''ارے بھائی صاحب، بہت بہت شکریہ، نشا اتنی پیاری ہے، میرا تو دل ہے چٹ منگنی پٹ بیاہ کر ڈالو، اکلوتا بیٹا ہے، میں گھر میں اکیلی بھائیں بھائیں کرتے گھر میں کیسے دن گزارتی ہوں مجھے پتہ ہے، ملازم بے شک ہیں لیکن ملازم رشتوں کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے نا، بس آپ جلدی سے کوئی تاریخ طے کر دیں میں اپنی امانت لے جاؤں۔'' ثمینہ بیگم کا لہجہ بے صبرے پن کا غماز تھا، نشا نے ہی چائے وغیرہ سرو کی تھی، نشا کے چہرے کے بھولپن اور معصومیت ان کے دل کو بری طرح بھا گئی تھی، حسن کی پسند واقعی لاجواب تھی، سمیرا بیگم کے تن من میں گویا آگ لگی تھی، جس کی لپٹیں اس کی آنکھیں اگل رہی تھیں۔

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے بہن لیکن کچھ تو تیاری کرنا ہو گی ہمیں۔'' سجاد صاحب کا انداز خوشگواریت کا عکس لئے ہوئے تھا، بیوی کے تپے تپے تاثرات سے وہ ہرگز انجان نہ تھے۔

''تیاری کیسی بھائی صاحب، ہمیں صرف نشا کی ضرورت ہے باقی اللہ کا دیا سب کچھ ہمارے پاس ہے، آپ کو تو چھان بین کی بھی ضرورت نہیں، حسن آپ کا دیکھا بھالا ہے، بس آپ کوئی تاریخ دے دیں۔'' ثمینہ بیگم کو سمیرا بیگم کے انداز بہت کچھ جتلا گئے تھے۔

''یہ عورت ضرور رخنہ ڈالے گی رشتے میں۔'' وہ سمجھ گئی تھیں۔

''اگر آپ بضد ہیں تو اس ماہ کی پچیس تاریخ مناسب رہے گی، نکاح کر لیتے ہیں، پھر ایک ماہ بعد رخصتی ہو جائے گی۔'' سجاد صاحب نے بھی زیادہ ٹال مٹول سے کام نہ لیا، جھٹ

تاریخ طے کر دی، فرح جو آس پاس منڈلا رہی تھی، گفتگو اپنی سماعتوں میں انڈیلتی وہ خوشی سے بے قابو ہوتی نشا کو بتانے بھاگی کہ تمہارے اس زندان سے نکلنے کے دن بالآخر آ ہی گئے، سمیرا بیگم تو جھٹ پٹ تاریخ طے ہوتے دیکھ کر گویا جلتے توے پر جا بیٹھیں لیکن ضبط کی طنابیں ہاتھ سے ہرگز چھوٹنے نہ دیں، ابھی بھی بہت کچھ ہو سکتا تھا اگر وہ تحمل کا دامن تھامے رکھتیں۔

''بھئی اتنی جلدی بھی کیا ہے نکاح کی، آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمائے بیٹھی ہیں۔''

''سمیرا میرا بس چلے تو آج ہی حسن کی بارات لے آؤں۔'' ثمینہ بیگم سے خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی، سجاد صاحب نے سنجیدگی سے بیوی کی منافقت بھری مسکراہٹ ملاحظہ کی تھی، اب انہیں سب سے ضروری بات ثمینہ بیگم کے گوش گزار کرنی تھی، لیکن سمیرا کی موجودگی میں طوفان اٹھنے کا اندیشہ تھا، لیکن بات تو کرنی ہی تھی، سو گلا کھنکار کر ثمینہ بیگم کو مخاطب کیا۔

''بہن آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' سجاد صاحب کے انداز پر سمیرا بیگم کے کان کھڑے ہوئے، کون سی ضروری بات کرنے لگے ہیں سجاد صاحب، ثمینہ بیگم ہمہ تن گوش ہوئیں۔

''جی کہیے۔'' وہ بات کچھ یوں ہے، میرا بزنس اور یہ بنگلہ نشا کی......'' سجاد صاحب کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ سمیرا بیگم نے شدت سے کھانسنا شروع کر دیا، سجاد صاحب کی بات ادھوری ہی رہ گئی، لیکن ثمینہ بیگم ادھوری بات کا مفہوم سمجھ گئی تھیں، سمیرا کی کھانسی پر ان کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

☆☆☆

''نشا...... نشا۔'' فرح نشا کے کمرے میں داخل ہوئی تو نشا کو نہ پا کر بے تابی سے پکارا۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے؟'' نشا کو تشویش نے آ گھیرا، رات کے اس وقت فرح اس کے کمرے میں آئی حالانکہ آٹھ بجے کے بعد سرونٹ کوارٹرز سے کوئی نہیں نکلتا تھا یہ سمیرا بیگم کا حکم تھا۔

''سب خیریت ہے؟''

''تم میرے ساتھ آؤ۔'' فرح نشا کا نرم و نازک ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے آئی، سمیرا بیگم نمرہ ثمرہ کو لے کر سجاد صاحب کے کسی دوست کے بیٹے کی شادی میں گئی تھیں، راوی چین ہی چین لکھتا تھا، ایسے میں فرح کا یوں کمرے سے کھینچ کر باہر لے جانا، وہ حیران کم پریشان زیادہ ہوئی، دونوں لان میں چلی آئیں جہاں اک سکوت کا عالم تھا، مدھم روشنیوں نے ان کا استقبال کیا، فرح نشا کو لے کر ایک پھولوں کی کیاری کے قریب لے گئی تو نشا کا دل گویا دھڑکنا بھول گیا، سراسیمگی بھری نگاہ نے فرح کو دیکھا تھا، فرح کندھے اچکا کر الٹے قدموں لوٹ گئی، خوبصورت وجیہہ نوجوان نے محبت سے اس پری کو دیکھا تھا جو ہمہ وقت خوف کے پہرے میں رہتی تھی۔

''کیسی ہو نشا۔'' گمبھیر لہجے میں بے قراری پنہاں تھی، نشا کا حلق گویا کانٹوں سے بھر گیا، وہ کب اتنی بہادر تھی جو حسن سے تنہائی میں ملنے کی جسارت کرتی، وہ محض لب کچل کر رہ گئی، حسن نے دلچسپی سے اس گھبرائی حسین مورت کو دیکھا تھا۔

''آپ کو دیکھنے کو دل چاہا تو چلا آیا، شکریہ آپ کی دوست کا، آپ سے ملوانے میں میری ہیلپ کی، آپ ڈرتی کیوں ہیں، ہمارا رشتہ فائنل ہو چکا ہے، چند دن بعد نکاح ہے۔''

''پلیز نشا مجھ سے کچھ تو بات کرو۔'' حسن نشا پر فسوں پھونکتا اس کے قریب ہوا، نشا بدک کر پیچھے ہٹی تھی، سوکھے لبوں نے زبان سے تر کرنے

کی التجاء کی تھی جو منظور ہوئی تھی، اس کے حلق سے بمشکل چند لفظ ادا ہوئے تھے۔

''آپ پلیز جائیں یہاں سے۔''

''کیوں جاؤں، بلکہ اب تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔'' حسن لمبے لمبے ڈگ بھرتا لان میں رکھی چیئر کی طرف بڑھا اور شان سے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا، نشا کا رنگ اڑ گیا، سمیرا چچی اور سجاد چچا کے آنے کا وقت ہو چلا تھا، نشا چھوٹے چھوٹے خوف میں لپٹے قدم اٹھاتی حسن کے عین سامنے رکی، حسن نے فرصت سے اسے دیکھا تھا ہاتھ جوڑے سینے پر بندھے تھے، نشا نے پل بھر کے لئے نگاہ مقابل شاندار بندے پر ڈالی تو اس کی نگاہوں میں محبت کا اک جہاں آباد نظر آیا تھا، وہ اس محبت کے جہاں میں کھو سی گئی، حسن کی محبت اس کے لئے ایسا روزن تھا جس سے زندگی اپنا احساس دلا گئی تھی اسے، وہ محبت کے جہانوں کی سیر پر نکلی تھی، جب جانی پہچانی آواز نے اسے حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا تھا۔

''ہیلو ایوری باڈی، کیا ہو رہا ہے یہاں۔''

آنے والے کا لہجہ خاصا مشکوک تھا، نشا نے خوفزدہ نگاہوں سے آنے والے کو دیکھا تو وہ سرسوں کا پھول بن گئی۔

''آپ کی تعریف۔'' حسن نے چیئر سے اٹھ کر مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

''میں ندیم سجاد صاحب کا بیٹا، انگلینڈ سے آیا ہوں، سرپرائز دینے کے چکر میں بہت کچھ دیکھنے کو مل گیا۔'' لہجے میں کمینگی کی رمق تھی، حسن نے بمشکل خود پر ضبط کیا تھا۔

''اور آپ۔'' ندیم نے حسن کا ہاتھ تھام کر نشا پر بھرپور نظر ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

''میں حسن، سجاد انکل کا بزنس پارٹنر اور نشا کا منگیتر۔'' حسن نے بادل نخواستہ اپنا تعارف کروایا تھا وگرنہ دل تو چاہ رہا تھا اس خبیث انسان کی آنکھیں نکال دے، نشا کو عجیب نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''اوکے حسن صاحب آپ اب تشریف لے جائیں، نشا تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' ندیم کے لہجے سے حقارت چھلکی تھی، حسن کو اپنی ہتک محسوس ہوئی لیکن جانا تو تھا نشا اپنے کمرے میں جا چکی تھی، حسن کا دل انجانے خدشے میں لپٹا تھا لیکن خود کو پرسکون کرتے وہ بنا الوداعی مصافحہ کیے اپنی گاڑی کی جانب بڑھا، ندیم کی نگاہ نے گاڑی نے گیٹ سے نکلنے تک اس کا تعاقب کیا تھا، گیٹ بند ہوا تو اپنے ہینڈ کیری کو لئے وہ اندرونی حصے کی جانب بڑھا، وہ پورے پانچ سالوں بعد گھر لوٹا تھا، تعلیم حاصل کرنے کے دوران سجاد صاحب نے بہت کہا، سمیرا بیگم نے منتیں کیں کہ ''چکر لگا لیا کرو لیکن انگلینڈ کی رنگین فضا اس کے وجود میں رچ بس گئی تھی، سو ماں باپ کی منت سماجت کو ناک سے مکھی کی طرح اڑا دیتا۔

اب اچانک ہی اس کا دل کیا پاکستان آنے کو تو بنا اطلاع دیے چلا آیا، پورا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا، ندیم اپنے کمرے میں چلا گیا اس کی آنکھوں کے پردے پر نشا کا حسین سراپا جگمگائے جا رہا تھا، کتنی بڑی ہو گئی ہے نشا اور پیاری بھی، بڑبڑاہٹ میں خباثت کی بو رچی تھی، وہ بیڈ پر شوز سمیت دراز ہو گیا، ایک خیال نے اس کے وجود میں بجلی بھر دی، رات کی تنہائی، گھر میں کسی کا نہ ہونا، ملازمین کا اپنے کوارٹرز میں چلے جانا۔

''ندیم موقع اچھا ہے، گھر میں عیاشی کا سامان موجود ہے اور تو خواہ مخواہ پردیس کاٹ رہا ہے، دبوسی، ڈری سہمی نشا کیا شکایت لگائے گی میری جب تک موقع ملا کھیلتا رہوں گا۔'' سوچ

میں غلاظت تھی، وہ نہیں جانتا تھا، بات جب عزت اور کردار پر آ جاتی ہے تو ڈری سہمی دبولڑکی بھی شیرنی کا روپ دھار لیتی ہے۔

نشا کے ذہن و دل پر حسن سے ملاقات کی سرشاری چھائی تھی تو دوسری طرف ندیم کی نگاہوں کا خوف، عجیب سی نگاہیں تھیں، اس گھر کے کسی فرد کی نگاہ میں اس کے لئے محبت اور احترام نہ ہوتا تھا ماسوائے سجاد چچا کے، کو لاک لگانے کے لئے اٹھی بھی فرح آئی تھی اور اس سے ملاقات کا احوال سن کر خوب خوش ہوئی تھی، لیکن ندیم کی آمد کا سن کر وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی، وہ گئی تو نشا اپنے بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی، دروازہ لاک ہی نہ کیا، جیسے ہی وہ دروازہ لاک کرنے کے لئے دروازے کی طرف بڑھی کھلے دروازے سے ندیم داخل ہوا تھا۔

''کیسی ہو نشا ڈیئر، بہت خوبصورت ہو گئی ہو۔'' گھر میں کسی کو موجود نہ پا کر ندیم بے خوف تھا، دروازہ اس نے بھی کھلا ہی چھوڑ دیا تھا، نشا نے اپنے اندر خوف و ہراس اترتے دیکھا تھا۔

''جب حسن کے ساتھ تنہائی میں ملاقات ہو سکتی ہے تو میرے ساتھ کیوں نہیں، ویسے بھی اتنی رات گئے نہ جانے کس حد تک گئے ہو تم دونوں۔''

''چٹاخ۔'' نشا کا نرم و نازک ہاتھ ندیم کے رخسار پر پڑا تھا۔

''جتنے تم گھٹیا ہو اتنی ہی گھٹیا تمہاری سوچ ہے، دفع ہو جاؤ میرے کمرے سے، وگرنہ شور مچا کر سب کو اکٹھا کر لوں گی۔'' نشا ایک ایک لفظ پر زور دیتی گرجی تھی۔

''تمہاری اتنی جرأت تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ اور مجھے گھٹیا کہو۔'' ندیم تھپڑ کھانے پر ساقط ہوا پھر مغلظات کا طوفان تھا جو اس کے منہ سے امڈا تھا۔

نشا آیت الکرسی پڑھ کر خود پر ہمیشہ دم کرتی تھی، فرح کے آنے سے قبل وہ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد خود کو اللہ کی امان میں دے چکی تھی، ندیم جیسا بھیڑیا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اسے اللہ پر کامل یقین تھا، ندیم نشا پر جھپٹا تو وہ سرعت سے ایک طرف ہو گئی، ندیم اپنی ہی جھونک میں بیڈ پر جا گرا لیکن گرتے ہی اس نے نشا کا بازو جھپٹ کر اسے بھی اپنے قریب گرا لیا، نشا کی چیخیں آسمان کو چھونے لگیں، اللہ کسی کو تو اس کی مدد بھیجے گا، ندیم نشا کی چیخوں پر بوکھلا سا گیا تھا۔

''یہ آواز تو نشا کی ہے۔'' سجاد صاحب جونہی گاڑی سے باہر نکلے تو اندرونی حصے سے بلند ہوتی چیخوں کی آواز پر دھک سے رہ گئے، سمیرا بیگم نمرہ اور ثمرہ جو گاڑی سے نکل کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ چکی تھیں، اندرونی حصے میں چاروں نفوس داخل ہوئے تو نشا کی تیز ہوتی چیخ و پکار نے ان کا استقبال کیا، سجاد صاحب بجلی کی سی تیزی سے نشا کے کمرے کی جانب بڑھے، نمرہ ثمرہ اور سمیرا بیگم نے بھی سجاد صاحب کی تقلید کی، نہ جانے کون سی آفت آ گئی تھی جو یوں چلا رہی تھی، سجاد صاحب جونہی کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے کمرے کا منظر دیکھ کر ان کا خون کھول گیا، ندیم نشا پر قابو پانے میں نڈھال ہوا جا رہا تھا جبکہ نشا اپنے بچاؤ کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھی۔

''ندیم!'' سجاد صاحب پوری قوت سے دھاڑے تھے، کمرے میں داخل ہوتی سمیرا نمرہ ثمرہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، سجاد صاحب کے انتہائی غصے میں آنے کی علامت بھی یہ، سمیرا بیگم بھی سجاد صاحب کے اس انتہائی درجے کے غصے سے خائف رہتی تھیں، ندیم اچھل کر بیڈ سے اترا تھا نشا نے بجلی کی سی تیزی سے دوپٹہ اوڑھا

تھا۔

''ڈیڈ نشا مجھے زبردستی اپنے کمرے میں کھینچ لائی تھی۔'' ندیم بوکھلا کر بے تکے پن کا مظاہرہ کر گیا، چھ سالوں بعد وہ لوٹا تھا، باپ سے ملا بھی تھا تو کس انداز میں، جب ان کی نگاہوں محض اس کے لئے دکھ بھرا غصہ تھا، سمیرا، نمرہ ثمرہ بھی ندیم کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''تم تو ننھے کا کے تھے نا، جو نشا نے تمہیں بلایا اور تم کھنچے چلے آئے، یوں کیوں نہیں کہتے تمہاری گندی تربیت نے تمہیں میری نظروں سے گرا دیا ہے، اپنے گھر کی عزت پر نقب لگانے چلے تھے، شرم آ رہی ہے مجھے تمہیں بیٹا کہتے ہوئے۔'' سجاد صاحب کی آواز بھرا گئی، ایک ہی بیٹا تھا وہ بھی اخلاقی طور پر پستی کا شکار دل دکھ سے بھر گیا تھا، گندی تربیت کا لفظ سمیرا بیگم کے منہ پر جوتے کی مانند لگا تھا، بلبلا کر پھنکاریں۔

''میرا بیٹا ٹھیک کہہ رہا ہے، یہ ہے ہی ایسی، یونہی تو حسن اس کا دیوانہ نہیں ہوا، کوئی تو گل کھلایا ہوگا اس نے، میرے آنے سے قبل حسن نشا کے ساتھ کمرے میں تھا۔'' ندیم نے ماں کی شہہ پا کر مزید زہر اگلا، نشا پتھر ہوئی۔

''گھٹیا ذہنیت سے گھٹیا بات کی توقع ہی کی جا سکتی تھی، بکواس بند کرو اپنی، اپنی غلاظت چھپانے کی خاطر تم اس معصوم پر تہمت لگا رہے ہو اور تم ناعاقبت اندیش عورت۔'' سجاد صاحب نے روئے سخن بیوی کی جانب موڑا، اس لقب پر سمیرا بیگم کھول کر رہ گئیں۔

''نشا اور شائستہ بھابھی کے ساتھ دشمنی میں تم اپنا کتنا نقصان کر چکی ہو، کاش تمہیں اندازہ ہو جائے، یہ تمہارا بیٹا اخلاقی گراوٹ کا شکار، تمہاری تربیت کی نااہلی کا ثبوت، تم سے شائستہ بھابھی کی تعریف برداشت نہ ہوتی تھی، ان کے اخلاق و کردار کا سراہے جانا کبھی ہضم نہ ہوا تمہیں، کبھی اپنے اندر جھانکا تم نے، کہ مجھ میں ایسی کون سی خامی ہے جو مجھے ان کے درجے تک نہیں جانے دیتی، اسی بات پر اولاد کو لگا دیا، نہ خود سکون سے رہتی ہو اور نہ دوسروں کو رہنے دیتی ہو۔'' سجاد صاحب دل تھام کر بیڈ پر بیٹھ گئے تھے، سمیرا بیگم زخمی سانپ کی طرح بل کھا رہی تھی، ان کی تربیت کو سجاد نے نشا کی خاطر گالی بنا دیا تھا، نشا نے دو خونخوار نگاہوں کو خود پر مرکوز پایا تھا، ندیم کے چہرے پر شرمساری کی رمق تک نہ تھی، بلکہ وہ اب خاصی حد تک سنبھل چکا تھا۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے ابھی اسی وقت اس پر عمل درآمد بھی ہونا چاہیے۔'' سب نفوس نے چونک کر سجاد صاحب کو دیکھا تھا، نشا کے بے آواز آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے۔

''ندیم تب تک گھر میں قدم نہیں رکھے گا جب تک نشا کی شادی نہ ہو جائے، دو تین دن رہو اور پھر اپنا بوریا بستر گول کر کے انگلینڈ واپس چلے جاؤ لیکن ان دنوں میں مجھے تم نشا کے قریب بھی نظر آئے تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا، اسے دھمکی مت سمجھنا جو کہا ہے میں نے اس پر عمل کرنا بھی جانتا ہوں۔'' ندیم تو ندیم سمیرا بیگم سجاد صاحب کے اس فیصلے پر بھونچکا رہ گئیں، نمرہ ثمرہ نے طیش اگلتی نگاہوں سے نشا کو دیکھا تھا جس نے محبت بھری نگاہوں سے چچا کے چہرے کا طواف کیا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سجاد، اتنی معمولی سی غلطی پر بیٹے کو گھر سے نکال رہے ہیں۔'' بے یقینی سمیرا بیگم کے لہجے سے چھلکی تھی۔

''پہلی بات غلطی معمولی ہرگز نہیں دوسری بات گھر سے نکال نہیں رہا، ایک اور ماہ کے لئے انگلینڈ واپس بھیج رہا ہوں۔'' اس کے نفس میں

اتنی غلاظت بھری ہے سمیرا کہ اس کو گھر میں رکھنے کا رسک نہیں لے سکتا، سجاد صاحب کی آواز دکھ سے لرز رہی تھی، ٹھیک تین دن بعد ندیم واپس جا چکا تھا، نشا کا وجود سمیرا بیگم کے لئے مزید ناقابل برداشت ہو گیا تھا، حسن سے نکاح روکنے کی سرتوڑ کوششیں کر ڈالیں، نشا کے کردار پر کیچڑ اچھالا، لیکن نہ جانے ماں بیٹا پر نشا کی معصوم صورت نے کیسا جادو کر دیا تھا، دونوں نے نکاح پڑھوا کر ہی دم لیا تھا، سجاد صاحب جو اندر ہی اندر بیٹے کی اخلاقی گراوٹ کا غم لئے گھل رہے تھے۔

نشا کے نکاح کے چند دن بعد ہی دل کا دورہ پڑنے پر خالق حقیقی سے جا ملے، نشا بلک بلک کر روئی تھی، صحیح معنوں میں وہ بے اماں تو اب ہوئی تھی، ان کی وفات کے بعد سمیرا بیگم نے رخصتی کرنے سے صاف انکار کر دیا، بیٹے کو فوری بلا بھیجا، ندیم نے ماں کو سختی سے کہہ دیا۔

''حسن سے پارٹنر شپ ختم کی جائے اور نشا کو اس کے آنے سے قبل گھر سے دفعان کر دیا جائے۔'' وہ نشا کی شکل دیکھنے کا روادار نہ تھا، دوسری طرف حسن اور ثمینہ رخصتی کے لئے اتاؤلے ہوئے جا رہے تھے، بالآخر سمیرا بیگم نے بھاری رقم کی ڈیمانڈ کر کے رخصتی کی رضا مندی دیدی، حسن نے کوئی اعتراض نہ کیا اور طے یہ پایا سمیرا بیگم نشا کی باعزت طریقے سے رخصتی کر دیں، رخصتی ہوتے ہی حسن چیک سمیرا بیگم کے حوالے کر دے گا، لالچ سے بھری سمیرا بیگم بجائے نشا کو اس کے حصے کی جائیداد دیتیں الٹا حسن سے منہ مانگی رقم مانگ لی، حسن کی رخصتی سے قبل پوری کوشش تھی، نشا سے ملاقات کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے، یہ موقع بھی جلد میسر آ گیا فرح کی بدولت، حسن کا دل تھا نشا کے ساتھ کینڈل لائٹ ڈنر کیا جائے، سمیرا بیگم جہاں بھی جاتی تھیں ثمرہ اور نمرہ کو ساتھ لے کر جاتی تھیں، سجاد صاحب کے کسی دوست نے گیٹ توگیدر رکھی تھی، وہ بطور خاص تینوں ماں بیٹیوں کی مدعو کرنے آیا تھا، سمیرا بیگم کیوں نہ جاتیں، انہیں اپنی بیٹیوں کے شاندار بر بھی تلاش کرنے تھے، گیٹ توگیدر پارٹی رات بارہ بجے تک چلنی تھی، گھر کی دیکھ بھال فرح کی امی کے سپرد کر کے سمیرا بیگم اپنی بیٹیوں کو لے کر جا چکی تھیں، فرح نے جلدی جلدی نشا کو تیار کیا، سیاہ نیٹ کی قمیض پر سرخ پھولوں کی ایمبرائیڈری تھی، نیٹ کا دوپٹہ اور ریڈ ٹراؤزر، نشا کی گلابی رنگت کھل اٹھی تھی، آج اس نے کسی کی اترن نہ پہنی تھی، یہ سوٹ اسے سجاد چچا نے دلوایا تھا جو اس نے سنبھال کر رکھا تھا حسن کے گھر سے آنے والی اشیاء کی نشا کو شکل بھی دیکھنے کو نہ ملی تھی۔

''نشا جلدی سے ریڈی ہو جاؤ، حسن صاحب بس پہنچنے والے ہوں گے۔'' فرح پر جوش طاری تھا، حسن لینڈ لائن پر فرح سے رابطے میں رہتا تھا، نشا کی تو ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ وہ حسن سے فون پر بات کرے، سمیرا چچی لاؤنج سے فون بھی اٹھوا لیتیں اگر ان کو بھنک بھی پڑ جاتی، فرح پر اعتماد لڑکی تھی، وہ بڑی آسانی سے سمیرا بیگم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نشا کی خیریت حسن تک پہنچاتی رہتی تھی، سمیرا بیگم کے سب عزائم سے بھی حسن کو قبل از وقت آگاہ کر دیتی اور نشا کو حسن کی خیریت بتا دیتی، حسن اور نشا کے درمیان رابطے کا پل فرح تھی، سات بجے ہی فرح نشا کو گیٹ پر لے آئی، چوکیدار کو فرح نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا، وہ بھی صاحب کی بھتیجی کے لئے دل میں ہمدردی بھرا جذبہ رکھتا تھا، وہ کون سا نامحرم سے ملنے جا رہی تھی، وہ حسن کی منکوحہ تھی، جونہی نشا حسن کے کھولے گئے فرنٹ ڈور سے گاڑی کے اندر بیٹھی، حسن کی میٹھی محبت بھری نگاہ

نے سکون کا ذائقہ چکھا تھا، وہ اس کے پاس تھی، یہ احساس اتنا خوش کن تھا، وہ ہواؤں کے سنگ اڑنے لگا، وہ نشا کو پا کر ہی دم لے گا، محبت بھری مسکراہٹ نشا کو دان کر کے حسن نے گاڑی سٹارٹ کر دی، نشا پر شرم اور گھبراہٹ نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ نروس سی نرم و نازک ہاتھوں کی لانبی مخروطی انگلیوں کو باہم پھنسائے شیشے کے پار دیکھنے لگی، ذہن و دل تو حسن کے آس پاس تھے نگاہ کیا دیکھتی۔

"کچھ بات کرو نشا۔" حسن کا گمبھیر لہجہ نشا کی سماعتوں سے ٹکرایا اور اس کے دل کو دھڑکا گیا۔

"کیا بات کروں؟" نشا کی سریلی مترنم آواز نے گویا جادو جگا دیا۔

"کچھ بھی اپنی پسند نا پسند بتاؤ، کچھ اپنے بارے میں بتاؤ، کیا تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔" یہ ان کی پہلی فرصت بھری ملاقات تھی جس میں کسی کے آنے کا خوف شامل نہ تھا، حسن کو جاننا تھا نشا کے دل میں اس کا کیا مقام ہے، نشا اس سوال پر کھو سی گئی، کیا وہ واقعی حسن سے محبت کرتی ہے یا حسن کی صورت اس کو اس گھر کے ظالمانہ گھٹے ہوئے ماحول سے چھٹکارا پانے کے لئے کوئی روزن ملا ہے، حسن اسے اچھا لگتا تھا بہت اچھا، وہ اس سے محبت کرتا تھا، اسے اپنے دل کی اونچی مسند پر بٹھا چکا تھا، نکاح کر چکا تھا، کیا وہ حسن سے محبت کرتی ہے، اس کے دل کے تار اس بار خاموش رہے تھے۔

"محبت بھی ہو جائے گی، محبت تو انسان کو بہادر اور نڈر بنا ڈالتی ہے، ہر خطرے سے آزاد کر دیتی ہے۔"

اگر اسے حسن سے محبت تھی تو اس کے اندر کا ڈر خوف جوں کا توں کیوں تھا۔

"کیا ہوا کیا سوچنے لگی، اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھ لیا میں نے۔" حسن کو اپنے سوال کے جواب میں نشا کا خاموش رہنا اچھا نہ لگا تھا۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں چاہے جانے کے لائق، آپ سے محبت کیوں نہ ہوگی۔" نشا کو حسن کو ناراض نہیں کرنا تھا، وہ اسے اچھا لگتا تھا، پسند تھا لیکن محبت، محبت تو تڑپاتی ہے، بے چینیوں اور اضطراب کے جہانوں کی پہروں سیر کرواتی ہے۔

"اگر محبوب ساتھ ہو تو ہر چیز گنگناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، ہر منظر دل کو حسین تر لگتا ہے۔" اس کا دل اتنا خاموش کیوں تھا، لیکن حسن اس کی پہلی اور آخری محبت تھا اس نے اپنے دل کو یقین دلا دیا تھا، حسن نشا کے جواب پر کچھ پل اس کے حسین چاند سے مکھڑے کو دیکھتا رہا۔

"اپنا دیوانہ نہ بنایا تو میرا نام نہیں۔" پر فسوں سرگوشی گاڑی میں چکرانے لگی، نشا نے مسکرا کر سر جھکا لیا، حسن نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روکی اور گاڑی سے نکل کر نشا کی سائیڈ کا دروازہ کھولا، نشا کسی شہزادی کی مانند گاڑی سے اتری تھی۔

"ہیلو حسن!" حسن اور نشا دونوں بے اختیار اس آواز پر پلٹے تھے جس میں آگ تھی۔

"اوہ عریشہ، تم یہاں کیسے۔" حسن بے ساختہ مسکرایا تھا، وہ جانتا تھا لہجے کی آگ میں حسد اور رقابت کی بو تھی۔

"میں یہاں اپنی فرینڈز کے ساتھ ڈنر کے لئے آئی تھی اور تم اس نئی نویلی چڑیا کو ڈنر کروانے لائے ہو، ہاؤ امیزنگ، اجازت دے دی اس کی چچی نے۔" عریشہ نے لفظ لفظ دانت پیس کر کہا تھا۔

"تم اپنی فرینڈز کے ساتھ انجوائے کرو،

خواہ مخواہ خود کو جلاؤ مت، تم جانتی تو ہو مجھے اچھی طرح۔'' حسن با معنی انداز میں مسکرایا تھا، نشا ہونقوں کی طرح دونوں کی شکل دیکھنے لگی۔

''جانتی ہوں اچھی طرح، تم پر اس لڑکی کی محبت کا بھوت سوار ہے، حاصل کر چکے ہو تم اسے، لیکن یاد رکھو، بہت کچھ کھو کر۔'' عریشہ لفظ چبا چبا کر بولتی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئی، اسے اب ڈنر یہاں ہرگز نہیں کرنا تھا جہاں حسن موجود تھا اس لڑکی کے ساتھ۔

''آؤ نشا۔'' عریشہ کے جاتے ہی حسن نشا کا ہاتھ تھام کر ریسٹورنٹ کے گلاس ڈور کو دھکیلتا ریسٹورنٹ میں داخل ہوا، بیٹھنے کے لئے نسبتاً تنہائی والے گوشے کا انتخاب کیا۔

''یہ لڑکی کون تھی۔'' نشا نے چیئر سنبھالتے ہی دل و دماغ میں کلبلاتا سوال حسن کے گوش گزار کیا۔

''یہ لڑکی میری فرینڈ تھی عریشہ، ہم دونوں ایک ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن پلیز نشا اب مزید عریشہ کے متعلق کوئی سوال نہیں، مجھے تمہارے ساتھ اچھا خوشگوار وقت گزارنا ہے۔'' حسن کی وارفتہ نگاہوں کی زد میں تھی، نشا کو نہ جانے کیوں محسوس ہوا تھا حسن کے لہجے میں نرمی بھری فکر تھی۔

''کچھ نہیں کبھی گھر سے باہر نکلی نہیں نا، اس لئے کنفیوژ ہو رہی ہوں۔'' اور یہ سچ بھی تھا وہ واقعی کنفیوژ ہو رہی تھی۔

''بس رخصتی ہو لینے دو تمہیں پوری دنیا کی سیر کروا دوں گا۔'' حسن نے آگے کو جھک کر نشا کے خوبصورت چہرے کو نگاہوں میں سمو کر سرگوشی کی تھی۔

☆☆☆

آہ ماضی اس ٹھوکر نے آن واحد میں تحلیل کیا تھا، وہ حال میں آ چکی تھی، سڑک کنارے سینے سے لیدر بیگ چمٹائے، وہ نہ جانے کب سے بے سمت چلتی اپنے ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھی، چلتے چلتے وہ ماضی کی یادوں میں ڈوبی راستے میں آنے والے پتھر کو نہ دیکھ سکی اور ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گری تھی، آہ اس کے لبوں سے آزاد ہوئی تھی، اس نے چونک کر آس پاس دیکھا تھا، وہ مکمل بھیگ چکی تھی، بارش گو تھم چکی تھی، حسن نے تو اسے دنیا کی سیر کروانی تھی، قسمت نے اسے دنیا کے سپرد کر دیا تھا، لیدر بیگ کے باعث اس کے ماما پاپا کی تصویریں اس کے ڈاکومنٹس بھیگنے سے محفوظ رہے تھے، اس وقت حسن سے زیادہ اسے اپنی عزت اور بقا کی فکر دامن گیر تھی، وہ کہاں پناہ لے، وہ دبوسی سہمی ہوئی سترہ سالہ لڑکی اس ایک پل میں عورت کا روپ دھار گئی، دنیا کے تھپڑوں سے بچنے کے لئے اسے اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنے تھے، یہ پہلا سبق تھا جو نشا نے اس پل خود کو پڑھایا تھا، وہ آیت الکرسی کا ورد کرتی سڑک ختم ہوتے ہی نظر آتی آبادی میں قدم رکھ گئی، خستہ حال مکان، ٹوٹی پھوٹی گلیاں، گلیوں میں گندگی کی بھرمار، بارش کے باعث گلیاں مزید تعفن پھیلا رہی تھیں، سمیرا چچی نہ جانے اسے کہاں چھوڑ گئی تھیں۔

''کتنی ظالم عورت تھی ایک پل کے لئے بھی نہ سوچا میرا۔'' اس کا دل سسکا تھا لیکن آنکھوں کے سوتے خاموش تھے، وہ آنسو بہا کر کیا اپنے لئے پناہ گاہ تعمیر کر لیتی، اسے ہمت کرنا تھی اور آنسو ہمت کمزور کرتے ہیں اور اسے اب بھی آنسو نہیں بہانے تھے، اس پر آزمائش کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔

''اللہ اپنے بندوں سے غافل تو نہیں، اس کے روئے گھبرائے دل کو تقویت پہنچائی تھی۔''

اس پر مشکل آئی تھی یقیناً اللہ آسانی بھی دے گا، یہی یقین اس کے قدموں کو آگے بڑھائے گیا۔

''کون ہو تم لڑکی، اور کس سے ملنا ہے۔'' سامنے سے آتی عورت نے ایک خوبصورت ترین اچھے لباس میں ملبوس لڑکی کو گلی میں گھروں کو بغور دیکھتے دیکھا تو قریب آنے پر استفسار کیا، نشا ٹھہر گئی، نگاہ عورت کے حیرانگی و استعجاب سے اٹے چہرے پر پڑی۔

''کیا گونگی ہو تم، کپڑے بھی تمہارے گیلے ہیں، ساری رات بارش میں بھیگتی رہی ہو جیسے۔'' عورت کی آواز اب قدرے بلند تھی، نشا کی زبان گنگ، وہ کیا بتائے اس عورت کو، اس پر کیا بیتی اور وہ بھیگی کیسے؟

''او بی بی، کچھ تو بولو، اچھے گھر کی دکھائی دیتی ہو، راستہ بھول گئی ہو کیا؟'' عورت کی بات پر نشا نے چونک کر عورت کو دیکھا تھا، عورت اس پر کتنا بڑا احسان کر گئی تھی، اسے لفظ دان کر دیے تھے وہ تو لفظ تک بھول چکی تھی۔

''ہاں میں راستہ بھول گئی ہوں، مجھے راستہ ڈھونڈنا ہے اپنے گھر پہنچنے کا۔'' نشا دھیمے لہجے میں بولی، عورت کے چہرے پر ستائش ابھری۔

''خود تو پریوں سی حسین ہے، آواز بھی سریلی گھنٹیوں جیسی ہے، کتنی سوہنی ہے یہ، آؤ میرے گھر آجاؤ، کپڑے خشک کر دیتی ہوں، میرا میاں بس آنے والا ہے، وہ تمہارا گھر ڈھونڈ دے گا۔'' نشا کو اس پل اس عورت کا اپنے گھر میں پناہ دینا، غنیمت لگا تھا، اس نے جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس پوری بستی میں صرف میرے گھر میں ڈرائر مشین ہے۔'' عورت کے لہجے میں فخر کی بھرمار تھی، نشا کو اس کی باتوں سے کوئی غرض نہ تھی، اسے بس حسن کے گھر پہنچنا تھا کسی طرح، وہ اس کی بیوی تھی، اس کا گھر ہی اس کی منزل تھا اب اس کے گھر کا ایڈریس تو نہ جانتی تھی لیکن سوسائٹی کا نام جانتی تھی وہ، یقیناً عورت کا شوہر اس کو اس سوسائٹی میں پہنچا دے گا، اپنی سوچوں میں غلطاں وہ عورت کے ہمراہ اس کے گھر میں داخل ہوئی، باہر کی نسبت اندر سے گھر صاف ستھرا تھا، نشا کو کچھ پل کے لئے سکون محسوس ہوا۔

''آؤ میں تمہیں اپنے کپڑے دوں، تمہارے ڈرائر میں خشک کر دیتی ہوں۔'' عورت نشا کو کمرے میں لے گئی، دھوپ دیواروں سے دبے پاؤں اتر کر صحن میں پھیل رہی تھی، سرد فضا نے دھیرے دھیرے گرم ردا کیا اوڑھی ٹھٹھرتے بدن سکون پا گئے، نشا بھی صحن میں آ بیٹھی اس کے تن پر عورت کا ڈھیلا ڈھالا لباس تھا، بیگ قیمتی متاع کی طرح اس کے سینے سے لگا تھا، تار پر نشا کے کپڑے پھیلاتی عورت کا دھیان مسلسل اس کے بیگ پر تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' عورت کپڑے پھیلا کر نشا کے لئے کھانا لے آئی تھی، اس کے سامنے چارپائی پر کھانا رکھتے ہوئے عورت نے اس کا نام پوچھا۔

''میرا نام آزمائش ہے۔'' کھانے کو دیکھ کر نشا کی بھوک چمک اٹھی تھی، لیکن انجان جگہ، انجان عورت پر وہ بھروسہ کیسے کر لیتی، بے اختیار اس کے منہ سے اپنی بے بسی پر یہی نام نکلا تھا، یہ بھلا کیا نام ہوا، عورت تعجب کا اظہار کر گئی۔

''بس یہی نام ہے میرا۔'' نشا سر جھکا کر مدھم لہجے میں بولی۔

''اور اس بیگ میں کیا ہے؟'' عورت نے تجسس کے ہاتھوں بالآخر مجبور ہو کر بالآخر استفسار کر ہی لیا۔

''اس میں میری ساری دولت ہے، بہت اہم ہے یہ میرے لئے۔'' نشا دل میں بولی تھی لیکن زبان سے صرف اتنا کہا۔

''بس کچھ ضروری چیزیں ہیں۔''

''چلو کھانا تو کھاؤ، بسم اللہ کرو، شکور جیسے ہی آیا، تمہارا گھر ڈھونڈ نے تمہارے ساتھ چلا جائے گا، تو فکر نہ کر۔'' عورت نے اپنی طرف سے بھرپور تسلی دی لیکن نگاہیں بیگ پر مرکوز تھیں، نشا اتنی ہی پریشان کن سوچوں میں غلطاں، خود کو دیا گیا پہلا سبق اس پل بھول گئی، بھوک کے مارے اس کے پیٹ سے گڑگڑا کر آوازیں بلند ہو رہی تھیں، وہ کھانا دیکھ کر صبر نہ کر سکی اور کھانے پر گویا ٹوٹ پڑی، بیگ گود میں دھر لیا، کھانے کے بعد پیٹ اور بدن کو سکون ہوا، پیٹ کو خوراک ملی تھی اور بدن کو کھانے کی حرارت۔

''میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' عورت اسے کھانا ختم کرتے دیکھ کر مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی، نشا کو اس عورت کا نام پوچھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی، اس کی چھٹی حس ہرگز اسے اچھا پیغام نہیں دے رہی تھی، عورت کے کچن میں جاتے ہی اس نے اپنے کپڑے چیک کیے، ہلکے ہلکے نم تھے لیکن اسے اپنے کپڑے ہی پہننا ہے وہ اپنے کپڑوں کو لئے واش روم میں گھس گئی، بیگ اس ہمراہ تھا، جب عورت چائے لے کر آئی وہ اپنے کپڑوں میں ملبوس چارپائی پر بیٹھی تھی۔

''کپڑے بھی بدل لئے تم نے۔'' عورت نے حیرت سے استفسار کرتے چائے اسے پکڑائی۔

''جی!'' نشا چائے کا کپ تھام کر دھیرے سے بولی تھی۔

''آپ کا شوہر کب آئے گا؟'' نشا کو اب اس گھر سے نکلنے کی جلدی تھی نہ جانے کیوں اس کی چھٹی حس مسلسل کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔

''بس آنے ہی والا ہے، راستے میں ہے، ابھی فون کر کے پوچھا ہے میں نے۔'' اس پل نشا کو اپنی بے وقوفیوں کا شدت سے احساس ہوا، کیا تھا اگر وہ فرح سے حسن اور ثمینہ آنٹی کے نمبر ہی لے لیتی اور محفوظ کر لیتی، تب اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اس کے ساتھ یہ سب ہو سکتا ہے، اب اگر اس کے پاس نمبر ہوتا تو وہ عورت کے موبائل سے ثمینہ آنٹی سے رابطہ کر لیتی، حالات کے بدلتے ہی اس کے ذہن کی کھڑکیاں بھی کھلنے لگی تھیں، شاید یہ بھی قدرت کی جانب سے اس کی مدد تھی۔

''تم چائے پی لو، میں دوبارہ پوچھتی ہوں کال کر کے۔'' عورت اسے گم صم دیکھ کر نرمی سے بولی، نشا نے ہلکے سے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا، عورت نے واقعی اس پر احسان کیا تھا اسے گھر میں پناہ دے کر، لیکن اس کا دل کیوں انہونی کے خدشے سے لرز رہا تھا، اسے چائے نہیں پینا تھی نہ جانے کیسے احساس ہوا تھا اسے اس پل، وہ چائے کا کپ اٹھائے کچن کی جانب بڑھی تو کچن کے اندر سے عورت کی مدھم آواز میں اپنا ذکر سن کر وہیں ساکت ہوئی، اس کا وجود لرز اٹھا۔

''جلدی آ جا اب گھر، لڑکی کو چائے پلا دی ہے میں نے، چاند کا ٹکڑا ہے ٹکڑا، تم اسے اپنے ساتھ لے جانا اور پہنچا دینا اسے اس کی منزل پر، لیکن دام منہ مانگے لینا ہیرا بائی سے ایسی گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کی منزل ہیرا بائی کا کوٹھا ہی ہوتا ہے، ہونہہ کہہ رہی تھی راستہ بھول گئی ہوں۔'' عورت کی آواز اتنی دھیمی تھی نشا کو سننے کے لئے دروازے کے قریب ہونا پڑا، تو یہ تھا انجانا خدشہ

اور چھٹی حس یوں ہی تو بے چین نہ تھی، اس کے ساتھ بہت غلط کرنے والی تھی یہ عورت، اسے اس گھر سے نکلنا تھا اب، عورت کا ارادہ اس کو بیچنے کا تھا، تو وہ اس کو آسانی سے تو نکلنے نہ دے گی، نشا نے بجلی کی سی تیزی سے واش روم کے باہر بنے بیسن میں چائے گرا کر پانی بہا دیا اور خالی کپ تھامے چارپائی پر آ بیٹھی، اسے اپنے حواس اب قائم رکھنے تھے۔

''پی لی چائے۔'' عورت اپنے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی کچن سے نکل کر نشا کی جانب بڑھی، نشا جواباً دھیمے لہجے میں بولتی پھیکا سا مسکرائی۔

''تم کمرے میں آرام کرلو، بس بستی میں داخل ہونے ہی والا ہے میرا شوہر۔'' عورت اب کہ سرشار تھی، نشا کے وجود میں گویا خطرے کے الارم بجنے لگے۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں، جیسے تمہاری مرضی۔'' عورت کہہ کر کمرے میں چلی گئی، نشا نے بے بس نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی تو دل دھک سے رہ گیا، کالے بادلوں نے ساری روشنی دھوپ کی گرمی نگل لی تھی، سورج نے کالے بادلوں کی چادر کیا اوڑھی ہر سو سردی اپنی ٹھنڈک بانٹنے لگی۔

''اف، ایک اور رات برستی بارش میں۔'' کالے بادلوں کے تیور بتا رہے تھے، وہ برس کو چھوڑیں گے۔

''اندر آجاؤ لڑکی، ٹھنڈ لگ جائے گی۔'' سہ پہر کے تین بجے ہی گویا رات چھانے لگی ہے، عورت برآمدے میں کھڑی بولی، اسے نشا کا نام پسند نہیں آیا تھا یہ بھی بھلا کوئی نام ہے آزمائش، نشا بے بسی بھری نگاہوں سے عورت کو دیکھ کر رہ گئی، اسے یہاں سے فرار ہونا تھا، عورت کا شوہر آجاتا تو اس کے لئے مشکل ترین ہو جاتا اس گھر سے بھاگنا۔

''وہ کیا کرے، اللہ جی مدد کریں میری۔'' اس نے دل سے اللہ کو پکارا تھا اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے یہ نشا نے جان لیا تھا، جب اس نے خود کو لمحہ بہ لمحہ بستی سے دور بھاگتے دیکھا تھا اس کے پیچھے بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں کہیں دور رہ گئی تھیں، وہ بس بھاگ رہی تھی اور اسے اب نہیں رکنا تھا، اسے اللہ سے اپنے لئے محفوظ ٹھکانہ چاہیے تھا، وہ کتنی دقتوں سے اس گھر سے نکلی تھی، عورت کو واش روم کی حاجت ہوئی تھی، وہ مطمئن تھی نشا چائے پیتے ہی لڑھک جائے گی، خاوند کچھ آدمیوں کو لے کر آرہا تھا وہ اسے لے جائیں گی، عورت کے شوہر نے ہی کہا تھا وہ ہیرا بائی کے آدمیوں کو لے کر آئے گا وہ سوئی ہوئی لڑکی کو اٹھا کر لے جائیں گے، وگرنہ لڑکی بھاگ بھی سکتی ہے، عورت کو بھی شوہر کی بات ٹھیک لگی تھی، جونہی وہ عورت واش روم گئی کچھ ہی لمحوں بعد وہ گلی میں اندھا دھند دوڑ رہی تھی، عورت کا شوہر جو آدمیوں کے ہمراہ اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر تھا، گھر سے لڑکی کو نکلتے دیکھ کر آدمیوں کو اشارہ کرتا بھاگا، لیکن لڑکی کے پاؤں میں گویا پارہ بھر گیا تھا، وہ ان کے ہاتھ سے یوں نکلتی گئی گویا چکنی مچھلی ہاتھ سے پھسلتی ہے، وہ بھاگ بھاگ کر ہانپنے لگے۔

وہ پانچوں مرد واپس لوٹ چکے تھے، اللہ نے نشا کی مدد کی تھی اور اللہ اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا، نشا اللہ سے دعا کرتی بھاگ رہی تھی، اسے نہیں ٹھہرنا تھا، اسے تھکنا بھی نہیں تھا دنیا تو ساری کی ساری ظالم تھی، انسانوں کے روپ میں بھیڑیے تھے، جو مجبوریوں کا فائدہ اٹھانے بیٹھے تھے، نشا سمت کا تعین کیے بغیر بھاگتی مین سڑک پر آ گئی، سڑک پر اکا دکا گاڑیاں آ جا

رہی تھیں، دبلی پتلی نشا جو سارا دن گھر کے کام کاج میں کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی تھی، اتنے دوڑ نے اسے اب تھکا دیا تھا، مین سڑک پار کرتی وہ دائیں طرف سے آنے والی گاڑی نہ دیکھ سکی، گاڑی میں بیٹھے دو نفوس نے غصے اور طیش سے اس سر پھری لڑکی کو دیکھا تھا جیسے خودکشی کرنے کو ان کی گاڑی ہی ملی تھی، گاڑی کے ڈرائیور نے لڑکی کو ٹکر سے بچانے کے لئے پوری قوت سے بریک لگائی تھی، ٹائروں کی چرچراہٹ نشا کے اوسان خطا کر گئی، اس کے قدم وہیں منجمد ہو گئے، اسے اب ادراک ہوا تھا اس گاڑی کا، گاڑی رکتے رکتے بھی نشا نرم و نازک وجود سے ٹکرا گئی، دلخراش چیخ تھی جس نے گاڑی میں بیٹھے دونوں نفوس کو حواس باختہ کر دیا تھا وہ بوکھلا کر گاڑی سے نکل کر سڑک پر گری ہوش و خرد سے بیگانہ لڑکی کی طرح بھاگے تھے، لڑکی کے سر پر چوٹ آئی تھی، گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں، لڑکی کے سر کے پچھلے حصے پر خون بہہ رہا تھا۔

''اب کیا کریں گا مڑ، کتنی بار کہا ہے اتنی ریش ڈرائیونگ نہ کیا کرو، اب اگر یہ لڑکی مر مرا گئی تو۔'' بولنے والا گھبراہٹ اور جھنجھلاہٹ کی انتہا پر تھا۔

''کوئی نہیں مری، زندہ ہے۔'' جواباً وہ بے زاری سے گویا ہوا، اس کے ہاتھ لڑکی کی نبض پر تھے۔

''پھر بھی اب ہاسپٹل تو لے جانا پڑے گا اور بھابھی مجھے گھر میں گھسنے نہ دیں گی اگر مزید دیر ہوئی تو۔''

''ارمان صاحب اب یہ وقت غصہ کرنے کا نہیں ہے، اس لڑکی کو ہاسپٹل لے کر چلتے ہیں، پکا پرامس اب گاڑی آہستہ چلاؤں گا۔'' بے زار لہجہ شریر ہوا۔

''اب تو آہستہ گاڑی چلائے گا، جب مجھے گھر پہنچنے کی جلدی ہے۔'' ارمان نے تابش کی گردن دبوچ لی، اسے یقین تھا، غلطی سراسر تابش کی ہے، نہ وہ اتنی بری ڈرائیونگ کرتا نہ یہ لڑکی گاڑی کے سامنے آتی، اس کی بھابھی اس کے آنے جانے کے اوقات کو انگلیوں پر گنا کرتی تھیں، اسے رات کے آٹھ بجے ہر صورت گھر ہونا تھا اور اب اس لڑکی کو ہاسپٹل لے جانا، وہ جھنجھلاتا نا تو اور کیا کرتا۔

''او کے اب غصہ تھوک بھی دو، مان لیا میری غلطی ہے، اب اس لڑکی کو اٹھاؤ اور پچھلی سیٹ پر لٹاؤ، ہو سکے تو اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ جاؤ۔'' تابش نے اپنی بات مکمل کی تو بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہٹا تھا ورنہ ارمان کا مکہ اس کا جبڑا توڑ دیتا، وہ جان گیا تھا ارمان کو کس بات کی تپ چڑھی ہے۔

''تو بھی ہر وقت بھابھی کے خوف کو سر پر سوار نہ رکھا کر، اتنی نائس ہیں وہ، چل اب اٹھا اس مصیبت کو۔'' تابش بھی بدلحاظی سے گویا ہوا تھا۔

''ویسے ثابت تو مصیبت ہی ہوئی ہے، کالی بلی کی طرح راستہ کاٹ دیا، اب ہسپتال کی ڈیوٹی بھگتاؤ۔'' ارمان بدلحاظی میں کیونکر پیچھے رہتا، دونوں دوست ہی اس پل نئی مصیبت سے خاصے بے زار ہوئے تھے، نشا کا بے ہوش وجود دونوں کی سنگدلی پر اوندھا پڑا تھا۔

''ویسے ارمان ہم دونوں میں انسانیت نام کی بھی نہیں ہے، ایک زخمی وجود ہمارے سامنے پڑا ہے اور ہم اسے مصیبت کہہ کر جان چھڑانے کے چکر میں ہیں، مجھے اچھی خاصی شرم آ گئی ہے، تو بھی کچھ شرم کھا لے، لڑکی اٹھا اور پچھلی سیٹ پر لٹا دے، جلدی کر، کہیں سچ مچ ہی نہ مر جائے۔''

تابش عجلت میں گویا ہوا۔
''کہہ تو تو ٹھیک رہا ہے۔'' ارمان کہہ کر نشا کی جانب بڑھا، اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے کچھ پل کے لئے جھجک آڑے آئی لیکن انسانیت کا نمبر پہلا ہے، یہی سوچ جھجک غائب کر گئی، ارمان نے نرمی سے نشا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جونہی سیدھا کیا، وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا، مکمل خوبصورتی، ملکوتی حسن کی ملکہ تھی یہ لڑکی، جو اس کے سامنے بے ہوش پڑی تھی، ارمان نظر باز قسم کا لڑکا نہیں تھا، اس نے تو کبھی کسی اجنبی لڑکی کو کالج میں سلام تک نہ کیا تھا، بھابھی نے اس کی تربیت ہی ایسی کی تھی وہ ہر صنف نازک کا احترام کرتا تھا، اس لڑکی کے حسن میں ایسا جادو تھا کہ ارمان اس پر سے نظر تک نہ ہٹا سکا۔

''کیا ہوا اب تجھے، سانپ کیوں سونگھ گیا ہے جلدی لے آ اسے۔'' تابش ہارن بجاتے ہوئے چہرہ کھڑکی سے باہر نکال کر دھاڑا، ارمان نے چونک کر تابش کو دیکھا، تابش کو اس پل نہ جانے کیوں لگا ارمان اپنے حواسوں میں نہیں ہے، ارمان نے لڑکی کے بے ہوش وجود کو نرمی سے اپنی بانہوں میں موم کی گڑیا کی طرح اٹھا لیا، لڑکی اتنی نرم و نازک تھی، اریان کچھ پچھلی سیٹ پر لٹاتے معمولی سی بھی دقت نہ تھی، نشا کا بیگ سڑک پر پڑا رہ گیا، فرنٹ ڈور کھولتے ارمان کی نظر اس بیگ پر پڑی تو وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا بیگ کی جانب بڑھا، بیگ اٹھا کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تو تابش نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''ارمان یار اس بیگ کو چیک کر، کچھ پتہ تو چلے یہ لڑکی کون ہے۔'' تابش نگاہیں ونڈ سکرین کے پار سڑک پر جمائے بولا۔

''نہیں یار اچھا نہیں لگتا۔'' ارمان تذبذب کا شکار ہوا۔

''یہ لڑکی کی پرسنل چیزیں ہوں گی۔'' وہ کیوں دیکھتا۔

''یار شاید اس میں کوئی نام پتہ مل جائے ہمیں لڑکی کا، اکیلی لڑکی، آخر کچھ تو علم ہو گا نا۔'' تابش بضد تھا کہ بیگ چیک کیا جائے۔

''مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا، بہتر ہے لڑکی کے ہوش میں آنے کا انتظار کیا جائے، خود ہی بتا دے گی اپنے متعلق اور میرے بھائی گاڑی تیز چلاؤ پہلے ہی لایعنی ہم گفتگو میں لڑکی کو کافی اگنور کر چکے ہیں، کہیں کچھ سیریس معاملہ نہ ہو جائے۔'' اب کہ ارمان کے لہجے میں شدید تفکر تھا، تابش نے چونک کر اپنے جگری بچپن کے دوست کو دیکھا تھا، دور آسمان پر کالے بادلوں نے طمانیت سے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لیٹی لڑکی کو دیکھا تھا اور پھر اپنے نل کھول دیئے تھے، پانی کی جلترنگ نے ہر سو سماں سا باندھ دیا، بھیگا بھیگا سا یہ دسمبر ہے، ارمان ہر طرف جل تھل ہوتی دیکھ کر گنگنا اٹھا تھا، نگاہ بے اختیار پچھلی سیٹ پر ہوش و خرد سے بیگانہ وجود پر پڑی تھی۔

☆☆☆

''کتنا سکون ہے اب گھر میں ندیم میں بتا نہیں سکتی، نشا ہمیشہ کے لئے دفعان ہو گئی، میں تو جب جب اس کو اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھتی تھی، میرا خون کھول اٹھتا تھا ماں باپ کے ساتھ ہی مر جاتی، میرے راستے کا کانٹا یا لآخر اب میں نے نکال ہی پھینکا۔'' لاؤنج میں قیمتی دبیز صوفے میں دھنسی سمیرا بیگم کی سفاکیت پر شیطان مسکرایا تھا، سمیرا بیگم کی زہر افشانی پر لاؤنج میں ڈسٹنگ کرتی فرح کے چہرے پر دکھ بھری مسکراہٹ رینگ گئی، کتنا تڑپ تڑپ کر روئی تھی وہ جب اسے علم ہوا تھا سمیرا بیگم نشا کو کہیں چھوڑ آئیں ہے۔

"وہ نشا کو فرح کے کوارٹر میں بھیج دیتی نہ رکھتی، اپنے گھریوں دربدر تو نہ کرتی، نہ جانے کس حال میں ہوگی نشا، اس فرعون صفت عورت نے کبھی اس کے ذہن ودل کو خوف سے آزاد ہی نہ کیا تھا، اب وہ دنیا کے جنگل میں جا بجا بکھرے درندہ صفت انسانوں کا مقابلہ کیسے کرے گی۔"

اس کا دل درد سے پھٹا جا رہا تھا، سمیرا بیگم نے نشا کی باقی ماندہ چیزیں فرح کو دان کر کے کمرہ خالی کر دیا تھا، فرح کا دل اب اس محل نما گھر سے بے زار ہو گیا تھا، وہ اپنی امی سے کہہ کر یہاں سے ہمیشہ کے لئے چلے جائے گی، دل پر گرتے آنسوؤں کا بوجھ ناقابل برداشت ہونے لگا تھا، سمیرا بیگم ابھی تک موبائل فون کان سے لگائے بیٹے سے محو گفتگو تھیں، فرح نے باتوں سے ہی اندازہ لگایا تھا، ان کا خبیث بیٹا آج کل میں واپس آنے والا ہے، سمیرا بیگم نے کال منقطع کی تو ان کے چہرے پر بہار رقصاں تھی۔

"فرح نمرہ ثمرہ کو بلا کر لاؤ فوراً۔" لہجے کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی، فرح تھکے تھکے قدموں سے حکم بجا لانے نمرہ ثمرہ کے کمروں کی طرف بڑھی ہی تھی کہ سمیرا بیگم کے کھردرے الفاظ اس کے قدموں کی زنجیر ہوئے۔

"پر تم نے کیوں منہ لٹکا رکھا ہے کل سے، سوگ منا رہی ہو اپنی سہیلی کا جواب تک یا تو مر کھپ گئی ہو گی یا پھر کسی کے ہتھے چڑھ گئی ہو گی، اپنی شکل سیدھی رکھو ورنہ دونوں ماں بیٹیوں کو بھی چلتا کر دوں گی، میرا بیٹا میری کروڑ پتی بہو لے کر آ رہا ہے، میں تم دونوں ماں بیٹیوں کے منہ سے اب نشا کا تذکرہ نہ سنوں سمجھی۔" سمیرا بیگم نے سرد انداز میں انگشت شہادت اٹھا کر وارن کیا تھا، فرح کے اندر جوار بھاٹا ابلنے لگا۔

"یہ عورت اتنی ظالم اور جابر کیوں تھی، بیٹیوں والی تھی پھر بھی، نشا کا ذکر تک حقارت سے اور اب بیٹا بہو لے کر آ رہا تھا، ان کی خوشیوں کو پر لگ گئے، کیوں نہیں سکتی، نشا کو دربدر کی ٹھوکروں کے سپرد کر کے بھی خوش نہ رہ سکے گی یہ عورت۔" فرح کا دل رو دیا تھا، بچپن سے جوانی تک نشا اور فرح ساتھ رہی تھیں۔

"جانور بھی رکھو تو اس سے بھی نسبت ہو جاتی ہے، یہ کیسی عورت ہے جو نشا کو جانور سے بھی بدتر سمجھ گئی۔"

"اب بت کیوں بن گئی ہو، دفع ہو جاؤ بلا کر لاؤ، نمرہ ثمرہ کو۔" سمیرا بیگم کے سرد تند آواز میں طیش کے سارے رنگ بھر گئے، فرح کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

"جا رہی ہوں میں او میری ماں آپ کے اس زندان سے، آپ تو عورت کے نام پر دھبہ ہیں، اتنی ظالم اتنی سفاک کوئی حد ہے آپ کی، آپ رب کو بھول چکی ہیں سمیرا بیگم، لیکن رب آپ کی شر انگیزیاں نہیں بھولا، رب کچھ نہیں بھولتا، آپ کا ایک ایک ظلم پلٹ کر آپ کے سامنے آئے گا، تب   تب سمیرا بیگم آپ کی روح کو آپ کے بدن سے خلاصی صرف نشا کی معافی ہی دے گی، یاد رکھیے گا میری بات۔" فرح کا لہجہ پھٹ سا گیا تھا، سمیرا بیگم کے اندر فرح کی باتوں نے گویا لاوا دہکا دیا۔

"لگتا ہے تیری ہڈی پسلی ایک کرنی پڑے گی، مجھے باتیں سنائیں تم نے، مجھے، اوقات دیکھی ہے اپنی تو نے، تیری جرأت کیونکر ہوئی بے غیرت لڑکی۔" سمیرا بیگم غصے اور طیش کے مارے آپے سے باہر ہو کر فرح کو مارنے کے لئے لپکیں۔

لاؤنج میں اس وقت ان دونوں کے علاوہ دو ملازمائیں بھی کام میں مصروف تھیں، فرح کی

تو ب میں صداقت تھی یہ ان کے دل کی گواہی تھی، لیکن اب یہ سمیرا بیگم کے عتاب سے نہ بچے گی انہیں یقین تھا، سمیرا بیگم نے جونہی فرح کے بال پکڑ کر بے دردی سے کھینچنے چاہے، فرح سرعت سے پیچھے ہٹی، لہجہ استہزائیہ ہوا۔

''میں نشا نہیں ہوں سمیرا بیگم، فرح ہوں، میری ماں، میرا باپ ابھی زندہ ہے، یہاں کام کرنے کی تنخواہ لیتے ہیں، ظلم سہنے کی نہیں۔'' سمیرا بیگم کے تو سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی، یہ لڑکی انہیں آئینہ دکھائے جا رہی تھی، جس میں ان کی شکل کریہہ ترین تھی وہ کیسے برداشت کرتیں۔

''تجھے تو میں اب مار کر ہی دم لوں گی، کیسے بچ پائے گی تیری ماں۔'' سمیرا بیگم غصے اور طیش میں کف اڑانے لگیں، نمرہ ثمرہ بھی لاؤنج میں بلند ہوتی آوازوں پر بھاگ کر لاؤنج میں آ گئیں، فرح کو ماں کے ساتھ زبان درازی کرتے دیکھ کر دونوں کا خون کھول اٹھا تھا، فرح ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائی، آگ لگانے والی، دل جلانے والی مسکراہٹ۔

''یہ دونوں آباد ہوگئیں اپنے گھروں میں تو میرا نام بدل دینا۔'' تینوں ماں بیٹیاں فرح کی بددعا پر طنزیہ ہنسی ہنس دیں۔

''تم نے جتنی بکواس کرنی تھی کر لی، اب اپنی ماں کو لو اور یہاں سے ابھی کے ابھی دفع ہو جاؤ، میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی، ایک نوکرانی کے منہ لگوں یہ میری شان نہیں، جاؤ تم اپنی اوقات کے مطابق ہی بولو گی۔'' سمیرا بیگم نے پل میں خود کو ٹھنڈا کیا تھا، ان کا غصہ ان کا مزید تماشا بنوا سکتا تھا ملازمین کے سامنے اور وہ سب ملازم نکالنا افورڈ نہیں کر سکتی تھیں۔

''خوشی غارت کر کے رکھ دی میری۔'' سمیرا بیگم تنفر سے بڑبڑائیں۔

فرح تینوں پر زہریلی نظر ڈال کر لاؤنج سے نکل گئی، شام کے ڈوبتے سورج نے دونوں ماں بیٹی کو بیس سال بعد اس گھر سے جاتے دیکھا تھا، ان کا ٹھکانہ ان کا گاؤں تھا، جہاں فرح کا بوڑھا باپ رہتا تھا، گھر ان کا اپنا تھا لیکن فرح کا باپ کما نہیں سکتا تھا، بیوی کما کر بھیجتی تھی، اب خود ہی اللہ رزق کا سبب بنا دے گا، دونوں ماں بیٹیاں مطمئن تھیں۔

☆☆☆

''آنٹی حسن اب کیسا ہے؟ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں۔'' ثمینہ بیگم ہسپتال کے جو طویل کاریڈور میں صاف شفاف چمکتی ٹائلز پر نگاہیں جمائے دلگرفتہ بیٹھی تھیں، مضطرب، بے چینی بھری آواز پر تڑپ کر سر اٹھایا تھا، عریشہ اپنے چہرے پر دنیا جہاں کی بے تابی سموئے ان کے سامنے کھڑی تھی، ثمینہ بیگم کے دل سے ہوک اٹھی۔

''کاش۔'' اس کاش کے آگے وہ کیا سوچتیں، تقدیر میں یہی لکھا تھا۔

''آنٹی بتایئے نا۔'' عریشہ نے ثمینہ بیگم کی خاموشی پر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ڈاکٹرز کہتے ہیں دعا کرو، وہ میں کر رہی ہوں، کومے سے باہر وہ کبھی بھی آ سکتا ہے، دن بھی لگ سکتے ہیں، مہینے بھی اور سال بھی، یہی کہا ہے ڈاکٹرز نے۔'' ثمینہ بیگم کا لہجہ تھکا تھکا اور آواز مسلسل رونے کے باعث بیٹھ سی گئی تھی، زرینہ اور تیمور ابھی کچھ دیر قبل گھر گئے تھے، وہ ماں تھیں، ایک پل کے لئے بھی یہاں سے گھر جانا گوارا نہ تھا۔

''آنٹی حسن کو کچھ نہیں ہوگا، وہ ضرور صحت یاب ہوگا، ماں کی دعا تو عرش تک جا پہنچتی ہے۔'' عریشہ نے ثمینہ بیگم کے سرد ہاتھ اپنے نرم ہاتھوں

میں لے کر ہولے سے دبا کر تسلی دی۔

''خوش رہو عریشہ، حسن بس ٹھیک ہو جائے، میں اب کوئی غلط فیصلہ نہیں کروں گی۔'' ثمینہ بیگم کو عریشہ ابھی بھی اتنی ہی پسند تھی، نہ جانے حسن کو کیا سوجھی، اپنی بچپن کی دوست جو زندگی کے ہر قدم پر اس کے ساتھ رہی تھی گھر بھی ساتھ ساتھ تھے، ہر وقت کا ملنا ملانا اور پسند نشا آ گئی۔

عریشہ پر تو قیامت گزر گئی تھی ثمینہ بیگم کو بھی دھچکا لگا تھا، حسن کی بات پہلے پہل ماننے میں تو وہ متامل تھیں لیکن جب حسن کا اصرار دیکھا تو بیٹے کی خوشی کو مقدم جانا، لیکن بیٹے کی خوشی دیکھنے کی بجائے، وہ اپنے بیٹے کو ہاسپٹل میں بے حس و حرکت پڑے دیکھتیں تو ان کا کلیجہ کٹنے لگتا، انہوں نے ایک بار بھی نشا کی خیریت دریافت کرنے کو کال نہ کی تھی، سمیرا بیگم نے بھی اس کے بعد کوئی کال نہ کی تھی، ثمینہ بیگم اس گھرانے پر لعنت بھیج چکی تھیں، اب حسن کا کیا فیصلہ ہو گا، حسن ہی بتا سکتا تھا، لیکن حسن کومے سے باہر تو آئے وہ سسک اٹھیں، عریشہ نے اپنے دل مضطر کو تڑپتے شدت سے محسوس کیا تھا، وہ ثمینہ بیگم کے وجود کو اپنے ساتھ لگا کر ان کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند گئی، لب لرزاں تھے تو پلکوں کی باڑ پر آنسو شبنم بند کر چمکے تھے، دونوں کا دکھ ہسپتال کے بام و در نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

''کیسی کنڈیشن ہے اب نشا کی۔'' ارمان نے ڈاکٹر کے باہر نکلتے ہی بے تابی سے استفسار کیا، ہاسپٹل میں لڑکی ایڈمٹ کروانے کے بعد بالآخر اس نے لڑکی کا بیگ تابش کے اصرار پر کھول ہی لیا، لڑکی کے بیگ میں تصاویر تھیں۔

''عورت کی شکل نشا سے بہت ملتی تھی، یقیناً یہ نشا کی مما ہو گی۔'' ارمان نے خود ہی قیاس آرائی کی، تابش نے بھی تائید کی تھی، نشا کے ڈاکومنٹس تھے، وہیں سے دونوں کو نشا کا نام پتہ چلا تھا، ڈاکومنٹس پر درج ڈیٹ آف برتھ والے خانے کو دیکھ کر انہیں علم ہوا تھا لڑکی محض سترہ سال کی ہے، اس پر ایسی کون سی مصیبت آ گئی جو یہ گھر سے بھاگی، گھر کا ایڈریس بھی درج تھا اس پر، یہ دیکھ کر دونوں نے سکون کا سانس لیا تھا، وہ لڑکی کو اب گھر پہنچا سکتے تھے، لیکن وہ ہوش میں تو آتی، وہ تو گہری نیند کے ٹور پر نکلی ہوئی تھی، دونوں دوست بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہل رہے تھے، بھوک کے مارے آنتیں خوب آیات قرآنی کا ورد کر کے ان کو بخشوانے پر لگی ہوئی تھیں، بالآخر اللہ اللہ کر کے روم سے ڈاکٹر نکلی تھی، ارمان کے استفسار میں بے تابی اور بے صبری دونوں کا عنصر تھا۔

''آپ کی مریضہ کو ہوش آ گیا ہے، چوٹ اتنی شدید نوعیت کی نہیں تھی، بے ہوش وہ خوف اور صدمے کے زیر اثر ہوئی تھیں، اب آپ ان سے مل سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں ان کو تفصیل بتا کر ایک طرف بڑھ گئی، ارمان نے تابش کو کمرے میں جانے کا اشارہ کیا، دونوں دوست دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، تو نشا کے چہرے پر ہراس کے بادل آن واحد میں چھائے تھے، دونوں نے اس ہراساں لڑکی کو کچھ دکھ اور کچھ غصے کی ملی جلی کیفیت اسے دیکھا تھا، دکھ اس بات کا تھا نہ جانے اس لڑکی کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوئی تھی جو یہ گھر سے نکلی، کیونکہ لڑکی انتہائی معصوم تھی، غصہ اس بات کا تھا، وہ اس کے اماں ابا بنے باہر کب سے اس کے ہوش میں آنے کا ویٹ کر رہے تھے۔

''آپ ہم دونوں کی گاڑی سے ٹکرائی تھیں، آپ نے ہمارا اچھا خاصا نقصان کر دیا لیکن چلیں

کوئی بات نہیں، ہم بڑے عظیم انسان ہیں، کسی کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتے، اب آپ بتائیے، کہ آپ کیوں ہماری گاڑی سے ٹکرائی تھیں۔" ارمان نے خاصے مضحکہ خیز انداز میں بات شروع کی تھی، تابش اس کی رگ رگ سے واقف تھا، سو مطمئن کھڑا تھا۔

"میں جان بوجھ کر آپ کی گاڑی سے نہیں ٹکرائی۔" نشا دونوں جوان لڑکوں کو اپنے سر پہ کھڑا دیکھ کر اچھی خاصی بوکھلائی تھی، اوپر سے بولنے والے کا انداز، وہ رو دینے والی ہوگئی۔

"اب میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی، جو آپ رونے لگیں۔" ارمان کو اس کی بڑی بڑی حسین آنکھوں اترتے پانی نے خود میں ڈبویا تھا، لہجہ آپو آپ نرم ہوا تھا، تابش سمجھ گیا تھا نشا نامی لڑکی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا ہوگا، وگرنہ لڑکی ایسی ویسی نہ لگی تھی اسے، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا نشا کے بیڈ کے قریب کھڑا ہوگیا، نرمی اور احساس بھرا ہاتھ نشا کے سر پر رکھا، ارمان نے بھنویں سکیڑ کر تابش کو گھورا تھا، کچھ دل کو چبھا تھا، دل بھی بڑا ڈفر ثابت ہوا تھا اس کا، اس کی ستائیس سالہ زندگی میں کبھی پٹڑی سے نہ اترا تھا اور اب ایک انجان لڑکی کو دیکھتے ہی لٹو ہوا جا رہا تھا۔

"تجھے تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔" اس نے دل کو تگڑی دھمکی دی تھی، لیکن یہ تابش کیوں اس کے سر پر جا کھڑا ہوا ہے، دل نے اس کی دھمکی کسی خاطر میں نہ لائی تھی، تابش کی حرکت سوئی کی مانند چبھی تھی، حالانکہ تابش حال ہی میں شادی شدہ ہوا تھا، تابش نرمی سے گویا ہوا تو ارمان کے دل کو چبھتی سوئی یک لخت نکلی اور ارمان کو پرسکون کر گئی، تابش کے الفاظ پر ارمان کے اب کان پوری طرح متوجہ تھے۔

"ہم آپ کا بیگ کھول کر دیکھ چکے ہیں، آپ ہماری بہنوں کی طرح ہیں۔" اس بات پر ارمان بری طرح کھانسا تھا۔

"تابش بہن بنا لے میری بہن نہ بنائے۔" دل نے پھر دہائی دی تھی، ارمان دہائی پر کان لپیٹے تابش کی سننے لگا۔

"آپ بتائیں ہمیں کہ آپ کیوں گھر سے نکلیں، ہم آپ کو گھر بھی چھوڑ آئیں گے، آپ پریشان نہ ہوں، میں تابش ہوں، یہ میرا دوست ارمان ہے، ہم دونوں دوست آج ڈنر پر جا رہے تھے، آپ ہماری گاڑی کے سامنے آ گئیں، اب آپ بتائیں اپنے متعلق۔" تابش کے بہن کہنے پر نشا کے آنسو چھلک پڑے، کاش اس کا بھی بھائی ہوتا وہ یوں بے سائباں تو نہ ہوتی، ارمان کا دل اس کے بہتے آنسوؤں پر پھر بے چین ہوا تھا۔

"پلیز بہنا، ہم ہاسپٹل میں ہیں، ہمیں گھر بھی جانا ہے، ہم آپ کو یوں چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتے، آپ کچھ بتائیں گی تو ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گی۔" نشا کا دل تابش کی خلوص بھری باتوں پر ایمان لے آیا تھا، اس کے دل کی گواہی اور چھٹی حس نے اب تک اس کا ساتھ دیا تھا، اب چھٹی حس خاموش تھی۔

"یقیناً ان پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔" نشا کو چپ دیکھ کر ارمان نے کندھے اچکا کر تابش سے آنکھوں ہی آنکھوں میں استفسار کیا۔

"یہ اب چپ کیوں ہے بولتی کیوں نہیں۔" تابش نے جواباً نگاہوں ہی نگاہوں میں دھیرج رکھنے کو کہا تھا، ارمان کے موبائل پر بھابھی کی کال آنے لگی تو اس کا رنگ فق ہوا، سرعت سے کال پک کی۔

"السلام علیکم بھابھی، میں بس ابھی آیا، وہ تھوڑا ا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، ارے نہیں نہیں بھابھی میرا نہیں ہوا، زخمی کو ہاسپٹل پہنچایا ہے اس کے

فیملی ممبرز کا انتظار ہے جونہی وہ آئے میں آ جاؤں گا، آپ بے شک تابش سے پوچھ لیجئے گا، وہ تو آپ کے نزدیک ذمہ دار انسان ہے نا، وہ بھی اس وقت میرے ساتھ ہے، اوکے بھابھی میں جیسے ہی فارغ ہوا، گھر ہی آؤں گا، آپ فکر نہ کریں۔'' ارمان نے کال منقطع کی تو روشن چمکتی پیشانی سے نادیدہ پسینہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے پونچھا۔

''بچت ہوگئی تابش، اب محترمہ آپ جلدی سے بتادیں آپ کون ہیں، کیوں ہیں، کہاں سے ہیں؟'' ارمان کی زبان پھر چل پڑی، نشا نے حیرت سے اس نمونے کو دیکھا جو جب بھی بولا تھا عجیب ہی بولا تھا۔

''نشا بہنا جلدی سے بتا دو، ارمان کی بھابھی آٹھ بجے کے بعد ارمان کے گھر پہنچنے کے بعد اس کی پہلے خوب کلاس لیں گی، اب تم ارمان پر رحم کھاؤ اور شروع ہو جاؤ۔'' وہ ساری رات تو ہاسپٹل میں رہ نہیں سکتے تھے، نشا نے اپنی کہانی مختصر الفاظ کہہ ڈالی، نشا کے نکاح کی خبر پر ارمان کا دل ایسا خاموش ہوا پھر دہائی شرارت پر آمادہ نہ ہوا۔

''تو پھر اب آپ کو کہاں چھوڑیں۔'' تابش کو حقیقتاً دکھ پہنچا تھا نشا کے حالات زندگی سن کر، اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنی تکلیفیں جھیلی تھیں اس معصوم سی لڑکی نے۔

''میں حسن کے گھر جانا چاہوں گی، میں اس کی بیوی ہوں، وہ مجھے ضرور اپنے گھر میں رکھے گا۔'' نشا کو حسن کے گھر پہنچنے کی جلدی تھی، وہ ان دونوں کی احسان مند تھی، وہ اللہ کی شکر گزار تھی جس نے ان دونوں کو رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا تھا، کچھ ہی دیر بعد وہ ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی، وہ حسن کی سوسائٹی کا نام بتا چکی تھی جو تابش کے علم میں تھی، ارمان کا دل لمحہ بہ لمحہ ڈوب رہا تھا۔

لاڈی بے قدراں نال یاری
تے ٹٹ گئی تڑک کر کے

اس کا دل کرلایا تھا، لیکن کسی کے نکاح میں موجود لڑکی پر اس نے دوبارہ نظر بھی نہ ڈالی تھی، جتنا دیکھنا تھا اس کے کسی کے منکوحہ ہونے کی اطلاع دینے سے پہلے وہ دیکھ چکا تھا، اب اسے ہرگز نہیں دیکھنا تھا، وہ کسی کی امانت تھی اور ارمان ملک خائن نہیں تھا۔

☆☆☆

''میری بہو تو لاکھوں میں ایک ہے، ماشاء اللہ، ندیم تم نے تو میرا دل خوش کر دیا، میرا سارا ملال ماہ نور کو دیکھ کر جھک سے اڑ گیا ہے، تم نے اپنی شادی میں اپنی ماں اور بہنوں کو شامل تک نہیں کیا مجھے یہی ملال کھاتا تھا۔'' سمیرا بیگم کا لہجہ شہد آگیں تھا، بہو ایک تو حسین وجمیل اوپر سے دولت مند، ندیم نے نشا کی رخصتی سے قبل شادی کر لی تھی، جیسے ہی سمیرا بیگم نے نشا کے ہمیشہ کے لئے گھر سے جانے کی بات بتائی، تب ندیم نے اپنی شادی کرنے کا راز اگل دیا، وہ ماہ نور کو لئے آج صبح کی فلائٹ سے پاکستان پہنچا تھا، تب سے سمیرا بیگم بہو کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی، نمرہ اور ثمرہ کو بھی بھابھی بہت پسند آئی تھی، ندیم تو ماں بہنوں کی آنکھوں میں ستائش اور فخر کا سمندر ماہ نور کے لئے موجزن دیکھ کر صوفے پر اکڑ کر بیٹھا تھا، گویا ماہ نور کے خوبصورت اور دولت مند ہونے میں اسی کا کمال ہو، بہو بیگم کو محل جیسا گھر تو بے حد پسند آیا تھا، لیکن ساس اور نندیں کچھ خاص پسند نہ آئی تھیں، وہ خود چالاک فطرت لڑکی تھی، انگلینڈ کے آزاد ماحول میں پلی بڑھی۔

ندیم سے شادی کر کے اس نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا، دولت کی ریل پیل، گاڑیاں، پھلتا پھولتا بزنس، شاندار گھر، نوکر چاکر، ماہ نور کے منہ میں تو پانی بھرے جا رہا تھا، ندیم کو اس نے اپنی جھوٹی امارت کے خوب قصے سنا کر پھنسایا تھا، ندیم اس کی خوبصورتی اور اداؤں پر تو مرہی مٹا تھا لیکن فطرتاً وہ لالچی تھا، وہ ماہ نور کے ساتھ صرف وقت گزارنا چاہتا تھا شادی کرنا نہیں، شادی اسے دولت مند لڑکی سے ہی کرنی تھی ماہ نور اس کا لالچ بھانپ گئی، تب اس نے اپنے ماں باپ کو خوب سکھا کر ندیم سے ملوا دیا، ماں برٹش نوئی تھی تو باپ اس کا پاکستانی تھا، دونوں بھی بیٹی کے ہم نوا تھے، اگر بیٹی کی شادی ندیم سے ہو جاتی تو ان کے دن پھر جاتے کیونکہ ان دونوں کو بیٹی کی صلاحیتوں پر بھرپور مان تھا، ماہ نور کے حسن اور اداؤں کا اسیر ندیم ماہ نور کے ماں باپ کی باتوں پر ایمان لے آیا، جیسے ہی ماہ نور کے باپ نے شادی کے پانچ ماہ بعد جائیداد ماہ نور کے نام کر دینے کی بات کی، ندیم نے جھٹ ماہ نور سے نکاح کر لیا، اب ماہ نور محل نما گھر کے لاؤنج میں خود پرستانہ نگاہیں محسوس کرتے صوفے پر شان سے کسی ملکہ کی مانند براجمان تھی، ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ مچل رہی تھی، جس پر ندیم فدا ہوا جا رہا تھا، سمیرا بیگم دونوں کی دل ہی دل میں نظر اتارتی اٹھ کھڑی ہوئیں، انہیں اپنی بہو کے شایان شان کھانا تیار کروانا تھا، ثمرہ اور ثمرہ اپنی بھابھی اور بھائی سے بات کرنے لگیں، اس گھر کے سب مکینوں کے چہرے آج خوشی چھلکا رہے تھے، انہیں علم نہ تھا، ان کی یہ خوشیاں کتنی مختصر عمر کی حامل تھیں۔

☆☆☆

''کیا یہ حسن کیانی کا گھر ہے۔'' تابش اور ارمان نشا کے ساتھ اس وقت حسن کیانی کے گھر کے سامنے کھڑے تھے، نشا کے بتائے گئے حسن کے پورے نام حسن کیانی کی پوری کالونی میں ڈھونڈنے کے بعد بالآخر اب وہ حسن کیانی کے گھر کے سامنے کھڑے تھے یہ ان کا خیال تھا کیونکہ بڑے سے گیٹ کے باہر لگی نیم پلیٹ پر حسن ولا درج تھا، حسن ولا کا نام پڑھتے ہی تابش نے بے تابی سے باہر کھڑے چوکیدار سے استفسار کیا تھا، چوکیدار نے چونک کر تینوں کو دیکھا۔

''کیوں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

چوکیدار نے عجیب نظروں سے دیکھتے الٹا سوال داغ دیا۔

''ہمیں ان کا ادھار دینا ہے اس لئے پوچھ رہے ہیں۔'' ارمان تپ کر بولا، اس سے قبل چوکیدار جواب دیتا، نشا کی نظر ساتھ والے بنگلے کے گیٹ سے سست روی سے نکلتی بڑی سی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی عریشہ پر پڑی، نشا کے قدم ڈھیروں بے تابی سمو کر اس جانب سرعت سے اٹھ گئے، یقیناً عریشہ کو علم ہوگا حسن کہاں ہے اور کس حال میں ہے، ارمان اور تابش چوکیدار کو گھوری سے نواز کر نشا کے پیچھے گئے، پوری کالونی میں وہ خوار ہوئے تھے حسن صاحب کا گھر ڈھونڈنے کے لئے، اس سڑی شکل والے چوکیدار نے انہیں بتایا کیوں نہیں یہی حسن کیانی کا گھر ہے، گھوری تو بنتی تھی۔

''آپ جانتی ہوں گی، حسن کہاں ہے، پلیز مجھے حسن کے پاس لے چلیں۔''

نشا فرنٹ ڈور پر نرم و نازک ہاتھ ٹکا کر بے قراری اور اضطرار میں لٹی آواز میں بولی۔

عریشہ بھی نشا کو دیکھ کر گاڑی روک چکی تھی، وہ حیران ہوئی تھی نشا اور یہاں، وہ بھی اس وقت

دو انجان لڑکوں کے ساتھ۔

"کیا تمہیں نہیں علم حسن کہاں ہے اور تم یہاں اور یہ دونوں کون ہیں۔" فرنٹ ڈور کھول کر قدم باہر رکھتی عریشہ نے اپنی سوچ کو الفاظ کا جامہ پہنایا، نشا عریشہ کو پا کر گویا حسن تک پہنچنے کی راہ پا گئی تھی، تیز تیز بولتے وہ خود پر بیتی روداد سنا گئی، دوسرے لفظوں میں عریشہ کا کام آسان کر گئی، عریشہ نے پرسوچ انداز میں دونوں خوبصورت وجیہہ نوجوانوں کو دیکھا تھا جن کے چہرے ان کے بہترین کردار اور شرافت کے گواہ تھے۔

"اگر نشا کو بدگمان کر دیا جائے تو حسن میرا ہوسکتا ہے، حسن کو نشا مل ہی نہ پائے گی، نشا کی چچی سمیرا حسن کو اپنے گھر گھسنے نہیں دے گی، یوں نشا کا کانٹا اس کے اور حسن کے درمیان سے ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔" وہ اس وقت ہاسپٹل ہی جا رہی تھی، ڈاکٹرز نے امید کی کرن دکھائی تھی ثمینہ بیگم نے عریشہ کو بلوایا تھا، عریشہ کی ماما اور پاپا بھی حسن کو دیکھنے ہاسپٹل گئے تھے، ثمینہ بیگم بہت متاثر ہوئی تھیں ان کے اچھے اخلاق سے، نشا سے وہ مزید بدظن ہو گئی تھیں، عریشہ نے کھڑے کھڑے حسن کو ہمیشہ کے لئے اپنے نام کرنے کا منصوبہ ترتیب دے ڈالا تھا، چوکیدار جو خاصا بد دماغ اور بدزبان تھا، وہ گیٹ سے اندر جا چکا تھا، ارمان اور تابش کو عریشہ کی پرسوچ چپ کوفت میں مبتلا کر گئی، وہ اب اتنے بھی ویسے نہیں تھے جو اس محترمہ کے سوچ میں ڈوبنے کو ہضم کرتے، انہیں نشا کو اس کے شوہر کے گھر پہنچانا تھا، وہ کافی لیٹ ہو چکے تھے، ارمان کو بھابھی کی آوازیں خود پر برستی محسوس ہونے لگی تھیں، نشا امید و بیم کی ڈور تھامے عریشہ کے خوبصورت چہرے پر نگاہ جمائے کھڑی تھی۔

"محترمہ اب کچھ بول دیں۔" ارمان تصور میں ہی بھابھی کی ڈانٹ ڈپٹ کا تصور کر کے گھبرا کر تڑخ کر بولا۔

"وہ ایسا ہے کہ نشا....." عریشہ کی چپ کی چادر میں شگاف ارمان کی تڑختی آواز نے ڈالا تو وہ سرد آہ بھر کر پانچ لفظ بول کر پھر چپ کے دورے پر نکل گئی۔

"پلیز جلدی بتایئے مجھے لے جائیں گی نا حسن کے پاس۔" نشا کا دل اندیشوں اور خوف کی زد میں تھا، اس وقت عریشہ ہی اس کی واحد امید تھی۔

"نشا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے، حسن کومے میں جا چکا ہے، ثمینہ آنٹی آج ہی کچھ دیر قبل حسن کے بہتر ٹریٹمنٹ کے لئے اسے انگلینڈ لے جا چکی ہیں، اب حسن بچے گا یا نہیں، ہوش میں آئے گا یا نہیں، فی الوقت کچھ کہنا مشکل ہے، میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتی، تمہیں اب اپنے رہنے کا ٹھکانہ خود ہی ڈھونڈنا ہے۔" عریشہ کا سفاک لہجہ اور الفاظ نشا کے اوپر ساتوں آسمان گرا گئے، عریشہ نے اس کے وجود کو طوفانوں میں دھکیل دیا تھا۔

وہ کہاں جائے گی، یہ سوال بھوت بن کر اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگا، اب بے چاری نشا رو دی تھی، وہ جیسے آسمان تلے بے سائبان ہوئی تھی، ارمان اور تابش بھی عریشہ کی بات پر تڑپ گئے۔

"عجیب لڑکی ہے یہ، کوئی نرمی کی جھلک ہی نہیں اس کے لہجے میں، آپ ہمیں پلیز ثمینہ آنٹی کا نمبر دیں، ہم بات کریں گے ان سے، نشا کو انگلینڈ بھجوانے میں ہم مدد کریں گے ان کی، آخر حسن اس کا شوہر ہے، ثمینہ آنٹی کس طرح اس سے غافل رہ سکتی ہیں۔" ارمان کا دل بری طرح تڑپا تھا نشا کی بے بسی پر یہی حال تابش کا تھا۔

"میں کیوں دوں آپ کو ثمینہ آنٹی کا نمبر، وہ تو یہی سمجھے بیٹھی ہوں گی کہ نشا بھاگ گئی گھر میں سے نہ کہ دو نجانے لڑکوں کے ساتھ۔ اور شہر میں بڑی ہی تاپ رہتی ہے۔" عریشہ کے لہجے پر تینوں چونک گئے، کیا تھا اس کے لہجے میں، جلن، حسد، تنفر، حقارت یا دھوکا دہی کی بو، تینوں کے دیکھتے ہی دیکھتے عریشہ زن سے گاڑی بھگا لے گئی، وہ مطمئن تھی نشا نامی کانٹا اب اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل چکا تھا، اب نشا جائے بھاڑ میں، کتنا تڑپی تھی وہ جب حسن نے اس پر نشا کو فوقیت دی تھی، حسن کی زبان ہمہ وقت نشا کے حسن کے قصیدے پڑھتی تو وہ جل کر خاک ہو جاتی تھی، اب اگر قسمت نے حسن کو اس کی جھولی میں پھینکا تھا، تو وہ موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتی، اسے حسن کے ٹھیک ہوتے ہی اس کے ساتھ شادی کر کے انگلینڈ روانہ ہو جانا تھا، چوکیدار کو سمجھا دیا تھا، نشا اور ان دونوں لڑکوں کو بھول کر بھی گھر کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دینا، اس کی پلاننگ مکمل تھی، نشا نے عریشہ کے جاتے ہی خوفزدہ نگاہوں سے تابش اور ارمان کو دیکھا، ڈر تھا کہ کہیں اب ان کی نیت پر تھا، کتنی بڑی آزمائش۔

"یا اللہ مدد کر۔" اس کا دل کر رہا تھا، تابش ارمان دونوں ساکت۔

"اب کیا کریں؟" یہی سوال دونوں کے ذہنوں میں منڈلا رہا تھا، یہ تو طے تھا نشا کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑنا، پھر کیا کیا جائے کہ نشا کو محفوظ پناہ گاہ مل جائے، دونوں کو نشا پر ڈر سے بچھڑنے کا گمان ہو۔

"ارمان۔"

"تابش۔" ارمان کو قدرے دور لے جا کر دھیمے لہجے میں بولا۔

"ہوں۔" ارمان نے پرسوچ انداز میں جواباً ہوں کہنے پر اکتفا کیا تھا، وہ نشا کو کبھی یوں بے آسرا نہیں ہونے دے گا، یہی اس کے دل کی آواز تھی۔

"نشا کو تو گھر لے جا۔" تابش کی اگلی بات پر ارمان کے سوچ کے فیوز یک لخت اڑے اور اسے ہوش میں لے آئے۔

"یہ کیسے ممکن ہے۔" بے بسی سے پر آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی، نشا وہیں تھک کر زمین پر ڈھے چکی تھی، شدید غم اور فکر نے اس کے اعصاب کو بوجھل کر دیا تھا، اس کے قدم اس کے وجود کا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہو گئے تو وہیں سڑک پر بیٹھ گئی، اسٹریٹ لائٹس کی زرد روشنی ہر سو تھرکتی پھر رہی تھی، اس تھرکتی زرد روشنی میں دونوں کی میٹنگ جاری تھی۔

"بھابھی اب اتنی بھی ظالم نہیں ہیں جو وہ ایک یتیم بے سہارا لڑکی کو نکال باہر کریں۔" تابش خوش گمانی کی انتہا پر تھا۔

"جی بالکل بجا نہیں فرمایا آپ نے، وہ واقعی اتنی ہی ظالم ہیں کہ وہ اپنے جوان جہاں شوہر اور دیور کی موجودگی میں ایک خوبصورت ترین لڑکی کو باہر کا راستہ دکھانے میں ایک سیکنڈ کا وقت نہ لیں گی، وہ تو گھر میں خوبصورت عورت کو ملازمہ کا شرف حاصل نہیں ہونے دیتیں کجا ایک خوبصورت لڑکی کا وجود، وہ تو مجھے کچا چبا جائیں گی۔" ارمان کا دل تھا کہ نشا کے لئے کچھ بھی کر گزرنے کا خواہاں تھا لیکن بھابھی آج سے قبل اسے اپنی بھابھی کی سختی اتنی بری نہ لگی تھی، لیکن اس پل نشا کی معصوم روئی روئی صورت دل پر گھاؤ پر گھاؤ لگائے جا رہی تھی۔

"وہ کیا کرے۔" اس نے سچ مچ اپنے بال نوچ لئے، تابش بھول کر بھی نشا کو اپنے گھر نہ لے جا سکتا تھا، اس کی کچھ ماہ قبل ہونے والی

شادی کے قائم رہنے کو شدید خطرہ لاحق ہو جاتا اگر تابش نشا کو اپنے گھر لے جاتا، تابش کی بیوی لائبہ تھی بھی کھردرے مزاج کی، تابش کے والدین دور افتادہ گاؤں میں رہائش پذیر تھے، تابش کی جاب لاہور میں تھی، ہر آسائش اسے میسر تھی لیکن اس کے والدین گاؤں چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے، نشا کو وہ کسی دارالامان میں بھی چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔

''کیا کیا جائے۔'' وہ دونوں اچھے خاصے گھوم گئے تھے، ارمان کچھ پل غور وفکر میں ڈوبا رہنے کے بعد تابش جوش سے بولا۔

''ہاں بول۔'' ارمان نے استفہامیہ نگاہوں سے تابش کو دیکھا تھا، پھر جو بات تابش نے کی وہ دو فٹ زمین سے اچھلا تھا، نشا جو کچھ فاصلے پر زمین پر بیٹھی تھی، اس کی سماعتوں میں تابش کے الفاظ پڑے تو نگاہوں میں ناپسندیدگی اور بے بسی ایک ساتھ اتری تھی۔

''تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا، یہ کس قسم کا مشورہ ہے، اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی بے ہودہ مذاق ہے۔'' ارمان گویا جلتے توے پر جا بیٹھا تھا۔

''اس کے علاوہ کوئی اور تجویز نہیں ہے میرے پاس اور ویسے بھی کیا تجھے اپنے کردار کی صداقت پر یقین نہیں۔'' تابش کو صرف یہی حل نظر آیا تھا اور اب اسے ارمان کو قائل کرنا تھا۔

''ہے یقین اپنے کردار پر، لیکن مقابل میری بھابھی ہوں گی، بال کی کھال اتارنے والیں۔''

''تو شاید بھول رہا ہے یہ بات، تم نہ صرف لڑکی کو مزید مشکل میں دھکیل رہے ہو بلکہ ہم دونوں پر بدکردار ہونے کا ٹیگ بھی لگوانا چاہتے ہو۔'' ارمان کا دل سختی سے انکاری تھا تابش کی تجویز پر عمل درآمد کرنے پر نشا کسی کے نکاح میں تھی۔

''وہ منحوس لڑکی اگر کنفرم بتا جاتی، حسن ٹھیک ہو گا یا نہیں، نشا کو لٹکا کر چلی گئی تھی، نشا کب تک حسن نامی بندے کا انتظار کرے گی اور سڑیل شکل والا چوکیدار ہمیں ہاسپٹل کا ایڈریس ہی دینے کی حامی بھر لیتا لیکن نہ جی وہ تو اسی وقت گھر میں گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب ہو چکا تھا۔''

''کیا فضول ہانک رہے ہو ارمان، کم از کم لفظ تو سوچ سمجھ کر استعمال کرو، بدکرداری کا ٹیگ ہونہہ، میں کیوں ایسا چاہوں گا، میں نے بس اتنا کہا ہے جب تک نشا کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا تب تک تم دونوں ڈرامہ کر لو، تم دونوں کو کس طرح رہنا ہے اس کا فیصلہ بھابھی نے نہیں تم نے کرنا ہے اور مجھے اپنے دوست پر یقین ہے، میرا دوست خائن نہیں ہے، نشا کو تحفظ صرف اسی صورت مل سکتا ہے، وہ پہلے ہی اتنے دکھ جھیل چکی ہے، مزید مشکلات سے تو ہم اس کو بچا سکتے ہیں نا۔'' تابش کو ارمان پر حد سے زیادہ یقین تھا کہ اس کے دوست کی نگاہوں میں کتنی شرم وحیاء تھی۔

''نشا سے تو پوچھ لو، وہ چاہے دل ہی دل میں تمہیں بددعائیں دے رہی ہو اتنا حسین حل نکالنے پر۔'' ارمان کا لہجہ طنزیہ ہوا، تابش نشا کی جانب متوجہ ہوا جو اپنی مخروطی لرزتی انگلیوں کو چٹخا رہی تھی، اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔

(جاری ہے)

بشریٰ سیال

موسم نے انگڑائی لی تو درختوں نے سبز لباس اتار کر زرد، اداس اور بے رونق لباس زیب تن کرلیا، ہر سو خزاں کی خاموشی اور اداسی، ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، وہ نا جانے کب سے ٹیرس پر کھڑی تھی، اداس شام کا گلا دور سے آتی کوئل کی آواز نے گھونٹا تھا، وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی، اس کا دماغ جیسے سن ہو رہا تھا، وہ کچھ دیر قبل آیا تھا، اسے لینے اور ایسا تو ایک دن ہونا تھا، مگر اب نہ تو اسے اس کا انتظار تھا، نہ ہی اس کے پاس جانے کی خواہش تھی، عورت جس مرد سے بے پناہ محبت کرتی ہے، وہ اس کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیتی ہے، مگر جب وہی مرد اس کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے تو وہ ٹوٹ کر ایسا بکھرتی ہے کہ پھر دوبارہ سمٹنا اس کے لئے بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے، اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھا، جو دن ڈھلے کے ساتھ ہی گھر کو واپس لوٹ رہے تھے، لوٹنا تو اسے بھی تھا، مگر دل مسلسل انکاری تھا،

ناولٹ

مگر پھر اسے یاد آیا کہ وہ ایک عورت ہے اور بھلا عورت کا بھی دل ہوا کرتا ہے، وہ کیا سوچتی ہے، کیا محسوس کرتی ہے، اس سے کسی کو فرق کب پڑتا ہے۔

☆☆☆

مریم مقامی کالج میں لیکچرار تھی، اپنی دو بیٹوں اور شوہر کے ساتھ وہ ایک خوشگوار زندگی گزار رہی تھی۔

ارحم اسے بے حد چاہتا تھا، دو بچیوں کے بعد بھی اس کی محبت میں کوئی کمی نہ آئی تھی، ہر بات میں اسے اہمیت دیتا، ہر کام میں اس کے ساتھ کاپریٹ کرتا تھا، مریم کی کولیگز اس پر رشک کرتی تھیں۔

آج کل وہ خاصی پریشان تھی، کیونکہ جاب

کے ساتھ پورا گھر سنبھالنا، ارحم کو ٹائم دینا، بچیوں کو پڑھانا اور پھر مریم کے پاس اپنے لئے کوئی وقت نہ بچتا تھا۔

آج کل اسے ایک میڈ کی تلاش تھی، بہت کوشش کے بعد اس کی کولیگ مس شازیہ نے اسے اپنی میڈ کا بتایا تو وہ اسے ہائیر کرنے کے لئے جھٹ مان گئی، مگر ارحم کو منانا کافی مشکل تھا۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا، وہ اور ارحم لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، ارحم ریموٹ کنٹرول تھامے چینل سرچنگ میں مصروف تھا، مریم کبھی اس کو اور کبھی ٹی وی کی اسکرین کو دیکھتی اس کی یہ بے چینی ارحم سے مخفی تو نہ تھی، مگر وہ چاہتا تھا کہ مریم خود اسے بتائے کہ کیا بات ہے، جب وہ کسی طرح بھی اسے بتانے پر آمادہ نظر نہ آئی تو ارحم نے ٹی وی کا والیوم کم کیا اور اسے دیکھا۔

''از ایوری تھنگ اوکے؟ تم کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو۔'' ارحم نے چائے کا سپ لیتے ہوئے آخر کار استفہامیہ نظروں سے مریم کی جانب دیکھا تھا، جو خاصی الجھی ہوئی اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

''پرابلم یہ ہے کہ میں تو ساڑھے آٹھ بجے چلی جاتی ہوں کالج، میں نے اپنی دو تین کولیگز سے بات کی، ان میں سے کسی کی میڈ کو اپائنٹ کر لوں، مگر سب ہی مارننگ کا ٹائم دے سکتی ہیں، اب تم بتاؤ کیا کروں؟'' اس نے بتایا تو چند ثانیے ارحم بھی سوچ میں پڑ گیا۔

''ہاں یہ تو پرابلم ہے۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

''بالغرض اگر کوئی شام کا ٹائم دیتی بھی ہے تو میرے لئے مشکل ہو جائے گا کالج سے واپس آ کر سر پر کھڑے ہو کر صفائی کروانا۔'' اس نے اپنا سارا مسئلہ ارحم کے سامنے رکھ دیا تھا، اسے یقین تھا ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی وہ اس کا مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دے گا۔

''تو پھر اب کیا کیا جائے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''ایک حل ہے میرے پاس۔'' ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند اس کے ذہن میں لپکا تھا۔

''اگر تم Coperate کرو تو۔'' اس نے آس بھری نظروں سے ارحم کی جانب دیکھا تھا۔

''ہاں کہو۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم ساڑھے نو بجے آفس جاتے ہو، اگر میڈ آٹھ بجے آ جائے اور نو یا سوا نو بجے تک صفائی کر کے چلی جائے، تمہیں تو کوئی پرابلم نہ ہو گی؟'' اس کی بات پر ارحم سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''یار یہ کچھ مناسب نہیں لگتا۔'' اس نے کہا۔

''میری کولیگ شازیہ کی میڈ بہت اچھی ہے، اعتماد والی لڑکی ہے، بس میں اسے ہائر کر رہی ہوں، تمہیں ذرا بھی مسئلہ نہیں ہو گا، وہ کام کر کے چلی جائے گی، تم گھر کو لاکڈ کر کے آفس چلے جانا۔'' اس نے اپنی پریشانی کا گویا خود ہی حل نکال لیا تھا۔

''دیکھ لو، یہ میڈ وغیرہ کو ہینڈل کرنا تم خواتین کا کام ہے، ایسا نہ ہو وہ گھر کا صفایا کر کے چلتی بنے۔'' اس نے ازراہ مذاق کیا تھا، مگر مریم نے محسوس نہ کیا، وہ اپنا مسئلہ حل ہو جانے پر بہت خوش تھی۔

''اتنی آسانی سے میں اپنے گھر کا صفایا نہیں کرنے دیتی کسی کو۔'' وہ چائے کے برتن اٹھا کر کچن کی جانب چل دی تھی، ارحم نے محبت بھری نظر اس پر ڈالی اور سامنے ٹیبل پر پڑا نیوز پیپر اٹھا

لیا۔

☆☆☆

اگلے دن مریم کی موجودگی میں ہی وہ آ گئی تھی، وہ سترہ اٹھارہ سالہ لڑکی تھی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، بالوں کی دو چوٹیاں بنائے، سفید کھلتی رنگت، سرو قد، وہ کہیں سے بھی کام کرنے والی لڑکی نہ لگتی تھی، مریم نے اسے کام سمجھا دیا اور خود تیار ہونے لگی، دونوں بچیوں کو ریڈی کر کے وہ ساڑھے آٹھ بجے سے کچھ پہلے ہی کالج کے لئے نکل گئی تھی، وہ مقامی کالج میں لیکچرار تھی، اپنی نرم طبیعت اور خوبصورتی کی وجہ سے وہ طلباء کی پسندیدہ ٹیچر تھی۔

"صاحب! ہو گیا کام۔" وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا خود پر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا جب وہ بنا دستک دیئے بے دھڑک اس کے روم میں داخل ہوئی۔

"تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ کسی کے روم میں جانے سے پہلے ڈور ناک کرتے ہیں۔" وہ تیزی سے مڑا اور ناگواری سے بولا۔

"کیا کرتے ہیں۔" وہ اپنی موٹی موٹی آنکھوں کو پٹپٹاتے ہوئے ناسمجھی کے عالم میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"دروازے پر دستک دیتے ہیں۔" اس نے پرفیوم واپس رکھا اور لیپ ٹاپ اٹھا کر بیگ میں ڈالنے لگا۔

"ہا! کتنے پیارے جھمکے ہیں۔" اس کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے وہ ڈریسنگ کی جانب بڑھی اور اس پر پڑے مریم کے قیمتی جھمکے اٹھا کر کانوں سے لگا کر اشتیاق بھرے لہجے میں بولی تو ارحم غصے کے عالم میں تیزی سے مڑا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، رکھو انہیں واپس۔" وہ درشتی سے بولا۔

"نان سینس گرل۔" وہ زیر لب بڑبڑایا، چند ثانیے خاموش کھڑی وہ اسے دیکھتی رہی اور پھر باہر نکل گئی، ارحم نے اپنا بیگ، موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

دوپہر کو جب مریم گھر آئی تو دھلے دھلائے، صاف ستھرے اور چمکتے فرش اس کے منتظر تھے، دیکھ کر اس کی طبیعت فریش ہو گئی تھی، وہ ریلیکس اور مطمئن ہو گئی تھی، اس شام جب وہ سو کر اٹھی تو اس کا موڈ خاصا خوشگوار تھا، نہ تو اس نے زیبا کو ہوم ورک کرواتے ہوئے ڈانٹا ڈپٹا اور نہ ساریہ کو کھلونے پھیلانے پر کچھ کہا۔

"یہ میڈ جو تم نے رکھی ہے خاصی خطرناک ہے۔" وہ لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے جب اچانک ارحم کے کہنے پر اس نے اس کی جانب دیکھا۔

"مطلب؟" وہ کچھ نہ سمجھی۔

"یار! جاہل کی لڑکی ہے، بنا دستک دیے روم میں آ گئی، پھر تمہارے جھمکے اٹھا کر کانوں پر لگا کر دیکھنے لگی۔" ارحم نے اسے بتایا۔

"میں نے تو اسے اچھا خاصا ڈانٹا۔"

"دیکھو ارحم، بہت مشکل سے میرا مسئلہ Solve ہوا ہے تم اسے ڈانٹ کر بھگا نہ دینا۔" اسے فکر لاحق ہو گئی کہ کہیں ارحم اسے ڈانٹ کر بات بگاڑ نہ دے، فی الحال وہ ایسا نہ چاہتی تھی۔

"مگر ان نوکروں کو ان کی اوقات میں ہی رکھنا چاہیے۔" اس نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا تھا، مریم نے اس سے بحث کرنے کا ارادہ موقوف کیا، کیونکہ اسے ابھی کل کے لئے اپنی بچیوں اور ارحم کی تیاری بھی کرنی تھی، اس لئے وہ کوئی بھی جواب دیے بنا اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز وہ سنجیدگی سے صفائی کرتی رہی تھی، نہ ہی اس نے ارحم کو مخاطب کیا تھا، نہ ارحم نے ضروری سمجھا، وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا، وہ کئی بار وہاں سے گزری اور کن اکھیوں سے ارحم کو دیکھا، مگر وہ بالکل متوجہ نہ ہوا۔

دل دھڑکے میں تم سے یہ کیسے کہوں
کہتی ہے میری نظر شکریہ

وہ با آواز بلند گنگناتے ہوئے صفائی کررہی تھی، ارحم نے کچھ زچ ہو کر اسے آواز دے ڈالی۔

''سنو!'' اس کو ایک دم بریک لگا تھا، اگلے ہی لمحے وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر تھی۔

''جی صاحب!'' اس نے شلوار ٹخنوں سے کافی اوپر چڑھا رکھی تھی، اس کی سفید، سڈول پنڈلیا عجیب نظارہ پیش کر رہی تھیں، دوپٹہ شاید صفائی کے دوران اسے ڈسٹرب کرتا تھا، اس لئے اسے اتار کرنا جانے کہاں رکھ دیا تھا، لمبی، موٹی چوٹیاں دائیں بائیں جھولتی ہوئی عجیب بہار دکھا رہی تھیں، اس گندے اور رف حلیے میں بھی وہ بلا کی حسین دکھائی دے رہی تھی۔

''خاموشی سے کام کرو۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتے ہوئے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''صاحب! مجھے ڈانٹا نہ کرو۔'' اس کی آنکھوں میں خفگی کے رنگ اترنے لگے، ارحم کی نظریں بھٹک بھٹک کر اس سے دوپٹے سے بے نیاز دلکش سراپے میں الجھنے لگیں۔

''سنو!'' وہ جانے کے لئے مڑی تو ارحم اسے پکار بیٹھا، وہ مڑی مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔

''دوپٹہ اوڑھ کر کام کیا کرو۔'' اس نے کچھ جھنجلاتے ہوئے کہا تھا، وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایسے کام نہیں ہوتا صاحب۔'' وہ کہہ کر وہاں رکی نہیں تھی، ارحم کا موڈ خاصا آف ہوا تھا، اس روز بار بار اس کے دل نے اسے ملامت کیا تھا، اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ مریم کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کو غور سے دیکھا تھا، اس ایک نظر کے لئے اس کا دل اسے معاف نہ کر پا رہا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو امی!'' مریم کے ساس سسر نہایت شفیق اور اچھی فطرت کے مالک تھے، وہ دوسرے شہر میں رہتے تھے، مریم کے سسر جاب کرتے تھے، یہ دونوں میاں بیوی بھی جاب کرتے تھے، اس لئے چھٹیوں میں ہی آنا جانا ہوتا تھا، مگر فون پر ہر دوسرے روز بات ہو جاتی تھی۔

''میں تو بہت خوش ہوں، میں نے فائنلی میڈ رکھ لی ہے، بہت اچھا کام کرتی ہے، اب میں کالج میں بھی فکرمند نہیں ہوتی، بچیوں کو بھی ٹھیک سے دیکھ لیتی ہوں۔'' وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''چلو یہ تو اچھی بات ہے۔'' وہ محبت سے بولیں۔

''میں اسے بچا ہوا کھانا، اپنے پرانے کپڑے وغیرہ بھی دے دیتی ہوں تو خوش ہے مجھ سے، بہت اچھے طریقے سے کام کرتی ہے۔'' اس نے مزید تفصیل بتائی تھی۔

''اچھا، مگر دھیان رکھنا، زیادہ سر مت چڑھانا، ان لوگوں کو ان کی اوقات میں رکھنا ہی اچھا ہوتا ہے۔'' مریم کی امی اس کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں، ابو نے دوسری شادی کر لی تھی، اس کی سوتیلی ماں اور بہن بھائی اس سے ہمیشہ بہت دور رہے تھے، ارحم کے والدین اس سے بہت محبت کرتے تھے، ان کا رویہ اس کے ساتھ

ہمیشہ سگی اولاد جیسا رہا تھا، وہ بھی ان کی بہت عزت کرتی تھی۔

''جی امی یہ تو آپ نے ٹھیک کہا، مگر وہ کافی معصوم سی ہے، ورنہ مجھے یہ فکر تھی، کوئی چالاک، ہوشیار، خرانٹ قسم کی عورت نہ ہو۔'' اس نے بتایا تھا۔

''اور تم بتاؤ، کب چکر لگانا ہے، ہماری طرف، ہم لوگ بچیوں سے بہت اداس ہیں۔''

ارحم ان کا اکلوتا بیٹا تھا، اس کی بچیاں دادا، دادی کی بہت لاڈلی تھیں، مگر ماں اور باپ دونوں جاب کرتے تھے، اس لئے صرف چھٹیوں میں ہی ان سے مل پاتی تھیں۔

''امی مجھے کالج سے چھٹیاں ہو جائیں، پھر انشاء اللہ ہم لوگ چکر لگاتے ہیں۔'' چند اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

''مریم، موسم بدل رہا ہے تم نے شاپنگ نہیں کرنی؟'' وہ عشاء کی نماز پڑھ کر آئی تو ارحم کو چینل سرچنگ کرتے ہوئے پایا۔

''تمہارا دل چاہ رہا ہے تو کروا دو۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی نائیٹ کریم لگا رہی تھی، آئینے میں ابھرتی اس کی شبیہہ کو دیکھتے ہوئے مبہم سا مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل دل چاہ رہا ہے، کل چلتے ہیں پھر۔'' اس نے فوراً پروگرام ترتیب دیا، اگلے دن وہ مریم اور دونوں بچیوں کو لے کر شاپنگ کروانے گیا، واپسی میں ڈنر بھی کروا دیا، ان کی شادی کو آٹھ سال ہو چکے تھے، مگر دونوں میں اوّل روز کی طرح محبت برقرار تھی۔

''سنو!'' وہ ہولے ہولے گنگناتے ہوئے اپنا کام کر رہی تھی، جب ارحم اس کے پاس آیا، وہ ڈر کر فوراً خاموش ہو گئی تھی۔

''جی صاحب!'' اس نے مودبانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

''تمہیں بٹن لگانا آتا ہے؟'' اسے میٹنگ میں جانا تھا، ٹائم کم تھا، اور جو شرٹ پہن کر اس نے جانا تھا، اس کا بٹن ٹوٹا ہوا تھا وہ اچھا خاصا جھنجھلاہٹ کا شکار تھا۔

''جی صاحب لگانا آتا ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ میری شرٹ پر لگا دو پلیز۔'' وہ ہاتھ دھو کر آ گئی اور اس نے شرٹ پکڑ لی، وہ واپس اپنے کمرے میں چلا گیا، کچھ دیر میں وہ دستک دے کر اندر آ گئی، ارحم نے دیکھا اس نے مریم کا پرانا سوٹ پہن رکھا تھا، دوپٹہ لاپرواہی سے گلے میں جھول رہا تھا، سوٹ اس کے جسم پر ڈھیلا ڈھالا تھا، شرٹ اسے کچھ چھوٹی تھی، مریم کا قد اس سے چھوٹا تھا۔

''شکریہ۔'' اس نے شرٹ اس کے ہاتھ سے لے لی تھی، وہ کچھ مسرور سی باہر نکل گئی، اس شام ارحم نے اچانک محسوس کیا کہ مریم کا قد چھوٹا ہے۔

''لڑکی تو اسمارٹ اور لمبی ہی اچھی لگتی ہے۔'' اس کے ذہن میں خیال آیا۔

''یہ کیا فضول بکواس میرے دماغ میں سما رہی ہے۔'' اگلے ہی لمحے ذہن میں آنے والی منفی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے وہ کھانے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

مریم کارپٹ پر بکھرے ندا کے کھلونے سمیٹ رہی تھی جب ارحم اسے نظروں کے حصار میں لئے ہوئے تھا، وہ بنا دوپٹے کے تھی، گھر میں وہ دوپٹہ کم ہی لیتی تھی، اس کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک برانڈڈ سوٹ تھا، مگر گھر میں وہی دو

چار گھسے پرانے کپڑے پہنتی تھی۔

''مریم!'' وہ اسے پکار بیٹھا۔

''جی!'' وہ اس کے سامنے آبیٹھی۔

''اپنا ویٹ کچھ کم کرو، موٹی ہوتی جا رہی ہو۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گیا۔

''ہیں۔'' اس نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ ایک دن میں، میں آپ کو موٹی کیوں لگنے لگی؟'' اس نے ناسمجھی کے عالم میں ارحم کی جانب دیکھا۔

''پتا نہیں، شاید اس سوٹ میں لگ رہی ہو۔'' وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسا۔

''یہ خاصا پرانا سوٹ ہے، اب کافی فٹ ہو گیا ہے مجھے۔'' اس نے ایک نظر اپنے سراپے کو آئینے کے سامنے دیکھا، سادہ اور رف سے حلیے میں وہ کہیں سے کالج کی لیکچرار نہ دکھائی دیتی تھی۔

''آج امی کی کال آئی تھی، آنے کا پوچھ رہی تھیں۔'' اس نے اچانک یاد آنے پر بتایا۔

''تمہیں اور بچیوں کو چھٹیاں ہو جائیں، پھر پروگرام بنالیں گے، میں بھی آفس سے چھٹی لے لوں گا۔'' وہ سونے کے لئے لیٹ چکا تھا، مریم نے لائیٹ آف کی اور اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

اب اکثر ایسا ہونے لگا تھا کہ ارحم کو کوئی کام کروانا ہوتا اور گل بانو (نوکرانی) فوراً وہ کام کر دیتی، جہاں نامحرم مرد اور عورت تنہا ہوں وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، ارحم جس کی شرافت اور نیکی کی گواہی ہی پورا خاندان دیتا تھا رفتہ رفتہ گل بانو کا منتظر رہنے لگا تھا، بہانے بہانے سے اسے پاس بلاتا، کوئی کام کہتا، وہ کرنے میں مصروف ہوتی اور خود اس کے سامنے بیٹھ کر اچھی طرح اس کا جائزہ لیتا، رفتہ رفتہ ان کے درمیان مالک اور نوکر والا لالحاظ اور جھجک ختم ہونے لگی، گل بانو منہ بند نوخیز کلی کی مانند تھی، وہ بظاہر معصوم دیکھتی تھی، مگر درحقیقت بہت چالاک تھی، وہ ارحم کی بدلتی نظروں کو پہچان چکی تھی، اس کی خاموش نگاہوں سے ملنے والے پوشیدہ پیغاموں کو وہ بخوبی سمجھ رہی تھی اور اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی، وہ مریم کی موجودگی میں دوپٹہ اوڑھے، سر جھکائے، معصومیت چہرے پر سجائے کام کرتی رہتی، نہ ہی ارحم کے سامنے جاتی، مگر جیسے ہی مریم گھر سے نکلتی وہ دوپٹہ اتار کر رکھ دیتی دوپٹے کے پلو میں باندھی لپ اسٹک نکال کر واش روم میں لگے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر لگاتی، آنکھوں میں کاجل لگاتی اور بہانے بہانے سے ارحم کے اردگرد چکر کاٹتی، وہ بھی مسکراتی ہوئی، میٹھی نظروں سے اس کی جانب دیکھتا، تو اس کا حوصلہ کچھ اور بڑھنے لگتا، ان دونوں سے سوا اگر کوئی تیسرا وہاں موجود ہوتا تھا، تو وہ تھا شیطان، جو دونوں کا حوصلہ خوب بڑھا رہا تھا، ارحم اس کے حسن اور اداؤں کے جال میں ایسا پھنس چکا تھا کہ اسے اب اپنی حرکتوں پر کوئی شرم بھی محسوس نہ ہوتی تھی، ابتداء میں دل جو ملامت کرتا تھا، اب وہ بھی خاموش ہو گیا تھا اور ضمیر تو ویسے ہی اس کی تھپکیوں سے سو چکا تھا۔

☆☆☆

''ارحم! کالج میں پیپر ہو رہے ہیں، ورنہ میں چھٹی کر لیتی۔''

اسے بخار تھا، وہ بیڈ پر لیٹا ہوا تھا، مریم نے اسے سوپ بنا کر دیا، میڈیسن سائیڈ ٹیبل پر رکھے وہ چیزیں لے کر باہر کی جانب بڑھی، جب اچانک مڑ کر اس کے پاس آئی محبت سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''کوئی بات نہیں میں بہتر ہوں۔'' وہ آہستہ آواز میں بولا۔

''میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔'' وہ چلی گئی اور جاتے ہوئے گل بانو کو ہدایت کر گئی کہ صاحب کو ڈسٹرب نہ کرے، خاموشی سے صفائی کرلے، کوئی شور نہ ہو۔

جب کافی دیر گزر گئی اور وہ بیڈ روم سے باہر نہ آیا تو اسے تشویش ہونے لگی، جلدی جلدی کام نمٹا کر وہ اندر آئی، کمرے میں ملگجا اندھیرا تھا، بھاری پردے کھڑکیوں پر پڑے ہوئے تھے، سامنے بیڈ پر وہ بے سدھ پڑا تھا، دبے پاؤں چلتی ہوئی وہ اس کے قریب آ کر رکی، شائد وہ سو رہا تھا، وہ بغور اسے دیکھنے گئی، وہ بہت ہینڈسم تھا، گل بانو کے دل کی حالت عجیب ہونے لگی، وہ تیزی سے مڑی، مگر ایک قدم اٹھا کر ہی اسے رک جانا پڑا، کیونکہ اس کا ہاتھ کسی کی مضبوط سلگتی گرفت میں آ چکا تھا، وہ میکانکی انداز میں مڑی، اس کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' وہ خمار آلود لہجے میں بولا، سرخ انگارہ آنکھیں اس پر جمتی ہوئی تھیں۔

''صا...... حب!'' اس نے ہکلاتے ہوئے ارحم کے ہاتھ میں موجود اپنی سرخ پڑتی کلائی کو دیکھا اور تھوک نگلا۔

''یہاں بیٹھو۔'' وہ بیڈ پر تھوڑا سا کھسک کر اس کے لئے جگہ بناتے ہوئے بولا، وہ ہچکچاتی ہوئی کھڑی تھی۔

''مگر صا...... حب؟''

''بیٹھو۔'' ارحم نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا، وہ اس کے پہلو میں آ گری، وہ سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''سر دباؤ میرا۔'' وہ تحکم آمیز لہجے میں بولا، حسب معمول اس وقت اس کے پاس دوپٹہ نہ تھا، سیاہ، چست، گہرے گلے کی قمیض میں اس کا دلکش گورا بدن ارحم کے اندر کی بے چینیوں کو مزید بڑھا رہا تھا۔

''سوچ کیا رہی ہو، میرے سر میں شدید درد ہے دبا دو۔'' وہ ایک مرتبہ پھر بولا، گل بانو نے اس کا سر دبانا شروع کر دیا، وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، اور وہ اسے اس کا پورا موقع فراہم کر رہی تھی وہ جو اوپر اوپر سے اس سے ڈرتی اور جھجکتی تھی تو یہ صرف اس کی آتش شوق کو ہوا دینے کے ہتھیار تھے، درحقیقت وہ اس سب سے بہت خوش تھی۔

''صاحب! اب میں جاؤں؟'' جب کافی دیر گزرنے کے بعد بھی اس نے اسے اٹھنے کی اجازت نہ دی تو مجبوراً اسے اجازت طلب کرنا پڑی۔

''تھک گئی ہو؟'' اس کے جانے کے خیال سے اس کا دل بے چین ہونے لگا تھا، وہ جو ہمیشہ دور سے اس پر وار کیا کرتی تھی، آج اس کے اتنے قریب پہلی مرتبہ آئی تھی، اس کی قربت کا نشہ اسے ہوش و خرد سے بیگانہ کرنے لگا تھا۔

''نہیں صاحب! مجھے اگلے گھر جانا ہے کام کے لئے۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے توجیہہ پیش کی۔

''تم وہاں مت جاؤ، تم کہیں بھی مت جاؤ، بس میرے پاس رہو، میرے سامنے۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے سینے پر رکھ لیا تھا، گل بانو کا دل ہاتھوں پیروں میں دھڑکنے لگا تھا، وہ متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''چھٹی نہیں ملتی صاحب؟'' اس نے ہاتھ واپس کھینچا، مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

''تم میرے گھر کے علاوہ سب جگہ کام کرنے سے انکار کر دو، وہاں سے جو تنخواہ ملتی ہے

وہ میں تمہیں دوں گا۔'' وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی، اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس کے دل میں اتنا اہم مقام حاصل کر چکی ہے۔

''اگر انہوں نے میری ماں سے بات کی؟'' اس نے کچھ پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''تو میں دیکھ لوں گا، بس تم انکار کر دو۔'' وہ اٹھنے لگی تو ارحم نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

''کہاں چلی؟'' وہ بے تکلفی سے بولا۔

''موبائل لے آؤں، فون کر دوں، ورنہ باجی فوراً میری ماں کو فون کر دے گی۔'' ارحم نے اس کے ہاتھ ہولے سے دبا کر چھوڑ دیئے، وہ باہر نکل گئی، چند سکینڈز میں اس کی واپسی ہوئی تھی۔

''فون کر دیا میں نے باجی کو۔'' بے تکلفی سے کہتے ہوئے وہ استحقاق بھرے انداز میں اس کے عین سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''گڈ!'' وہ مسکرایا۔

''یہ اتنے خوبصورت ہاتھ گھر، گھر کام کرنے کے لئے نہیں بنائے گئے۔'' ارحم نے اس کے دائیں ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا، گل بانو کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ رقصاں تھی، وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی، اس روز وہ کئی گھنٹے اس کے پاس موجود رہی تھی، ہر طرح سے اسے رجھاتی اور لبھاتی رہی تھی، اپنی قاتل اداؤں سے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر، کل آنے کا وعدہ کر کے وہ چلی گئی تھی۔

☆☆☆

کالج میں پارٹی تھی، مریم نے بہت خوبصورت ڈریس، ہم رنگ شوز اور جیولری پہن رکھی تھی، نفاست سے کیے گئے میک اپ کے ساتھ وہ بہت باوقار اور دلکش دکھائی دے رہی تھی، وہ منتظر ہی رہی کہ ارحم اس کی تعریف کرے، مگر ایسا نہ ہوا، وہ بوجھل دل کے ساتھ کالج گئی۔

''واہ مریم کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔'' مس رقیہ نے اسے دیکھتے ہی ساتھ بیٹھی مس سعیدہ کو ٹھوکا دیا، مگر وہ بجھے دل کے ساتھ آگے بڑھ گئی، پھر تقریباً سارے سٹاف نے ہی اس کی تعریف کی۔

''مریم سوٹ کدھر سے لیا؟'' مس شہناز نے اس کا ملائم سا دوپٹہ پکڑتے ہوئے استفسار کیا۔

''Khodi سے۔'' اس نے ہولے سے جواب دیا۔

''بہت ہی نفیس ڈریس ہے۔'' مس شہناز نے بھی توصیفی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا، اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''میم مریم سب ٹیچرز سے زیادہ خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' سارا دن اسٹوڈنٹس کی طرف سے ہنسنے والے کمنٹس اور توصیفی نگاہوں نے اس کا موڈ بحال کر دیا تھا، کلاسز آف ہونے کے بعد پارٹی تھی، وہ شام کو کافی لیٹ فارغ ہوئی تھی۔

''ارحم تم بچیوں کو اسکول سے پک کر لو۔'' اس نے اسے کال کر کے کہا۔

''میں میٹنگ میں ہوں۔'' اس نے دوٹوک جواب دیا، مجبوراً انہیں خود جا کر اسے لانا پڑا، واپسی میں وہ کافی تھک چکی تھی، ارحم آفس سے آیا تو بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا، وہ چائے بنا کر لائی۔

''میں چائے نہیں پیوں گا۔'' اس نے انکار کیا۔

''کیوں؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''میں کھانا کھاؤں گا، سخت بھوک لگی ہے۔'' وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے تھکے تھکے

انداز میں بولا۔

''تم کھانا گرم کرو، میں چینج کر کے آتا ہوں۔'' وہ فریش ہونے چلا گیا، مریم کچھ الجھی، کچھ پریشان سی کھڑی تھی جب وہ واش روم سے نکلا۔

''کیا پکایا ہے؟'' وہ بالوں میں برش کر رہا تھا۔

''میں نے تو کچھ پکایا ہی نہیں، کل کا بھنڈی گوشت پڑا ہے ساتھ میں.....''

''تو کیا اب میں ایک دن پرانا سالن کھاؤں۔'' اس کا موڈ سخت آف ہوا تھا۔

''میں بہت تھک گئی ہوں آج ارحم، تمہیں کالز کرتی رہی کہ کہوں باہر سے کچھ لے آؤ، تم نے پک ہی نہیں کی۔'' اس نے مصالحت آمیز انداز میں وضاحت دی تھی۔

''خود تو تم پارٹی انجوائے کر آئی، کھانا بھی کھا آئی شوہر جائے جہنم میں اور تھکاوٹ کا رعب مجھ پر مت جھاڑو میں نے نہیں کہا تمہیں جاب کرنے کے لئے۔'' وہ سخت غصے میں تھا، مریم نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا، وہ تو اس طرح کبھی بھی بات نہیں کرتا تھا، پھر آج کیا ہوا۔

''میں کیوں رعب جھاڑوں گی ارحم!'' وہ پست آواز میں بولی تھی۔

''دن بھر کی تھکن کے بعد گھر آؤ، تو کوئی سکون نہیں ملتا، جہاں بندے کو کھانا ہی نہیں ملنا، وہاں بیوی کا فائدہ، تم نے ایک کھانا ہی تو بنانا ہوتا ہے اور کرتی کیا ہو، کالج میں دو کلاسیں پڑھانے سے تم تھک جاتی ہو اور میں صبح سے شام جو مغز ماری کرتا ہوں اس کا تمہیں نہیں پتا۔'' وہ بولنے پر آیا تو بولتا چلا گیا، مریم کے لئے اس کا رویہ ناقابل فہم تھا، وہ ایسا تو نہ تھا، پھر کیا ہو گیا اچانک، وہ از حد پریشان تھی۔

''سوری ارحم، تم بیٹھو، میں بس ابھی تھوڑی دیر میں کھانا بنا لوں گی۔'' وہ باہر کی جانب بڑھی۔

''بہت شکریہ تمہارا، کوئی ضرورت نہیں یہ احسان کرنے کی۔'' بکتا جھکتا راستے میں آنے والی ہر چیز کو ٹھوکر مارتا ہوا وہ باہر نکل گیا تھا، مریم جلدی سے کچن میں آئی، اس نے آدھے گھنٹے میں بہت پھرتی سے فرائڈ رائس اور گرین چکن تیار کیا، فریج میں سے کباب نکالے، انہیں فرائی کرنے سے پہلے وہ ارحم کو بلانے کے لئے روم میں آئی، مگر وہ وہاں نہ تھا۔

''بیٹا آپ کے پاپا کہاں ہیں۔'' اس نے ریبا سے پوچھا۔

''پتا نہیں ماما۔'' وہ کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، اس نے پورے گھر میں دیکھ لیا ارحم کہیں نہ تھا، اس نے موبائل اٹھا کر اسے کالز کیں، مگر وہ رسیو نہیں کر رہا تھا، اس نے میسج کیا۔

''ارحم کھانا تیار ہے، پلیز گھر آ جاؤ۔'' مگر نہ تو وہ خود آیا اور نہ ہی اس کا جواب، دونوں بچیاں سو چکی تھیں، وہ بے چینی کے عالم میں لاؤنج میں ٹہلنے لگی، رات کے بارہ کا عمل ہو گا جب اس نے گھر میں قدم رکھا تھا۔

''ارحم! کہاں تھے تم، میں اتنی زیادہ پریشان تھی۔'' اسے آتا دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے قریب آئی اور تفکر بھرے لہجے میں بولی۔

''کوئی ضرورت نہیں میرے لئے پریشان ہونے کی۔'' وہ غصے سے بھرپور کاٹ دار نظر اس کی سمت اچھال کر اندر کی جانب بڑھا۔

''کھانا گرم کروں؟'' اس نے بحث کو پھیلنے سے قبل ہی سمیٹ لیا، وہ ان سنی کر کے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

''ارحم!'' وہ اس کے پیچھے آئی تھی۔

''ارحم! کھانا''

''پلیز جان چھوڑ دو میری۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ درشتی سے بولا تھا۔

''نہیں کھانا مجھے کچھ۔'' وہ دھاڑا۔

''ارحم!'' چھن سے کچھ اس کے اندر ٹوٹا تھا، وہ بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، جبکہ وہ نگاہیں چرانے لگا۔

''سچ سچ بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے۔'' وہ اس کے قریب آ بیٹھی اور اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر بغور اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''آفس میں کوئی ٹینشن ہے، تمہارا کسی سے کوئی جھگڑا ہوا ہے یا پھر۔''

''پلیز مجھے سونے دو۔'' وہ جان چھڑاتے ہوئے لیٹ گیا تھا۔

''بھوکے مت سونا ارحم۔'' وہ اس کی منتیں کرنے لگی تھی۔

اس کی کسی بھی بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ سو گیا تھا، جبکہ مریم کا سکون غارت ہو گیا تھا، وہ شاکڈ تھی، ارحم نے تو کبھی اس سے اونچی آواز میں بات نہ کی تھی، کجا کہ اس طرح جھگڑا اور لعن طعن، اس نے رات آنکھوں میں کاٹی تھی، ایک منٹ کے لئے بھی اس کی آنکھ نہ لگی تھی، بار بار آنکھیں بھیگنے لگتیں، دل بھرا جاتا۔

☆☆☆

اگلی صبح اسے ہلکا ہلکا بخار ہو چکا تھا، ساری رات جاگنے سے سر اور آنکھوں میں شدید درد تھا، آنکھیں سوج گئی تھیں، اس نے بہت محبت اور دل سے ناشتہ بنایا تھا، ارحم نے خاموشی سے ناشتہ کر لیا تھا، اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

''گل بانو رات کا کھانا پڑا ہے، جاتے ہوئے وہ لے جانا۔'' وہ صفائی کے لئے آئی تو مریم تیار ہو رہی تھی، گل بانو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''جی باجی۔'' وہ کام کرنے لگی، مریم کو اپنی آنکھوں کی سوجن چھپانے کے لئے آنکھوں پر اچھا خاصا تیز شیڈ لگانا پڑا، عام طور پر وہ ہلکا میک اپ کرتی تھی، کوئی پارٹی بھی ہوتی تو لائیٹ میک اپ ہی کیا کرتی۔

''کون کہتا ہے عورت پڑھ لکھ کر، نوکری کر کے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔'' گاڑی کو گیٹ سے نکالتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

''وہ چاہے کچھ بھی بن جائے، جتنا بھی کما لے، رہتی مرد کی محتاج ہی ہے، وہ جب چاہے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ سکتا ہے، سر سے آسمان ہٹا سکتا ہے، اسے اس کی اوقات یاد دلا سکتا ہے۔'' وہ ارحم کے رویے سے بری طرح ہرٹ ہوئی تھی، کالج میں بے دلی سے کلاس لے کر وہ گھر آ گئی تھی، سارا دن وہ ہر ایک سے چھپتی رہی تھی تا کہ کوئی اس سے سرخ اور سوجی آنکھوں کا راز نہ پوچھے، اسے اپنی عزت، وقار اور پندار بہت عزیز تھا، گھر آ کر اس نے ارحم کے لئے اچھا سا کھانا تیار کیا اور اس کا انتظار کرنے لگی، وہ سارا دن منتظر رہی کہ ارحم اسے کال یا میسج کرے گا، مگر اس کا انتظار لاحاصل ہی رہا، ارحم نے اس سے کوئی کانٹیکٹ نہ کیا۔

ارحم کے آنے سے پہلے اس کے کپڑے نکال کر واش روم میں لٹکائے، ہر چیز کو سلیقے سے سیٹ کیے وہ اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

گل بانو نے اس کی غیر معمولی سنجیدگی کو نوٹ کیا تھا، اس کا دھیان آج اس کی طرف نہ تھا، اس کا نظر انداز کرنا اسے بری طرح کھٹک رہا تھا، وہ تیار ہو کر آفس کے لئے نکلنے لگا تھا، جب وہ کام مکمل کر کے اس کے پاس آئی تھی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' اس کے سامنے کھڑی وہ آس بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
''نہیں۔'' وہ خفیف سا مسکرایا۔
''میری کوئی بات بری لگی ہے؟'' اس نے ایک اور سوال کیا تھا۔
''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''رات کو میں نے اتنی مس کالیں دیں، آپ نے فون ہی نہیں کیا۔'' اس نے بڑے لاڈ اور ناز سے اپنا سر اس کے بازو سے ٹکا دیا۔
''رات مریم جاگ رہی تھی، اس لئے کمرے سے نکلنا میرے لئے مشکل تھا۔'' اس نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلا کر حصار باندھا۔
''میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں، مجھ سے کبھی دور نہ ہونا ارحم صاحب۔'' وہ اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیل رہی تھی۔
''تم مجھے صاحب مت کہا کرو۔'' کل رات سے صبح تک جو اس کا موڈ آف ہوا تھا، تو اب اس کی قربت، اس کا لمس پاتے ہی بحال ہونے لگا تھا۔
''آپ کی نوکر ہوں میں، یہی کہوں گی نہ۔'' اس نے کچھ اس ادا سے کہا کہ ارحم نے اسے سیدھا کیا اور دونوں بازو اس کے گلے میں حمائل کر دیے، وہ بغور ارحم کے ڈیشنگ وجود کو دیکھ رہی تھی۔
''آج تو ایسا کہا ہے، دوبارہ نہ کہنا، تم نوکرانی نہیں ملکہ ہو میرے دل کی، یہاں رہتی ہو۔'' اس نے گل بانو کا ہاتھ پکڑ کر سینے پر عین دل کے اوپر رکھا تھا۔
''کوئی نہیں۔'' اس نے ہاتھ واپس کھینچا، مگر ارحم کی گرفت مضبوط تھی۔
''خالی دل میں رہنے سے کیا ہوتا ہے، آپ کی اصل ملکہ تو مریم باجی ہیں، جو آپ کے گھر میں آپ کے ساتھ رہتی ہیں۔'' اس نے دل کی بات آخر کہہ ہی ڈالی تھی اور وہ اس کی بات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ رہا تھا، مگر فی الوقت کچھ نہ کہہ سکا۔
آفس میں اس کا دل کسی کام میں نہ لگ رہا تھا، ایک عجیب سا ہیجان تھا جو اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا، وہ چاہ کر بھی اس میں سے نکل نہ سکتا تھا اور وہ اس میں سے نکلنا بھی نہ چاہتا تھا، عجیب طرح کی سوچیں اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں، وہ گھبرا کر اٹھا اور آفس کی گلاس وال میں جا کھڑا ہوا۔
''میں مریم کے ساتھ اچھا نہیں کر رہا۔'' دل کے ایک کونے میں ذرا سی بڑی حمیت جو کب سے کرلا رہی تھی، ایک دم چیخ اٹھی تھی۔
''وہ بھی تو ٹھیک نہیں کرتی نہ، اپنی جاب کے غرور میں رہتی ہے اسے کب میری پرواہ ہے۔'' دل نے فوراً دوسری تاویل پیش کی تھی، وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر کی جانب بڑھا، گھر میں قدم رکھا تو مریم کو اپنا منتظر پایا۔
''السلام علیکم!'' اس نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے بیگ پکڑا تھا، وہ خاموشی سے اندر کی جانب بڑھا۔
''تمہارے کپڑے میں نے واش روم میں لٹکا دیئے ہیں۔'' وہ اس کے پیچھے آئی۔
''فریش ہو کر آ جاؤ، میں کھانا لگاتی ہوں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھی۔
''ابھی کھانا نہیں کھاؤں گا چائے پلا دو۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا، مریم نے مڑ کر اسے دیکھا اور پھر ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔
''ارحم! مجھے اور بچیوں کو چھٹیاں ہو رہی ہیں

کل، ہم کب جا رہے ہیں حیدر آباد؟" رات کے کھانے کے دوران اس نے جانے کا ذکر چھیڑا تو ارحم کا موڈ پھر سے بگڑنے لگا۔

"دیکھو مریم چھٹیاں تمہیں ہو رہی ہیں، مجھے نہیں، میں تو فی الحال نہیں جا سکتا، تم بچیوں کو لے کر چلی جاؤ۔" اس کی بات پر وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

"مگر ہر سال تمہیں دس چھٹیاں ملتی ہیں، پھر اس بار کیوں نہیں۔" اس نے استفسار کیا۔

"میں تھکا ہوا آیا ہوں مریم، مجھ سے بحث مت کرو۔" اس نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا تھا، کھانا کھا کر وہ اٹھ گیا تو مریم نے سر تھام لیا۔

"یا اللہ! اسے کیا ہوتا جا رہا ہے۔" اس کی سمجھ سے ارحم ک رویہ باہر تھا، وہ خاموشی سے برتن سمیٹنے لگی۔

ارحم اسے اور بچیوں کو حیدر آباد چھوڑنے جا رہا تھا، آج اس کی پہلی چھٹی تھی، گل بانو صفائی کے لئے آئی تو وہ کچن میں ارحم کے لئے ناشتہ بنا رہی تھی، دونوں بچیاں اندر کمرے میں بیٹھی تھیں۔

"بات سنو گل بانو۔" وہ صفائی کر کے جانے لگی تو مریم نے اسے پکارا، وہ رک گئی، ارحم سامنے بیٹھا تھا، وہ بے خیالی میں مریم اور گل بانو کا موازنہ کرنے لگا، وہ مریم سے کافی چھوٹی تھی، اس کا رنگ بھی بہت سفید تھا اور سرو قد کے ساتھ سڈول بدن، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"میں ایک ہفتے کے لئے حیدر آباد جا رہی ہوں، یہ پورا ہفتہ تم کام پر نہ آنا۔" اس نے اطلاع دی تو وہ سعادتمندی سے سر ہلا کر رہ گئی۔

"جی باجی!" وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"اور میں نے تمہارے لئے کچھ کپڑے نکال کر رکھے ہیں، وہ لیتی جاؤ۔" وہ کپڑے لینے کے لئے اندر گئی تو گل بانو نے معنی خیزی سے ارحم کی جانب دیکھا، جو محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اس سے نظر ملی تو اس نے اسے اشارے سے پاس بلایا۔

"کل کام پر آ جانا، میں کل صبح چار بجے واپس آ جاؤں گا۔" وہ محتاط نظروں سے بند دروازے کی جانب دیکھتا ہوا بولا تھا، وہ خوبصورتی سے مسکرا دی۔

"یہ لو کچھ کپڑے تو صرف ایک مرتبہ پہنے ہیں، میرا تو ویٹ بڑھ گیا ہے، پورے نہیں آتے، تم دبلی پتلی ہو تمہیں پورے آ جائیں گے۔" اس نے کافی بڑا شاپر لا کر اسے تھمایا، شکریہ ادا کر کے وہ چلی گئی۔

"ارحم!" وہ تیار ہو رہی تھی، ارحم ایک فائل لے کر بیٹھا ہوا تھا۔

"میری سونے کی بالیاں نظر نہیں آ رہیں جو پچھلی Anniversary پر تم نے گفٹ کی تھیں۔" وہ خاصی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

"مجھے کیا معلوم۔" وہ نگاہیں چرا گیا۔

"حیرت ہے، آج سے پہلے میری کوئی چیز، کبھی بھی گم نہیں ہوئی۔" وہ سب جگہ دیکھ چکی تھی مگر بالیوں کو نہ ملنا تھا، نہ وہ ملیں۔

"دیر ہو رہی ہے تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" اس کے کہنے پر وہ مزید تلاش کا ارادہ ترک کرتی ہوئی بچیوں کو تیار کرنے لگی، مگر اس کا دھیان بالیوں میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

☆☆☆

ہمیشہ کی طرح ارحم کے والدین اس سے پرتپاک انداز میں ملے تھے، بچیاں دادا، دادی کے پاس آ کر بہت خوش تھیں۔

"ارحم! تم دو چار دن تو رہو۔" اسے اگلی صبح

جانے کے لئے تیار ہوتے دیکھ کر امی نے ٹوکا۔

''امی مجھے چھٹی نہیں ملی، آفس میں کام بہت زیادہ ہے، جیسے ہی چھٹی ملی میں آ جاؤں گا۔'' اس نے رٹا رٹایا بہانہ سنایا، مریم نے کوئی بھی بات نہ کی، مگر امی نے ارحم کا اس کے ساتھ لیا دیا انداز اور مریم کی اداسی اور غیر معمولی خاموشی اور سنجیدگی کو بھانپ لیا۔

''ہر سال تمہیں چھٹی مل جاتی ہے، اس دفعہ کیا ہوا؟'' انہوں نے استفسار کیا، وہ خاموش رہا، جاتے ہوئے مریم اس کے پیچھے گیٹ تک آئی تھی۔

''میں آنا نہیں چاہتی تھی، مگر بچیاں دادا، دادی اور نانا سے ملنے کے لئے بے چین تھیں۔'' وہ چپ کھڑا تھا، جیسے اسے مریم کی کسی بات سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

''میری تمہاری خاموشی اور ناراضی سے بہت پریشان ہوں ارحم، تم ایسے کبھی نہیں تھے، میری ریکویسٹ ہے کہ دوبارہ جب میرے سامنے آؤ تو پہلے ارحم بن کر آنا، میرے والے ارحم۔'' وہ چلا گیا تھا، مریم اسے جاتا دیکھتی رہی تھی، شادی کے بعد آٹھ سالوں میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ اس طرح ارحم کے بغیر وہاں رہنے آئی تھی، ورنہ دونوں بیٹیوں کی پیدائش پر اس کی ساس اسے یہاں لانا چاہتی تھیں، مگر ارحم نے اجازت نہ دی اور مجبوراً انہیں ان دونوں کے پاس جانا پڑا، گیٹ بند کر کے بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی وہ اندر آ گئی اور بچیوں کے پاس لیٹ گئی۔

☆☆☆

وہ گہری نیند سو رہا تھا، جب بیل کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی، پاؤں میں چپل پہن کر وہ بارہ کی جانب بڑھا، گیٹ کھولا، اس کی توقع کے عین مطابق سامنے گل بانو کھڑی تھی، وہ اسے لے کر اندر آ گیا۔

''السلام علیکم!'' گل بانو نے اسے سلام کیا تھا۔

''زہے نصیب۔'' سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا سر کو خم دیا اور اسے ساتھ لے کر اندر آ گیا۔

''میں صفائی کر لوں۔'' اس نے دوپٹہ اتار کر لاؤنج کے صوفے پر رکھا اور مڑنے لگی، جب ارحم نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے، تمہیں میں نے یہاں صفائی کے لئے بلایا ہے، گھر صاف ستھرا ہے کوئی ضرورت نہیں صفائی کی۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا، گل بانو مسکرا دی۔

''آج ہم دونوں مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔'' وہ باہر سے ناشتہ لے آیا، اسے ساتھ بٹھا کر اپنے ہاتھ سے ناشتہ کروایا، گل بانو کو اپنے نصیبوں پر رشک آنے لگا تھا۔

ارحم نے اسے مریم کا ایک بے حد قیمتی اور نفیس سوٹ پہنایا اور لے کر باہر چلا گیا، سارا دن وہ گھومتے پھرتے رہے، اس کی اتنی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی، اس نے تو ایسا کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا، شام ڈھلے باہر ڈنر کرنے کے بعد وہ گھر واپس آ گئے، وہ سیدھے بیڈ روم میں آئے، گل بانو لباس تبدیل کرنے لگی تھی، مگر ارحم نے منع کر دیا۔

''میں اب گھر چلتی ہوں، رات ہو رہی ہے، ماں کے بار بار فون آ رہے ہیں۔'' وہ ارحم کے سامنے اس کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

''تم آج گھر نہیں جاؤ گی۔'' اس نے حکم صادر کرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''نہیں......ارحم۔'' اس نے تھوک نگلا۔
''میں اب جاؤں گی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی، ارحم نے جھٹکا دیا، وہ بیڈ پر آ گری، وہ اس پر جھکا، اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔
''مجھے پاگل کر کے دیوانہ بنا کے اب مجھ سے دور مت بھاگو، اپنا سب کچھ تمہاری خاطر داؤ پر لگا چکا ہوں۔'' وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں آہستہ آہستہ بول رہا تھا، اس کی گرم سانسیں گل بانو کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں، اس کا دل سینے کے پنجرے میں بے بس قیدی پرندے کی مانند پھڑ پھڑانے لگا تھا۔
''سارا دن تو آپ کے ساتھ رہی ہوں، جانے دیں، میں کل جلدی آ جاؤں گی۔'' وہ منت کرنے لگی۔
''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''میں نے بہت جتن کر کے اپنی بیوی کو یہاں سے بھیجا ہے، تمہاری خاطر، صرف تمہارے لئے۔'' وہ اپنا سب کچھ اس کے حسن پر قربان کرنے کو تیار تھا، مگر وہ مان ہی نہ رہی تھی۔
''پھر میری ماں؟''
''تم اسے کہو مالکوں کے گھر فنکشن ہے، ایک رات کام کے بدلے مجھے دو ہزار ملے گا، وہ تمہیں اجازت دے دے گی۔'' اس نے حل پیش کیا۔
''مگر میری ایک شرط ہے۔'' وہ اس سے صرف دو انچ کے فاصلے پر تھا، اس کی بات سن کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔
''مجھے بغیر سنے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔
''آپ مجھ سے نکاح کر لیں۔'' ارحم نے بری طرح چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا، وہ جو اتنے دنوں سے کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا، اس کے دل کی بات گل بانو نے کہہ دی تھی، وہ اس کی بہادری، اعتماد، ہمت اور جرأت پر حیران تھا۔
''نہیں کر سکتے نہ۔'' وہ طنز سے مسکرائی۔
''تو پھر میں نہیں رک سکتی، آپ کے پاس۔'' وہ اٹھ کر پیروں میں جوتے پہننے لگی تھی۔
''رکو۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھی، جب اپنے عقب میں اس کی آواز سن کر رک گئی۔
''مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔'' وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی، وہ اسے لے کر کورٹ گیا تھا، اس کا ہاتھ تھامے مسرور سا وہاں سے نکلا، رات خاصی ہو چکی تھی، اسے لے کر وہ ایک مہنگے بوتیک پر گیا، وہاں سے ایک بھاری جوڑا خریدا اور پھر اسے پارلر پر لے آیا، اب وہ ایک دلہن کا روپ دھار چکی تھی، اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے گاڑی تک لایا تھا، آج وہ اس قدر خوش تھا، کہ ہر چیز ہی اسے اچھی اور دلکش لگ رہی تھی اسے ساتھ لئے وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا تھا، دونوں ہی ایک خواب کی کیفیت میں تھے، دونوں ہی بے یقین اور مسرور تھے، ایک دوسرے کو پا کر شادمان تھے۔
''تو مسز گل ارحم۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا، لہجے میں شوخی و شرارت سموئے ہوئے۔
''میرے گھر کی صفائی کرتے کرتے تم نے میرے دل کا صفایا کر ڈالا۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا، اس کے لبوں پر حجاب آلود مسکراہٹ رقص کر رہی تھی، وہ اسے سراہ رہا تھا، معتبر کر رہا تھا، ہمیشہ ساتھ نبھانے کی قسمیں اور وعدے کر رہا تھا اور وہ دم سادھے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''ماما پاپا کہاں گئے۔'' ریبا نے ضد کرنا شروع کی تو پھر چپ لینے کا نام نہ لیا، صبح سے شام اور پھر شام سے رات ہو گئی تھی، مگر ارحم نے کوئی

فون نہ کیا تھا، وہ جھنجھلائی ہوئی پھر رہی تھی، جب اس کی ساس اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

''کیا بات ہے، کوئی پریشانی ہے؟'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے نرمی سے اپنائیت بھرے لہجے میں بولیں۔

''کچھ بھی نہیں امی۔'' وہ اپنی پریشانی ان سے چھپا گئی، وہ خود بھی نہ جانتی تھی کہ بات کرے تو کیسے کرے اور انہیں بتائے تو کیا۔

''ارحم کی وجہ سے پریشان ہو؟'' انہوں نے کہا تو مریم نے چونک کر ان کی جانب دیکھا، مگر کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

''مریم بیٹی شوہر کے مزاج کے ہزار موسم ہوتے ہیں ہر موسم کا سمجھنا عورت کے بس کی بات نہیں ہے۔'' وہ مدبرانہ انداز میں بولیں۔

''یہ جو مرد ہوتا ہے نہ کسی اڑیل گھوڑے کی طرح ہوتا ہے، عورت پیار محبت اور توجہ سے اسے اپنا بنا سکتی ہے، خود کو اس کی مرضی کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے، یقین کرو بیٹا، عورت اگر ملک کی وزیراعظم بھی بن جائے نہ تو بھی اس کا شوہر اس کے رعب میں نہیں آتا، اس سے متاثر نہیں ہوتا۔'' وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''مجھے معلوم ہے، تم ایک نہایت سمجھدار، خدمت گزار اور وفا شعار بیوی ہو، مجھے تم ارحم سے کم عزیز نہیں، ماں سمجھ کر میری بات کو پلو سے باندھنا۔'' وہ ایسے تمہیدی انداز میں بات کر رہی تھیں، مریم نے استفہامیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

''شوہر سے ضد نہیں کرتے بیٹا اور اگر شوہر ارحم جیسا جان چھڑکنے والا ہو تو پھر تو ہرگز نہیں۔'' اس نے ناسمجھی کے عالم میں ان کی جانب دیکھا تھا۔

''تمہیں ضد کر کے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، تھوڑا انتظار کر لیتی، شاید اسے چھٹی مل جاتی۔'' اس نے چونک کر ان کی جانب دیکھا تھا۔

''لیکن امی۔''

''میں جانتی ہوں تم اور بچیاں یہاں آنے کے لئے بہت بے چین ہوتی ہو، مگر تھوڑا انتظار کرنا تھا، اب وہ اکیلا کیسے رہے گا، ناشتہ، کھانا، یہ سب کیسے کرے گا۔'' اور وہ اس بات پر حیران تھی کہ ان سے کس نے کہا کہ وہ ضد کر کے آئی ہے، اسے تو ارحم نے خود کہہ کہہ کر بھیجا ہے کہ امی تم لوگوں کو یاد کر رہی ہیں، پھر خود انہوں نے اسے کال کر کے آنے کے لئے کہا تھا، رات بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے نا جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

تیری گھڑی میں لاگا چور
مسافر جاگ ذرا

''ارحم!'' وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھی تھی، اس کی نظریں وال کلاک کی جانب اٹھی تھیں جو رات کے سوا دو بجا رہا تھا۔

''ارحم تم ٹھیک ہو۔'' اس نے موبائل اٹھا کر اسے میسج کیا، مگر وہاں سے جواب آنے کی اسے کوئی امید نہ تھی، صبح ہونے تک وہ جاگتی رہی تھی، فجر کی اذان پر اس نے بستر چھوڑ دیا تھا، نماز پڑھ کر اس نے ہاتھ بلند کیے تو دل بھرانے لگا۔

''اللہ۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر رخساروں پر بہتے ہوئے اس کے دوپٹے میں کسی راز کی طرح چھپ رہے تھے، وہ کچھ نہ جانتی تھی اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، مگر اللہ سب جانتا تھا، وہ سب دیکھ رہا تھا، وہ اس کی اذیت کو محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

ارحم کو ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی دس روز کی چھٹی مل گئی تھی، وہ گل بانو کو ساتھ لے کر مری،

سوات، کاغان، ناران اور نہ جانے کہاں کہاں گھومتا رہا تھا، اس کی ہمراہی میں وہ اور بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی، خوبصورت لیئرز میں کٹے بال، جدید تراش خراش کا لباس پہنے، کانوں میں سونے کی بالیاں، گلے میں چین، ہاتھوں میں انگوٹھیاں، اس سب کے ساتھ ارحم کا ساتھ اور اس کی محبت کا غرور اس کی آنکھوں کو ایک الوہی روشنی بخش گیا تھا، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے مال روڈ کی شاپس پر شاپنگ کرتے ہوئے وہ کہیں سے بھی گل بانو نہ لگ رہی تھی، وہ ہر زاویے سے ایک امیر کبیر شخص کی با اعتماد اور ماڈرن بیوی دکھائی دیتی تھی، وہ سارا دن گھومتے اور رات جب وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر اپنا آپ اس کے سپرد کر دیتی تو ارحم دنیا کو بھولنے لگتا، مریم اور اس کی بچیاں کسی بھولی بسری یاد کی طرح اگر کبھی ذہن کے گوشے میں جگمگانے لگتیں تو وہ فوراً سر جھٹک کر ان کی یاد سے پیچھا چھڑا لیتا۔

اس نے مری میں ایک خوبصورت ہٹ کرائے پر خریدا ہوا تھا، وہ اس پر پیسہ پانی کی طرح بہا رہا تھا، ہر روز اس کی محبت میں اضافہ ہو رہا تھا، وہ کافی بنا کر لاؤنج میں آیا تو اسے وہ وہاں دکھائی نہ دی، بیڈ روم میں دیکھا وہ وہاں بھی نہ تھی، وہ کافی کے مگ ٹیبل پر رکھ کر باہر نکلا تو سامنے وہ لان میں برستی بارش میں بھیگ رہی تھی۔

''گل۔'' وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''یہ کیا پاگل پن ہے۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''بیمار ہو جاؤ گی، اتنی سردی میں کون بارش میں نہاتا ہے۔'' وہ اسے اندر لے جانا چاہتا تھا، مگر وہ جانے کے لئے آمادہ نہ تھی۔

''نہیں ہوتا کچھ۔'' اس نے ہاتھ چھڑایا اور گول گول گھومنے لگی، اس نے سیاہ کلر کی کشمیری فراک پہن رکھی تھی، جس پر شیشوں اور دھاگوں سے کام کیا گیا تھا، ارحم مبہوت کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ بھی آ جائیں۔'' اس نے ارحم کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچا تھا، اس نے چہرہ آسمان کی جانب کر کے، ہاتھ پھیلا کر مٹھیوں میں بارش کو قید کرنا چاہا، اس کے گلابی رخساروں پر بہتا بارش کا پانی عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔

''بس کرو اب۔'' ارحم اسے زبردستی اندر لے آیا تھا، ارحم کافی پینے لگا تھا، جبکہ وہ لباس تبدیل کر کے آئی اور اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''میں نے اپنی زندگی میں تمہارے جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔''

اس کے دائیں ہاتھ میں کافی کا مگ تھا، جبکہ بایاں ہاتھ اس کی بھیگی زلفوں میں سرسرا رہا تھا، وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

''اس نے تمہیں بہت فرصت میں بنایا ہے۔'' اس کی بات سے گل بانو کے لبوں پر ہلکا سا تبسم ابھر کر فوراً معدوم ہو گیا تھا، وہ اس کی ایسی باتوں کی عادی ہو گئی تھی۔

''میرا دل کرتا ہے تمہیں لے کر کہیں دور چلا جاؤں، جہاں صرف تم اور میں ہوں اور کوئی بھی نہ ہو۔'' اس نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''مریم بھی نہیں؟'' اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

''کوئی بھی نہیں۔'' وہ سیدھا ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے ارحم، مریم آپ کو مجھ سے چھین نہ لے۔'' اس نے دل کا خدشہ بیان کیا۔

''میں صرف تمہارا ہوں۔'' اس نے یقین دلانا چاہا، اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے تھے، ساری دنیا کو بھلائے، وہ دونوں ایک دوسرے میں گم تھے، انہیں کچھ ہوش نہ تھا، اپنی اپنی محبت میں دونوں خود غرض ہو چکے تھے، گل بانو اپنی بوڑھی ماں اور ارحم اپنے سب رشتوں کو بھول چکا تھا۔

☆☆☆

ایک ہفتہ ہو چکا تھا، اسے یہاں آئے ہوئے، مگر ارحم سے صرف ایک بار بات ہوئی تھی، وہ اسے بارہا کہہ چکی تھی کہ انہیں آ کر لے جائے، مگر وہ ہر بار مصروفیت کا بہانہ بنا کر ٹال جاتا تھا، مریم بہت خاموش رہنے لگی تھی، ایک دن کے لئے وہ اپنے ابو کے گھر بھی گئی تھی، اس کی سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کا لیا دیا انداز، ابو کی سرد مہری دیکھ کر وہ اگلے ہی روز خاموشی سے واپس آ گئی۔

وہ ارحم کو کال کرنے کا سوچ رہی تھی کہ اس کی کولیگ رابعہ کی کال آ گئی۔

''مریم اگر تم برا نہ مناؤ تو ایک بات کہوں؟'' چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ تمہیدی انداز میں بولی تھی۔

''ہاں کہو۔'' وہ حیران ہوئی۔

''ارحم بھائی آج کل کہاں ہیں؟'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تو گھر پر ہی ہیں، میں ادھر سسرال میں آئی ہوئی ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''مریم میں نے پرسوں انہیں مری میں ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے، مجھے لگا میرا وہم ہے، مجھے دو تین دفعہ نظر آئے پھر میں نے قریب جا کر دیکھا، وہ ارحم بھائی ہی تھے، وہ دونوں......'' مریم کے آس پاس دھماکے ہونے لگے تھے، اسے لگا تھا، چھت اس کے اوپر آ گری ہو، اسے زور کا چکر آیا تھا۔

''وہ دونوں کافی دنوں سے اکٹھے رہ رہے ہیں، وہ لڑکی بہت حسین ہے۔'' وہ نا جانے کیا کچھ بتا رہی تھی، مریم ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ سب سن رہی تھی، اسے ارحم سے ایسی بے وفائی کی امید نہ تھی، بہت سارا رو لینے کے بعد بھی جب دل کا بوجھ ہلکا نہ ہوا تو اس نے ارحم کو کال ملائی مگر وہ رسیو نہ کر رہا تھا۔

''ارحم اگر آپ آج ہی ہمیں لینے نہ آئے تو میں خود آ جاؤں گی۔'' اس نے میسج کیا اور اس کی توقع کے عین مطابق اس کا فون آ گیا۔

''اب آرام سے رہو، کیا بے چینی ہے؟'' اس نے چھوٹتے ہی طنز کا نشتر چھوڑا۔

''بس بہت رہ لیا، بچیاں آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔'' اس نے اسے یاد دلانا چاہا کہ وہ دو بیٹیوں کا باپ ہے۔

''میں پرسوں آ جاؤں گا۔'' اس نے جان چھڑانا چاہا۔

''آج کیوں نہیں، سنڈے ہے، آپ......''

''مریم ہر بات پر بحث مت کیا کرو۔'' وہ گرجا، اور فون بند کر دیا اور پھر وہ ہر روز انتظار کرتی مگر وہ نہ آتا، جب ایک ہفتہ مزید گزر گیا تو اس کا ضبط جواب دینے لگا، وہ اپنے سسر کے ساتھ گھر کے لئے روانہ ہوگئی، اسے سامنے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔

''بہت ضدی عورت ہو تم۔'' وہ نفرت سے پھنکارا۔

بچیاں باپ کو اتنے دنوں کے بعد دیکھ کر بہت خوش تھیں، مگر اس کے انداز میں کوئی گرمجوشی نہ تھی۔

وہ دن بھر گھر سے غائب رہتا، رات کو بھی

دیر سے آتا، رات رات بھر موبائل لے کر ٹیرس پر گھومتا رہتا، اس کے بدترین خدشات کی تصدیق تو رابعہ نے کر ہی دی تھی مگر دل میں ایک موہوم سی امید تھی کہ ارحم ایسا نہیں ہے، وہ تو بہت پاک فطرت کا مالک ہے، اس نے آج اس سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا، مگر اس کے دکھ کی انتہا نہ رہی، جب اس رات ارحم گھر نہ آیا اور پھر یہ اس کا معمول بن گیا، وہ راتوں کو گھر سے غائب رہنے لگا۔

''ارحم!'' وہ دو دن بعد گھر آیا تھا، مریم کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔

''کون ہے وہ؟'' وہ اس کے سامنے آ رکی تھی۔

''میرے پاس تمہاری فضول باتوں کا جواب نہیں ہے۔'' وہ سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگا، مریم نے آگے ہو کر اس راستہ روکا۔

''میں مزید برداشت نہیں کر سکتی ارحم میں تمہارے والدین کو بتا دوں گی۔'' اس نے دھمکی دی۔

''میری بات سنو۔'' اس نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

''بات گھر سے نکلی تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

''ارحم۔'' چھن سے کچھ اس کے اندر ٹوٹا تھا، وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ اندر چلا گیا تھا، وہ ٹوٹ رہی تھی، بکھر رہی تھی، مگر اسے سمیٹنے والا کوئی نہ تھا، نہ ماں نہ بہن بھائی باپ تھا مگر اسے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

اس نے چپ سادھ لی تھی، اس نے گل بانو کو فون کر کے کام پر بلایا، مگر اس نے معذرت کر لی اور بتایا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے، دکھ کو دل میں دبائے وہ سارا دن اپنے گھر کا کام کرتی، بچیوں کو سنبھالتی وہ بیمار ہو گئی تھی، مگر ارحم کو مطلق پرواہ نہ تھی۔

☆☆☆

گل بانو کو ارحم نے ایک خوبصورت فلیٹ لے دیا تھا، اس کی خواہش پر فلیٹ اس کے نام کر دیا تھا، اس نے اپنی اب تک کی تمام جمع پونجی اس پر لٹا دی تھی، اور مستقل لٹا رہا تھا، وہ ہر ہفتے اسے گولڈ کی کوئی نئی جیولری گفٹ کرتا، برینڈڈ کپڑے اور جوتے، وہ اپنا تن من دھن اس پر وار رہا تھا، سب کچھ دونوں ہاتھوں سے اس پر لٹا رہا تھا، مگر پھر بھی یہ سب اس کے حسن اور اداؤں کے سامنے حقیر اور کم تر لگتا تھا۔

وہ اس کے قدموں میں بچھنے لگتی تھی، قاتل نظروں سے اس پر ایسے ایسے وار کرتی کہ بچ کر نکلنا ارحم کے لئے ناممکن ہوتا، مریم کے پاس مجبوری سے جاتا بھی تو گل بانو کی اداؤں کے زیر اثر رہتا، اسے وہ ہر طرف دکھائی دیتی تھی، وہ اس لئے عشق میں پاگل ہو چکا تھا۔

''ہیلو اماں!'' وہ فون پر ماں کا حال چال پوچھ رہی تھی جب ارحم آ گیا، اس نے فوراً فون بند کر دیا۔

''کیا کہہ رہی تھی تمہاری اماں؟'' وہ بیڈ پر اس کے قریب لیٹ گیا اور پوچھنے لگا۔

''پوچھ رہی تھیں کہ مالکوں نے کب واپس آنا ہے، وہ مجھ سے اداس ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ایم سوری میری جان تمہیں میری وجہ سے اپنی اماں سے دور ہونا پڑا۔'' اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگایا۔

''میں جلد تمہاری ماں سے جا کر ملوں گا، اور انہیں بتاؤں گا۔''

''نہیں ارحم۔'' اس نے اپنا ہاتھ اس کے

لبوں پر رکھا۔
"اماں کو مت بتایئے گا کہ آپ نے مجھ سے شادی کر لی ہے، میری ماں مر جائے گی۔" وہ ملتجی لہجے میں بولی۔
"تو پھر میں اس سے تمہارا رشتہ مانگ لیتا ہوں ایسے تو وہ مان جائے گی نہ؟" اس نے ایک اور حل پیش کیا۔
"ابھی چھوڑیں ان باتوں کو، چائے بناؤں آپ کے لئے؟" وہ اٹھنے لگی، ارحم نے اسے روک دیا۔
"تم میرے سامنے ہوتی ہو تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔" وہ مخمور لہجے میں بولا۔
"مگر آپ تھکے ہوئے ہیں۔" اس نے ارحم کے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں۔
"تمہیں دیکھ کر تھکن بھی اتر جاتی ہے۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے سینے پر رکھ لیا، اب وہ جھک کر اس کے پاؤں میں سے جوتے اتارنے لگی تھی۔
"ارے...... رے، یہ کیا کر رہی ہو؟" وہ فوراً سیدھا ہوا۔
"تمہاری جگہ یہاں ہے۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھا۔
"دوبارہ میرے جوتوں کو ہاتھ نہ لگانا۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا۔
"مجھے اچھا لگتا ہے، آپ کے سب کام اپنے ہاتھوں سے کرنا۔" اس کے شانے پر سر رکھے، نروٹھے پن سے بولی، تو ارحم نہال ہو گیا، بھلا مریم کب ایسی باتیں کرتی تھی، اس نے کب اس کے جوتے اتارے تھے، اس نے خوش ہو کر اسے بانہوں کے حصار میں لے لیا اور اس کے خوبصورت بالوں کو چوم ڈالا اور اس کے کانوں میں میٹھی میٹھی سرگوشیاں کرنے لگا۔

☆☆☆

مریم کے ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، اس نے ارحم کو ساتھ چلنے کے لئے کہا، مگر اس نے صاف انکار کر دیا، وہ سخت دل برداشتہ ہوئی اور دونوں بچیوں کو ساتھ لے کر تنہا ہی حیدر آباد چلی گئی، ابو کی حالت کافی خراب تھی، جیسے بھی تھے اس کے باپ تھے، وہ ڈیڑھ ہفتہ وہاں رہی، مگر ارحم نے ایک مرتبہ بھی فون کر کے حال نہ پوچھا، جیسے ہی اس کی حالت سنبھلی وہ واپسی کے لئے تیار تھی، ایک دن اس نے سسرال میں گزارا۔
"ارحم نے غیر ذمہ داری کی حد کر دی، اسے ساتھ آنا چاہیے تھا تمہارے۔" اس کے سسر نے کہا، مگر وہ خاموش رہی، وہ جب بچیوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو شام اپنا سرمئی آنچل پھیلا چکی تھی، گیٹ کھلا تھا، وہ سامان لاؤنج میں رکھ کر اور بچیوں کو وہاں بٹھا کر بیڈ روم کی جانب بڑھی، اندر سے نسوانی آواز آ رہی تھی، وہ رقابت کی آگ میں جلنے لگی، دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا، سامنے جو منظر تھا اس نے اسے دہلا دیا۔
"گل بانو!" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی، وہ یہ تو جانتی تھی کہ ارحم کی زندگی میں کوئی لڑکی ہے، مگر وہ لڑکی اس کی میڈ ہو گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔
ارحم سامنے بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا، وہ اس کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی، اس کے سینے پر پاپ کون کا باؤل رکھا ہوا تھا، جس میں سے ارحم ایک پاپ کون اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالتا اور دوسرا اس کے منہ میں۔
"ہاؤ ڈیئر یو۔" وہ دونوں اسے اچانک سامنے دیکھ کر گنگ رہ گئے تھے، دونوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، گل بانو جلدی سے اٹھ کر بیٹھ

گئی تھی۔

"تم اتنے گھٹیا ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، گل بانو اس کے پیچھے چھپی ہوئی تھی، وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"یہ ہے تمہاری چوائس، ایک گھر گھر کام کرنے والی میڈ، آخ۔" وہ حقارت آمیز لہجے میں بولی۔

"یہ گندا کھیل کھیلنے سے پہلے اتنا تو سوچ لیتے تم دو بیٹیوں کے باپ ہو۔" وہ مسلسل بول رہی تھی وہ دونوں چپ تھے۔

"تم ادھر سامنے آؤ، نکلو میرے گھر سے اور دوبارہ......"

"خبردار۔" اس نے گل بانو کو ہاتھ بڑھا کر سامنے لانا چاہا، جب ارحم نے اسے دھکا دیا اور دھاڑا۔

"یہ تمہاری میڈ نہیں بیوی ہے میری، ہاتھ توڑ دوں گا اگر اس کے قریب آئی۔" وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گرجا۔

"ارحم!" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹنے لگی تھی، اس نے تمام ہمت مجتمع کرتے ہوئے دروازہ کھولا۔

"نکل جاؤ یہاں سے لے کر اسے، میں نہیں چاہتی میری بیٹیاں اپنے باپ کا یہ گندہ روپ دیکھیں، سوچو ذرا وہ تمہیں اپنی میڈ کے ساتھ دیکھ کر کیا فیل کریں گی۔" وہ ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولی تھی، وہ مڑا گل بانو کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی جانب بڑھا۔

"پاپا!" وہ دروازے میں کھڑی اسے جاتا دیکھ رہی تھی، اس کا ہر اٹھتا قدم مریم کے دل پر پڑ رہا تھا، اریبا اسے دیکھ کر اس کے پیچھے بھاگی تھی، مریم نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔

"ماما چھوڑیں، مجھے پاپا کے پاس جانا ہے۔" وہ اس کی گرفت میں مچل رہی تھی۔

گاڑی چلنے کی آواز پر اس نے بیٹی کو چھوڑا اور وہیں نیچے بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی، دونوں بیٹیاں سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

اگلے روز اس کی ساس اور سسر وہاں آ گئے تھے، انہوں نے بیٹے کو ہر طرح سے سمجھایا، بجھایا مگر اس کی عقل پر گل بانو کے عشق کا پردہ پڑ چکا تھا۔

"اگر تم نے اس لڑکی کو طلاق نہ دی تو میں تمہیں عاق کر دوں گا۔" کریم الدین نے آخری دھمکی دی، مگر اسے مطلق پرواہ نہ تھی۔

"کر دیں۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔

"ارحم تم اپنی بیٹیوں کے متعلق ہی سوچ لیتے۔" امی نے اسے جھڑکا، مگر وہ خاموش رہا اسے کسی کی باتوں کی پرواہ نہ تھی، جب وہ کسی طرح نہ مانا تو کریم الدین نے مریم سے اپنا اور بچیوں کا سامان پیک کرنے کے لئے کہا اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔

"تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے ارحم، اس کی سزا ضرور پاؤ گے۔" وہ روتے ہوئے اس کی دہلیز پار کر گئی تھی، اس نے ایک بار بھی اسے نہ روکا تھا، وہ بہت سکون سے اپنے کمرے میں لیٹا اس کے جانے کا منتظر تھا۔

"میری محبت اور وفا کا تم نے یہ صلہ دیا ہے کہ ایک نوکرانی کو میری سوتن بنا دیا۔" وہ تمام راستہ روتی رہی تھی، اس کی ساس اور سسر سخت شرمندہ تھے، ان کے پاس تو الفاظ ہی نہ تھے کہ اس سے معذرت کرتے، یا اسے بہلاتے۔

وہ مجھ کو چھوڑ کر جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

☆☆☆

بے چینی کے ان گنت دن اور اذیت کی بے شمار راتیں گزارتے گزارتے اس کی چھٹیاں ختم ہو گئیں اور بچیوں کا بھی سکول کھل گیا تھا، اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

''بیٹا تمہارا کالج کھل گیا ہے، اب آگے کا کیا سوچا ہے؟'' شام کے وقت اپنی ساس اور سسر کے پاس وہ بیٹھی تھی جب اس کے سسر نے پوچھا۔

''ابو میں کل جا رہی ہوں واپس۔'' اس نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا، وہ دونوں خوش تھے۔

''تم اس کی بچیوں کی ماں ہو، آخر کو لوٹ کر تمہارے گھر ہی آئے گا۔'' اس کی ساس نے سمجھایا۔

''امی میں ارحم کے گھر نہیں جاؤں گی۔'' اس نے اطلاع دی۔

''تو؟'' اس کے سسر بولے۔

''میں اپنے ابو کے گھر پر رہوں گی۔'' اس کے بتانے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے، بولتے بھی تو کیا، ان کے بیٹے نے کچھ کہنے کے قابل چھوڑا ہی کب تھا۔

وہ اپنا ضروری سامان اور بچیوں کی چیزیں لے کر اپنے باپ کے گھر آ گئی تھی اور یہاں آ کر اذیت کا ایک نیا باب کھل گیا تھا، اس کی سوتیلی ماں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ تین ماں بیٹیوں کو فارغ بٹھا کر نہیں کھلایا پلایا جا سکتا، اس لئے اسے کالج سے واپس آ کر دوپہر کا کھانا، شام کی چائے اور رات کا کھانا بنانا پڑتا ہے، کبھی سوتیلے بھائیوں کے دوست آ جاتے ان کے لئے وقت بے وقت کھانا اور چائے بنانی پڑتی، کبھی امی کو اس سے پیسے چاہیے ہوتے اور کبھی بہن بھائیوں کو۔

''مریم اپنی بیٹی کو لے کر جاؤ رو رو کر دماغ کھا رہی ہے۔'' وہ کچن میں کھپ رہی ہوتی تو امی کی آواز آتی، وہ بھاگ کر نکلتی پیچھے یا تو دودھ ابل کر چولہا خراب ہو جاتا یا ہنڈیا جل جاتی۔

''منحوس نہ ہوں تو، اتنا مہنگا شو پیس توڑ دیا۔'' ساریہ کے ہاتھ سے کرسٹل کا شو پیس گر کر ٹوٹ گیا، امی نے تھپڑ اس کے گال پر مارا، وہ بہت دیر روتی رہی، ساتھ مریم بھی۔

''ماما پاپا کہاں ہیں، ہم اپنے گھر کب جائیں گے۔'' اریبا اچھی خاصی سمجھدار تھی، وہ دیکھتی تھی کہ اس کی ماں یہاں سب کی نوکر بنی ہوئی ہے، ہر ایک اس پر رعب جھاڑتا ہے، اسے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا، اور آج تو نانی نے ساریہ کو مارا بھی تھا، وہ سہم گئی تھی۔

''آپ کے پاپا ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں واپس آئیں گے تو ہم اپنے گھر چلیں گے۔'' وہ اسے بہلاتی۔

''پاپا فون بھی نہیں کرتے۔'' وہ بلا کی ذہین تھی، اس بات پر مریم چپ ہو جاتی، وہ اکثر اسے لاجواب کر دیتی تھی۔

''ویسے بڑا کمینہ نکلا تمہارا شوہر۔'' امی اس کی بچیوں کے سامنے ارحم کے لئے ایسے الفاظ بولتیں تو وہ سٹپٹا کر بچیوں کو دیکھتی۔

''باجی تمہاری عقل کیا گھاس چرنے لگی تھی کہ گھر میں خوبصورت نوکرانی رکھ لی۔'' اس نے تو کسی کو کچھ نہ بتایا تھا مگر اس کے ابو نے خود ارحم کے والد سے فون پر سب معلوم کر لیا تھا، اس کی چھوٹی بہن ذکیہ بدتمیزی سے تمسخر اڑاتے ہوئے بولی۔

''یہ جو نوکری پیشہ خواتین ہوتی ہیں نہ ان کو گھر کا کام کرتے ہوئے ویسے ہی موت پڑتی

ہے۔'' اس کی بات پر امی نے گوہر افشانی کی تھی، ان ماں بیٹیوں کو تو آج بھی وہ دن یاد تھا جب ارحم جیسے شاندار شخص کا رشتہ مریم کے لئے آیا تھا، انہوں نے بہت پاپڑ بیلے تھے کہ ذکیہ کی شادی اس سے کروا دی مگر ارحم نے مان کر نہ دیا، وہ خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

''اسے کچھ کہتے رہو، بولتی تو نہیں ہے۔'' اپنے عقب میں اس نے اپنے بھائی جواد کی آواز سنی۔

دل دکھ سے بھرنے لگا تھا، مگر وہ کچھ نہ کر سکتی تھی، سوا پنے آنسو پی کر وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

ارحم آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا، اس کا ارادہ گل بانو کو شاپنگ کروانے کا تھا اور اس کے بعد اچھا سا ڈنر کرنے کا پلان تھا، وہ خوشی کے عالم میں سیٹی بجاتا ہوا بیڈ روم میں داخل ہوا۔

''گل۔'' وہ اسے پکارنے لگا۔

''کدھر ہو میری جان۔'' اسے وہ کہیں دکھائی نہ دی، چند ثانیے اس کا انتظار کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا اور واش روم کے بند دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

''گل بانو۔'' وہ تیزی سے مڑا اور پھر پورے گھر میں اسے تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملی، شام سے رات ہو گئی مگر وہ گھر نہ آئی، ارحم متفکر ہو کر اس کے بتائے ہوئے اس کی ماں کے ایڈریس پر گیا مگر وہاں سے پتا چلا اس نام کی کوئی ماں بیٹی وہاں نہ رہتی تھیں۔

''کہاں چلی گئی۔'' سخت پریشانی کے عالم میں اسے تلاش کرتے کرتے وہ پولیس اسٹیشن پہنچ گیا اور رپورٹ درج کروائی۔

''بیوی کی کوئی تصویر ہے تمہارے پاس؟'' ایس ایچ او نے سوال کیا، نا چاہتے ہوئے بھی اس نے اپنے موبائل فون سے اس کی ایک تصویر نکالی اور ایس ایچ او کو دکھائی۔

''یہ تمہاری بیوی ہے؟'' وہ مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا۔

''جی!'' ارحم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''نوید!'' اس نے سامنے چوکس کھڑے سپاہی کو آواز دی۔

''یس سر۔'' وہ ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلوٹ کرتے ہوئے بولا۔

''ادھر آؤ۔'' فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔

''اسے پہچانا۔'' ایس ایچ او نے موبائل اس کی آنکھوں کے سامنے کیا۔

''ارے او......'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''سر یہ وہی لڑکی تو ہے جو بے وقوف اور سیدھے سادے نوجوانوں سے شادی کا ڈرامہ رچاتی ہے اور پھر انہیں لوٹ کر بھاگ جاتی ہے۔'' اس کی بات سن کر ارحم کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

''یہ...... یہ......آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اسے یقین نہ آ رہا تھا۔

''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، یہ میری بیوی ہے اور بہت معصوم ہے۔''

''جی بالکل۔'' ایس ایچ او اس کی بات کاٹ کر طنز سے گویا ہوا۔

''معصومیت ہی اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جناب۔'' ایس ایچ او نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا، اسے کسی طرح یقین نہ آیا تھا، وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی اس کے ساتھ، وہ تو اسے بے حد چاہتا تھا، اس کی خاطر اپنا ہنستا بستا گھر اجاڑ بیٹھا تھا۔

☆☆☆

مریم جانتی تھی وہ آئے گا، ایک نہ ایک دن

ضرور پلٹے گا مگر تب تک وہ اس کا انتظار کرتے کرتے تھک چکی تھی۔
وہ خاموشی سے اپنا اور بچیوں کا سامان سمیٹ رہی تھی دونوں بچیاں اتنے دنوں کے بعد باپ کو دیکھ کر بہت خوش تھیں۔
''مریم۔'' امی کانپتی کانپتی آئیں۔
''میں تو کہتی ہوں اتنے خبیث میاں سے طلاق لے لو۔'' انہوں نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے، کہا تو مریم کے چیزیں سمیٹے ہاتھ رک گئے۔
''اللہ نہ کرے۔'' وہ پلٹی، بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔
''اتنی ہی اس آوارہ سے محبت تھی تو یہاں کیوں آئی تھی۔'' وہ غصے سے پھنکاریں، وہ تو بہت خوش تھیں کہ جس آدمی نے ان کی بیٹی کو نہ بسایا اس کے ساتھ مریم بھی نہ بس سکی۔
اس نے کوئی جواب نہ دیا اور پلٹ کر دوبارہ اپنا کام کرنے لگی، کچھ دیر کھڑی وہ اسے سخت سست سناتی رہیں اور جب مریم بولنے پر آمادہ نہ ہوئی تو وہ پلٹ گئیں۔

☆☆☆

لٹا پٹا ارحم گھر واپس آیا تو ایک اور قیامت اس کی منتظر تھی، اس کا فلیٹ سیل ہو چکا تھا، فلیٹ کے دروازے پر کھڑا گارڈ اسے اندر نہ جانے دے رہا تھا۔
''دیکھو یہ میرا گھر ہے، مجھے اندر جانے دو۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔
''کیسی باتیں کرتے ہیں سر، یہ تو سیل ہو چکا ہے۔'' گارڈ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر اس کا دل کسی طور اس حقیقت کو ماننے کو تیار نہ تھا۔
گل بانو لاکر میں سے تمام زیورات، نقدی اور فلیٹ کے کاغذات لے کر فرار ہو چکی تھی۔
''اتنا بڑا دھوکہ۔'' چکراتے سر کو تھامتے ہوئے وہ لفٹ کی جانب بڑھا۔
''کیا یہ دھوکہ اس سے بڑا ہے جو تم نے مریم کو دیا؟'' کوئی اس کے اندر زور سے چلایا۔
''مریم جیسی باوفا۔ شریف اور نیک بیوی کو چھوڑ کر ایک مکار عورت کو اپنایا تھا نہ، اب چکھو مزہ۔'' وہ بہت دنوں بعد گھر آیا تھا، لاؤنج میں قدم رکھتے ہی یادوں نے اس پر یلغار کیا تھا۔
''مریم!'' وہ لاؤنج کے صوفے پر ڈھے گیا، ہر طرف گھپ اندھیرا تھا، ایسا ہی اندھیرا اس کے اندر بھی تھا۔
''واپس آ جاؤ پلیز۔'' اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔
''پاپا۔'' اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب وہ گل بانو کو لے کر وہاں سے جا رہا تھا تو اس کی بیٹی اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی اسے آوازیں دے رہی تھی۔
اور پھر یقیناً مریم نے اسے پکڑ لیا تھا، وہ بے چین ہو کر اٹھا اور اپنے بیڈروم کی جانب چل پڑا، اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا تو اسے ٹھوکر لگی۔
''مریم!'' بے اختیار اس کے منہ سے مریم کا نام نکلا تھا۔
''کیا کر بیٹھا میں؟'' وہ اپنے بیڈروم میں آ گیا اور لائٹ آن کی۔
''اف۔'' ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ موجود تھی، سوائے مریم اور اس کی بچیوں کے، ارحم پر ہر طرف سے یادیں یلغار کر رہی تھیں، پچھتاوؤں کے ناگ اسے بری طرح ڈسنے لگے تھے، وہ سر پکڑ کر گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھا تھا۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا، ارحم دونوں بچیوں کو سینے سے لگائے سو رہا تھا، مریم نے سارے گھر کی

صفائی ارحم کی پسند کا کھانا بنایا اور فریش ہونے کے لئے روم میں آ گئی، اس نے اپنا نسبتاً اچھا لباس وارڈ روب سے نکالا اور چینج کرنے کے بعد ہلکا پھلکا میک اپ کرنے کے لئے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، کتنے دنوں کے بعد وہ آئینے میں خود سے نظریں ملا رہی تھی، ورنہ تو شوہر کی بے وفائی کے بعد وہ دنیا کے ساتھ ساتھ خود سے بھی نظریں چرا رہی تھی۔

''میں مسز مریم ارحم، جسے اپنی محبت اور شوہر پر بڑا ناز تھا، بہت سکون کے ساتھ، بے فکری زندگی گزار رہی تھی اور پھر اپنے شوہر کی بے وفائی پر منہ کے بل گری۔''

''میں مانتی ہوں سارا قصور ارحم کا نہیں ہے، مرد کو بھی سنوری، فریش بیوی چاہیے ہوتی ہے، اور میں بیشتر ورکنگ ویمنز کی طرح صبح نک سک سے تیار کالج جاتی اور واپس گھر آ کر سب سے ہلکے اور سادے کپڑے پہن لیتی، بچیوں کے ساتھ مصروف ہو کر ارحم اور اس کی خواہشات کو یکسر فراموش کر دیتی اور پھر اپنی زندگی کی سب سے سنگین غلطی جو میں نے کی وہ یہ تھی کہ ایک کم عمر اور حسین ملازمہ کو اپنے شوہر کے پاس تنہا چھوڑ کر چلی جاتی تھی، جہاں نامحرم مرد اور عورت تنہا ہوتے ہیں وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

''میں نے انہیں پورا پورا موقع دیا اور یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔'' اس نے تیار ہوتے ہوئے ایک آخری نظر آئینے پر ڈالتے ہوئے سوچا اور کچن میں آ گئی، ارحم اٹھ رہا تھا اور اسے اس کے لئے کھانا لگانا تھا، وہ غلطیاں جو اس سے ہوئی تھیں اور وہ جو اس نے نہیں کی تھیں، سب کو سدھانا تھا، اپنے ٹوٹے ہوئے اعتبار کی کرچیاں جو اس کے پاؤں اور آنکھوں میں چبھ رہی تھیں انہیں خود ہی نکالنا تھا، کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ عورت شوہر سے الگ ہو کر بے حیثیت و بے وقعت ہو جاتی ہے اور اسے اب چاہے ارحم سے اعتبار و وفا ملے یا نہ ملے مگر اس کے ساتھ رہنا تھا، کیونکہ وہ دوبارہ سے ٹھکانہ نہ ہونا چاہتی تھی اور یہی تو عورت کی مجبوری ہے۔

☆☆☆

لیکن تم بولو
صبا جاوید

اشمل نے نمرہ کے چہرے کی بدلتی رنگت کو بخوبی محسوس کیا، دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ آنسوؤں کی نمی بھی معصوم چہرے کی شہد رنگ آنکھوں میں چھلکی جاتی تھی، لمحوں میں اس کے صبیح چہرے کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ گئی، اس نے آنسو ضبط کرنے کو نچلا ہونٹ بے دردی سے کچلا، اس کی پتھرائی آنکھیں اشمل کے چہرے کا ورد کر رہی تھیں، اشمل نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

اشمل بھلا اس کی آنکھوں میں جھلکتے عکس کے استفہام نہیں سمجھتی تھی، ان ڈبڈبائی نگاہوں میں تیرتی بے بسی کے مفہوم وہ خوب سمجھتی تھی، سات سال قبل وہ خود بھی تو انہی احساسات سے دوچار ہوئی تھی، ماضی کی دردناک یادوں نے اشمل کا دامن تھام لیا، ان دامن گیر ہوتی کربناک یادوں کو جھٹکنے کی کوشش میں اس کا شعور تھکنے لگا تھا، وہ بے بس ہونے لگی اس نے خود کو ان کے سپرد یوں کر دیا جیسے ڈوبنے والا خود کو لاچار محسوس کر کے تلاطم خیز موجوں کے دوش پر چھوڑ دیتا ہے، مبہم سی مسکراہٹ، شوخ نگاہیں، جاذب شخصیت، ساحر و دلکش سراپا اس کی بند آنکھوں کے پردوں میں گھسا چلا آیا۔

☆☆☆

وہ بھی ایک ایسی ہی شام تھی، جب پرندوں کے غول واپسی کے سفر پر گامزن تھے تو شاہ خاور افق کے اس پار سندوری سرخی پھیلائے مغرب کے کناروں پر ڈوبنے کی تیاریوں میں تھا، آج اشمل پورے ایک ماہ بعد اسلام آباد سے لوٹی تھی اور بیگ رکھتے ہی وہ ''گل کدہ'' کی سمت دوڑی، دیوار سے جڑی دیوار والے گھر میں اس کی عزیز از جان دوست کم پڑوسن مقیم تھی اور آج کل اس سے سخت ناراض تھی وجہ شدید خواہش کے باوجود اشمل کا نوریا کے آناً فاناً طے پا جانے والی منگنی میں شرکت نہ کر پانا تھا۔

اشمل کی یونیورسٹی سے کلاسز آف تھیں تو گزشتہ ایک ماہ سے فیملی کے ساتھ اسلام آباد آؤٹنگ کی غرض سے گئی تھی، اسی دوران نوریا کی منگنی ہوگئی، اس کے شدید اصرار کے باوجود اشمل شرکت نہیں کر پائی نتیجتاً وہ سخت ناراض ہو چکی تھی، لہٰذا گھر پہنچتے ہی اشمل نے سب سے پہلے گل کدہ کا رخ کیا۔

مقصد جلد از جلد نوریا کو منانا تھا، اسی ایکسائٹمنٹ اور سرپرائز دینے کے چکر میں اشمل نے اسے اپنی آمد کے بارے میں مطلع نہیں کیا، اسے دیکھتے ہی نیاز چچا (چوکیدار) نے گیٹ کھولا، ان سے سلام دعا کر کے وہ اندر کی سمت لپکی، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی غیر معمولی خاموشی نے اس کا خیر مقدم کیا، یقیناً سب اپنے اپنے کمروں میں مقید تھے کیونکہ نیاز چچا کی بابت وہ نوریا کے متعلق دریافت کر چکی تھی اور تمام جملہ افراد گھر پر ہی موجود تھے، لیکن اس وقت گل کدہ کی خاموشی اور گھر والوں کا محو استراحت ہونا ایک غیر معمولی اور حیران کن بات تھی، یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنے قدم نوریا کے کمرے کی سمت بڑھا دیئے، اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر ناب گھمائی تو ہلکی سی ملک کی آواز سے دروازہ کھل گیا یعنی دروازہ صرف بند تھا لاکڈ نہیں، سامنے ہی بیڈ پر سر تک کمبل تانے وہ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی، اشمل نے حیرت سے دبے قدموں فضاؤں میں اترتی گہری تاریکی دیکھی یقیناً یہ سونے کا وقت نہیں تھا۔

''اوہو...... تو ابھی تک نیند کے مزے لوٹے جا رہے ہیں، ایک مہینہ تم سے دور کیا ہوئی تم نے سارے اہم کام کر لئے اور تو اور سونے کے

اوقات کار بھی تبدیل کر لئے۔“

دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اشمل نے ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کا آغاز کیا، اشارہ نوریا کی انگیج منٹ کی سمت تھا، آواز کا گراف بھی قدرے بلند تھا۔

”بس بھی کرو نوریا، اتنی بلند آواز سے مردے بھی بیدار ہو جائیں، میرے ٹانسیلو بلاسٹ ہو گئے ہیں لیکن مادام کی نیند میں کوئی خلل برپا نہیں ہوا۔“ خوابیدہ وجود میں ذرا بھی حرکت نہ ہوئی تو اشمل مزید گویا ہوئی۔

”نوریا کی بچی...... رحم کرو یار...... اتنی ناراضی، ایک میں ہوں ذرا سا بھی آرام کیے بغیر تمہیں منانے پہنچ گئی اور یہاں آپ کے نخرے ہی الامان۔“ اسے ٹھس لیٹے دیکھ کر اشمل اچھی خاصی روہانسی ہوگئی۔

جب دوسری طرف سے پھر بھی رسپانس نہیں ملا تو اسے بے ساختہ شرارت سوجھی اس نے دبے قدموں سے سائیڈ ٹیبل سے گ اٹھایا، بیڈ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ایک لمحے میں چہرے سے کمبل ہٹایا اور پورا کا پورا جگ الٹا دیا، اس پوری کاروائی میں چند لمحے ہی لگے تھے، جس طرح خوابیدہ وجود جھنجھنا کر اٹھا تھا کوشش کے باوجود وہ اپنے قہقہے پر قابو نہ پا سکی، ہنسی کو بریک تو تب لگی جب بھیگے بالوں اور چہرے والے شخص پر نظر پڑی۔

بکھرے بال، نیند کا خمار چھلکاتی آنکھیں، جن میں ہلکی سی گلابی سرخی بڑی نمایاں تھی، سوئے سوئے اعصاب، فراخ پیشانی پر ابھرتی بیزاری اور ناگواری کی واضح لکیریں اور چوڑے سینے والا مرد شاید نہیں بلکہ یقینی طور پر نوریا ہر گز نہیں تھا، اس کی زبان لمحوں میں گنگ ہوئی، وہ بیڈ پر دوزانوں ہو کر بیٹھی تھی اس کے ہاتھ میں ابھی تک جگ تھا، سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے مفلوج ہو کر رہ گئیں، شہد رنگ نگاہیں اس چہرے پر جمی تھیں، جس کے ایک ایک نقش میں اشتعال چھلکا جاتا تھا، انجانے میں وہ بہت بڑی حماقت کر بیٹھی تھی، جس کا احساس خفت و شرمندگی بن کر اس حسین چہرے پر رقم ہو گیا تھا، نگاہیں جھکائے، لبوں کو کاٹتی وہ اپنی خجالت پر قابو پانے میں محو تھی۔

”واٹ از دس نان سینس۔“ شعلہ بار نگاہوں سے وہ استفسار کر رہا تھا۔

”مم...... مجھے...... لگا...... نوریا۔“ وہ بے ربط سا جواب دے پائی، آنسوؤں کا پھندا حلق میں اٹک کر اس کی آواز بلند کر گیا۔

”کیا یہ کوئی جوک تھا؟“ وہ خاموش رہی کیونکہ یہ سوال ہر گز نہیں تھا۔

”آپ واقعی ہی اتنی بے وقوف ہیں یا صرف پوز کر رہی ہیں۔“ اب کی بار نگاہوں کے ساتھ ساتھ اس شخص کا لہجہ بھی سختی سمیٹ لایا تھا، پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو پیتی اشمل ضبط کے آخری دہانے پر کھڑی تھی۔

”ایک چھ فٹ کے لمبے چوڑے مرد اور ایک نازک سی لڑکی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا اور چلیں ایک منٹ کے لئے آپ کو اس قدر احمق اور بے وقوف مان بھی لیا جائے تو اتنے میز تو کم از کم آپ کو ہونے ہی چاہیں کہ کسی کے روم میں داخل ہونے سے پہلے دروازہ ناک کیا جاتا ہے یا دوسرے الفاظ میں اجازت طلب کی جاتی ہے۔“

اس شخص کے کڑے تیور اشمل کو رعایت دینے کے موڈ میں قطعاً نہ تھے۔

”میں نے کہا نا...... مجھے مس انڈر اسٹینڈ نگ......“ اشمل نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن وہ اس کی بات کاٹ گیا۔

”یہ فضول کے بہانے کسی اور کو سنانا، آپ

جیسی لڑکیوں کو صرف بہانا چاہیے ہوتا ہے لڑکوں کو امپریس کرنے کا، بٹ یو نو، لڑکوں کو اپنی زلفوں کا اسیر کرنے کا یہ طریقہ بہت پرانا، گھسا پٹا اور اولڈ فیشن ہو چکا ہے، بٹ آئی ایم امپرسڈ، پہلی ملاقات میں اس قدر قربت تو مغرب میں بھی میسر نہیں آتی۔''

اس کے اس گھٹیا تجزیے پر اشمل کا چہرہ لمحوں میں دھواں دھواں ہوا، جس قدر تضحیک آمیز انداز میں اس نے تبصرہ جھاڑا تھا وہ اشمل کو آگ لگانے کو کافی تھا، اس پر اس شخص کی نگاہوں میں ناچتا تمسخر، اشمل کا بس نہ چلتا تھا اس کا منہ نوچ لیتی تھپڑوں کی بارش کر دیتی، لیکن وہ کچھ بھی نہ کر پائی، چپ چاپ اس کے رہانت آمیز الفاظ اور بے توقیر لہجہ سماعتوں میں اتارتی رہی بے بسی کے شدید احساس کے تحت عارض بھیگتے چلے گئے۔

''اب آپ جانے کا قصد کریں گی، مجھے چینج بھی کرنا ہے۔'' اس کی غیر ہوتی حالت سے لاپرواہی برتتے ہوئے وہ بے زاری سے بولا تو اشمل کو جیسے ہوش آیا، وہ تیر کی طرح وہاں سے نکلی اور دوڑ لگا دی، یہ سوچے بغیر کہ کوئی اسے یوں بھاگتے دیکھ کر کیا سوچے گا لیکن فی الحال وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی، صد شکر کہ مما اور پاپا بھی آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں جا چکے تھے، ورنہ ان سے سامنا ضرور ہوتا، اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ لاک کیا اور بیڈ پر ڈھے گئی، اس کا تنفس بے ترتیب تھا تو روح جیسے فنا ہو گئی، آج تک کسی مرد نے اس قدر تلخ اور ذلت آمیز انداز میں بات نہیں کی تھی، بلاشبہ اشمل سے سنگین غلطی ہوئی تھی جو نادانستہ طور پر ہوئی تھی لیکن اس کا قطعی یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اس کی ذات کا تجزیہ اس قدر سفاکیت اور ظالمانہ کرتا، اس کی نسوانیت کو بے توقیری و تضحیک کے ترازو میں تولتا، ذلت و تذلیل کا بے پایہ احساس اس کے شعور کو چھلنی چھلنی کر رہا تھا تو روح بلبلا اٹھی تھی، وہ جو کوئی بھی تھا اس کی پست اور پراگندہ ذہنیت نے اشمل کو اپنی ہی نظروں میں گرا دیا، رہ رہ کر اس کے بے رحم لفظوں کی بازگشت پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اس کی سماعتوں میں اتر رہی تھی، اس کے رونے میں شدت آئی تھی۔

☆☆☆

''یار میں سوری بول رہا ہوں نا۔'' نویرا یونیورسٹی کے گیٹ تک اس کے پیچھے چل نہیں بلکہ دوڑ رہی تھی، وہ گزشتہ ایک ہفتے سے اسے منانے کی کوشش کر رہی تھی، اگلے دن یونیورسٹی پہنچتے ہی تمام واقعہ نویرا کے علم میں آ گیا تھا اور اشمل نے تو جیسے نا بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''میری اس میں کیا غلطی ہے۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''تمہاری غلطی یہ ہے کہ تمہارا بھائی آ گیا یو کے سے اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔'' تیزی سے چلتی اشمل نے رک کر جارحانہ تیوروں سے جواب دیا۔

''ایک ماہ سے میڈم خود غائب تھیں واپس آئیں تو مجھے بتایا بھی نہیں مجھے کیا الہام ہوتا کہ اشمل بی بی تشریف لائی ہیں۔'' اس کے سامنے آ کر نویرا نے حساب برابر کیا۔

''اچھا تمہیں الہام نہیں ہوتا، لیکن بھائی صاحب کو اپنے کمرے میں لٹانے کا کیا مقصد تھا۔'' ایک اور فرد جرم عائد ہوئی۔

''تو کیا گیسٹ روم میں بھیج دیتی، سرپرائز دینے کے چکر میں انہوں نے بھی اپنی آمد سے مطلع نہیں کیا، کوئی روم ریڈی نہیں تھا تو میں نے

انہیں آرام کرنے کے لئے اپنے روم میں بھیج دیا، یار دو سال بعد لوٹا ہے میرا بھائی، اتنا تو میں کر ہی سکتی تھی ان کے لئے اٹس سمپل یار۔“

”او کے اٹس سمپل، غلطی ہو گئی مجھ سے جو اسے ”تم“ سمجھ کر ڈیل کیا بٹ اس نے کیا کیا.....“ وہ الفاظ تازیانہ بن کر اس کی عزت نفس کو کچل گئے ان لمحوں کو یاد کر کے وہ ایک بار پھر جل اٹھی جل جل کر بھسم ہو گئی۔

”اشمل اس میں تمہارا قصور ہے نا بھائی کا، پچھلی بار جب وہ آئے تھے تو میری کزن نے انہیں امپریس کرنے کے چکر میں کافی الٹی سیدھی حرکتیں کر ڈالیں سو ان کا چڑنا ایک نیچرل سی بات ہے۔“ نویرا نے صفائی پیش کی، اتنے میں نویرا کو اپنے آس پاس مخصوص ہارن کی آواز سنائی دی تو اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا سامنے ہی بلیک لینڈ کروزر میں وہ شخص اپنی پوری مردانہ وجاہت کے ساتھ براجمان تھا، اشمل کی نگاہوں نے لاشعوری طور پر نویرا کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو شاہ زر کو دیکھ کر بے ساختہ ہی اس کی آنکھوں میں جلال اتر آیا، مزید نویرا کی کوئی بھی بات سنے بغیر وہ سامنے پوائنٹ کی سمت بڑھ گئی گو کہ اسے ڈرائیور نے پک کرنے آنا تھا۔

☆☆☆

”کیا ہوا موڈ کیوں آف ہے؟“ شاہ زر نے نویرا کی سنجیدگی کو شدت سے محسوس کیا جو ایک لمحہ چپ بیٹھنے والوں میں سے نہ تھی تو استفسار کر بیٹھا۔

”آپ کو نہیں پتہ۔“ اس نے منہ بسورا۔

”اف یار تمہاری تمام دوستیں کیا یوں ہی عقل سے پیدل ہیں ساری مس انڈر اسٹینڈنگ ان کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔“ نویرا کی سنجیدگی کی وجہ جان کر وہ قدرے ریلیکس ہو کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

”بھائی......آپ میرے سامنے اسے اتنے برے القاب سے نواز رہے ہیں، میری غیر موجودگی میں تو اس کی جان ہی لے لی ہو گی۔“ نویرا سراپا احتجاج بنی۔

”بھائی آپ کو اشمل سے اتنا روڈلی بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا، اسے تو آپ کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں تھا، وہ تو گزشتہ ایک ماہ سے اسلام آباد گئی ہوئی تھی، وہ ایسی حرکت کیوں کرے گی، اب وہ ہمارے گھر بھی نہیں آتی جب سے آپ آئے ہیں۔“ نویرا تقریباً رو دینے کو تھی، نویرا کے ذکر کرنے پر وہ واقعہ ایک بار پھر اس کی یادداشت میں تازہ ہو گیا، اس سچوئیشن میں وہ واقعی ہی آؤٹ آف کنٹرول ہو گیا تھا اور انتہائی بے تکی بلکہ غیر اخلاقی گفتگو کر گیا تھا جس کا بہر حال صورتحال کلیئر ہونے کے بعد اسے احساس ہو گیا تھا۔

”تو پھر واپس چلا جاؤں۔“ وہ شریر ہوا۔

”میں نے ایسا تو نہیں کہا۔“ نویرا نے بھائی کو مصنوعی خفگی سے گھورا۔

”یار تمہاری دوستیں ہر بار اونگی بونگی حرکتیں کرتی رہتی ہیں، تو میرا بدگمان ہونا ایک فطری عمل ہے۔“ شاہ زر نے جیسے اپنا دفاع کیا اور یہ کسی حد تک درست بھی تھا، وہ گزشتہ کئی برسوں سے یو کے میں مقیم تھا اور وہاں صنف نازک کی بے باکیوں سے اچھی طرح واقف تھا، وہ مشرقی لڑکیوں کو ان سے منفرد، ایک خاص فاصلے پر مہذب انداز میں دیکھنے کا متمنی تھا لیکن بدقسمتی سے یہاں پر بھی اس کا واسطہ کافی بولڈ قسم کی لڑکیوں سے پڑا تھا، لہٰذا وہ اچھا خاصا متنفر اور بے زار ہو چکا تھا، یہی بے زاری اور تلخ تجربات اشمل شفیق کی انسلٹ کا سبب بنے، جس کا اسے

کسی حد تک افسوس بھی تھا۔
''لیکن اشمل ایسی نہیں ہے۔''
''او کے پھر پرابلم کیا ہے۔'' اب کی بار شاہ زر کچھ سنجیدہ ہوا۔
''پرابلم یہ ہے کہ وہ شدید ناراض ہے اور کسی صورت نہیں مان رہی۔''
''اوہ یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے، خیر یو ڈونٹ وری کچھ کرتے ہیں۔'' شاہ زر نے شرارت سے اس کے بال بگاڑے۔
''شیور برو؟'' وہ مشکوک ہوئی۔
''آف کورس مائی لٹل اینجل۔'' وہ مسکرایا تو نوریا بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

آج ''شفیق ہاؤس'' میں گل کدہ کے تمام جملہ افراد لنچ پر مدعو تھے، جو خصوصی طور پر شفیق صاحب (اشمل کے والد) شاہ زر کے اعزاز میں ارینج کیا تھا، کچھ ہی عرصے میں وہ ان کا بہترین دوست بن چکا تھا جس میں زیادہ کمال اس کی حاضر جوابی اور شوخ و بے تکلف رویے کا تھا اور یہ ساری معلومات بھی اسے مما کے توسط سے ملی تھی مگر اس نے اپنے گھر میں کبھی شاہ زر کو آتے جاتے نہیں دیکھا تھا، وہ لان میں بچھی سنگی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان بری طرح کارپوریٹ فنانس کے سوال حل کرنے میں مگن تھی جب اسے خود پر کسی کی نگاہوں کی تپش کا احساس ہوا اس نے تصدیق کے لئے سر اٹھا کر دیکھا تو مقابل نشست پر شاہ زر کو دیکھ کر وہ اچھی خاصی بدمزہ ہوئی، عام طور پر اشمل نے اسے ٹو پیس یا ٹریک سوٹ میں ہی ملبوس دیکھا تھا لیکن آج سے ہٹ کر وہ کلف شدہ سفید شلوار سوٹ میں ملبوس تھا اور یہ وہ اس قدر مکمل اور جاذب نظر آ رہا تھا کہ تمام تر تلخی کے باوجود وہ چند ثانیے اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پائی، اسے اقرار کرنا پڑا کہ اس نے آج تک شاہ زر سے زیادہ خوبصورت مرد اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔
کیا خاص تھا اس میں بھلا؟ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا، کہ کیا خاص نہیں تھا اس میں، شاہ زر بلال کی آنکھیں جو لبوں کو جنبش دیئے بنا ہی باتیں کرتی تھیں، اس کے ابرو، جو سوالیہ انداز میں اٹھتے تو ہر سمت استفہام کے بادل چھا جاتے، اس کی مغرور سی کھڑی ناک جو مقابل کو مغلوب کر دے یا عنابی ہونٹوں کے گوشوں سے پھوٹتا دلکش تبسم، جسے دیکھنے کو ہوائیں تھم جائیں، وہ پاگل کرتا تھا، وہ طلسم برپا کرتا تھا، وہ اپنے سحر میں جکڑ لیتا تھا، وہ خود شناسی رکھتا تھا تب ہی تو اس کی مسکان دھڑکنیں بے ترتیب کر دیتی تھی تب ہی تو وہ بے نیازی کی حد کر دیتا تھا، اسے یوں بے خود دیکھ کر شاہ زر نے بے ساختہ گلا کھنگھار کر صاف کیا، مقصد اس کی محویت توڑنا تھا، اشمل نے گھبرا کر نگاہوں کا زاویہ بدلا۔
''آئی ایم ساری...... مجھے غلط فہمی ہو گئی، مجھے آپ سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' وہ بہت نپے تلے انداز میں گفتگو کر رہا تھا، کہنے کے ساتھ ہی اس نے سفید خوبصورت پھولوں کا بکے اس کی سمت بڑھایا۔
''آپ کے لئے کس قدر آسان ہے کسی کی عزت نفس کچل کر پھر تین لفظوں سے اس پر مرہم لگانا۔'' اس ساحر کا طلسم اک لمحے میں پاش پاش ہو گیا۔
''مرہم لگانے کے اور طریقے بھی آتے ہیں مجھے، لیکن فی الوقت یہی مناسب لگا باقی کی کاروائی کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔'' ایک دم ہی اسے نجانے کیوں اس روٹھی روٹھی معصوم سی لڑکی میں دلچسپی ہونے لگی حالانکہ یہاں سوری

کہنے وہ صرف اور صرف نوریا کی ضد کی وجہ سے آیا تھا، اس کے لہجے کی شرارت اور آنکھوں میں مچلتا تبسم نجانے کیا باور کروانا چاہتا تھا اشمل کے تو گویا سر پر لگی اور تلوؤں بجھی۔

''آپ سے مسیحائی کا کوئی شوق نہیں مجھے اور آپ کی سوری......'' وہ لمحہ بھر کو رکی پھر بوکے کا ایک ایک پھول نوچ کر سبز گھاس کی زینت بنا دیا، پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پیروں سے انہیں مزید روند ڈالا، وہ چپ چاپ سینے پر ہاتھ باندھے اس کی کاگزاری دیکھتا رہا۔

''یہی اوقات ہے آپ کی سوری کی میری نظروں میں۔'' پیروں سے مسلے پھولوں کی طرف انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے وہ مدہم آواز میں غرائی۔

''نازک لوگوں کا نازک اور خوبصورت چیزوں کے ساتھ ایسا سلوک مجھے قطعی پسند نہیں۔'' اس کا اشارہ پھولوں کے حشر کی سمت تھا۔

''لیکن میں آپ کو اس رویے میں حق بجانب تصور کرتا ہوں، ایک بار میں نے آپ کی انسلٹ کی جو نادانستہ طور پر ہوئی بدلے میں آپ نے میری انسلٹ کر دی جو دانستہ طور پر کی گئی ہے حساب برابر......غصہ معاف...... ناؤ سیز فائر۔'' اس کے اس قدر تذلیل بدلے انداز پر شاہ زر کا چہرہ لمحہ بھر کو متغیر ہوا، لیکن خود کو سنبھالتا وہ دوستانہ انداز میں گویا ہوا۔

''نو اٹس امپاسبل۔'' نفی میں گردن ہلاتی وہ اندر کی سمت بڑھ گئی، جواباً شاہ زر کی متاسف نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

☆☆☆

شاہ زر آفس سے واپس آ رہا تھا، اس کی گاڑی نارمل اسپیڈ پر تھی اور وہ پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مشغول تھا، لیکن پھر بھی نجانے سات آٹھ سال کا بچہ کہاں سے سامنے آ گیا، اس سے قبل کہ شاہ زر کا پاؤں بریک پر پڑتا کسی نسوانی وجود نے بچے کو آگے کی سمت دھکا دیا اسی اثناء میں شاہ زر کا پاؤں بریک پر پڑا مگر شاید نہیں یقینی طور پر نسوانی وجود گاڑی کی زد میں آ چکا تھا، یہ تمام کاروائی چند لمحوں پر محیط تھی، کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں ملا، کئی گاڑیاں چر چراہٹ کو خوفناک آواز پیدا کرتیں ساکن ہو گئیں، لمحوں میں جم غفیر لگ گیا، ہڑبڑاہٹ میں شاہ زر بھی گاڑی سے اترا، ہلکے گلابی اور سیاہ امتزاج کے دیدہ زیب لباس میں ملبوس ایک لڑکی تارکول کی سڑک پر ہوش وخرد سے بے گانہ پڑی تھی، اس کی فائل اور بیگ چند قدموں کی دوری پر پڑا تھا، شاہ زر نے جب اس لڑکی کے چہرے سے بال ہٹائے تو اشمل کو دیکھ کر صحیح معنوں میں اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے۔

لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر اس نے اشمل کو اٹھا کر گاڑی میں منتقل کیا، کسی نے اس کا بیگ اور فائل بھی اسے تھمائی، ہنڈا کارڈ ہواؤں سے باتیں کرتی ہاسپٹل کی سمت گامزن تھی۔

☆☆☆

''ڈاکٹر انکل کوئی سیریس بات تو نہیں۔''

اس کی میڈیسن کی سلپ ڈاکٹر سے پکڑتے ہوئے شاہ زر نے تشویش کے عالم میں پوچھا۔

''نو ینگ مین، سر پر معمولی سی چوٹ ہے اور کچھ خراشیں ہیں چند دن میں ریکور ہو جائیں گی، یہ میڈیسن فائیو ڈیز تک ریگولر لی یوز کریں، ایوری تھنگ از آل رائٹ۔''

''تھینک یو انکل۔'' شاہ زر سے مصافحہ کرتے ہوئے ڈاکٹر رانا یوسف کمرے سے باہر نکل گئے جو شاہ زر کے فیملی ڈاکٹر تھے، شاہ زر اشمل کو انہی کے ہاسپٹل لایا تھا، ڈاکٹر کے جانے

کے بعد شاہ زر بھی بیڈ پر دراز اشمل کی سمت متوجہ ہوا۔

پیشانی پر سفید بینڈ یج تھی، بڑی بڑی آنکھیں ہوش وخرد سے بیگانہ باہم پیوست تھیں، اس خوابیدہ سی کیفیت میں معصوم اور دلکش نقوش کے ساتھ وہ بے حد منفرد لگ رہی تھی، شاہ زر کے لبوں کے دلکش کٹاؤ میں ایک خوبصورت سی مسکان ابھر کر معدوم ہوگئی، پھر اس نے دھیرے دھیرے اختتام کی جانب گامزن ڈرپ کی طرف دیکھا جو قطرہ قطرہ اس کے بدن میں داخل ہورہی تھی، کچھ سوچتے ہوئے وہ اس کی میڈیسن لینے میڈیکل سٹور تک چلا گیا۔

جب وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں اشمل کی دوائیوں کے علاوہ فریش جوسز اور فروٹ وغیرہ کے بیگز تھے، دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے ماحول میں ہلکا سا ارتعاش برپا ہوا تو اشمل نے بھی ہولے سے نگاہیں وا کیں، بہرحال اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی، سر میں شدید ٹیس اٹھ رہی تھیں، لیکن شاہ زر کو داخل ہوتے دیکھ کر اس کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

''آپ......؟'' شاہ زر کے قریب آنے پر اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

''اب کیسا فیل کررہی ہیں آپ؟'' اس کے سوال کو نظر انداز کرتا وہ گویا ہوا اور ہاتھ میں پکڑے شاپرز سائیڈ ٹیبل پر منتقل کیے۔

''آپ یہاں کیسے؟'' اشمل کی حیرت بدستور قائم تھی، اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی سر بری طرح چکرایا، جسم سے شدید درد اٹھا۔

''اوں ہوں، اپنے ننھے سے دماغ کو اس قدر مشکل کام پر مت لگائیں، بس مجھے یہ بتائیں کہ مسیحائی کا شوق بھی رکھتی ہیں۔'' اسے شانوں سے تھام کر اس نے واپس لٹایا، جبکہ وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔

''آپ مین روڈ پر کیا کررہی تھیں۔'' اسے حیرت سے گھورنے پر شاہ زر نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا، اشمل کو یاد آرہا تھا کہ وہ کسی گاڑی سے ٹکرائی تھی اور پھر سب کچھ جیسے اندھیرے میں گڈمڈ ہوگیا۔

''میں وہاں پینٹنگ ایگزیبیشن پر گئی تھی، فرینڈز کے ساتھ، ایگزیبیشن ہال کے ساتھ ہی ایک شاپنگ مال ہے وہاں جانے کے لئے ہال سے نکلی تھی، اتنے میں مجھے مین روڈ پر ایک بچہ نظر آیا اور......'' وہ آہستہ سے وہاں اپنی موجودگی کے بارے میں مطلع کررہی تھی۔

''اور آپ اسے بچانے مین روڈ پر کود پڑیں۔'' شاہ زر نے جملہ مکمل کیا اور اشمل نے یوں سر جھکایا، جیسے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہو۔

''نوڈاؤٹ آپ نے بہت نیک کام کیا ہے لیکن اس کوشش میں اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو۔'' اب وہ تیکھے چتون اٹھائے اس سے سراپا سوال ہوا، جواباً وہ لب کاٹتی رہی۔

''خیر جس گاڑی نے آپ کو ہٹ کیا وہ بدقسمتی سے میری گاڑی تھی اور اسی سبب اب میں یہاں آپ کی تیمارداری کررہا ہوں۔'' اسے خاموش پا کر شاہ زر نے وضاحت دی۔

''طبیعت کیسی ہے؟'' اس کی جامد خاموشی پر شاہ زر نے پوچھا۔

اشمل نے بے ساختہ اس کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں فکر کے رنگ کس قدر نمایاں تھے اس کے حسین خدوخال میں اشمل کا عکس کس قدر سحر انگیز تھا، وہ نجانے کیوں زیادہ دیر تک اس کی طرف دیکھ نہیں پائی۔

''میرے سر میں بہت درد ہے اور......''
نجانے کیوں وہ بتا نہیں سکی کہ اس کے پورے جسم میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں، بس لب بھینچے باقی الفاظ منہ میں ہی دبا گئی، لیکن وہ شاید اشمل کے ادھورے جملے کا پورا مفہوم سمجھ گیا تھا۔
''آل رائٹ، میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں، وہ ڈکلوفینک انجکشن دے دیں گے آپ کو، پھر آپ بہتر محسوس کریں گی۔''
''آپ انجکشن لگوالیں گی نا؟'' کچھ سوچتے ہوئے وہ پلٹ کر آیا اور اس سے پوچھا جواباً اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، لیکن انجکشن کے نام پر تیرتا خوف شاہ زر کی آنکھوں سے مخفی نہ تھا، تب ہی زیرلب مسکراتا نکل گیا۔

☆☆☆

آج نوریا کی مہندی تھی، پنک جامہ وار کا ٹراؤزر، گھٹنوں تک آتا لیمن کلر کا کرتا جس پر اورغ رنگ کا دیدہ زیب موتیوں کا کام اور کڑھائی کی گئی تھی، ساتھ کڑھائی کے ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے اپنے اندر حسن کی پر ادا سمیٹے، دلکشی کی آخری حدوں کو چھوتا اس کا پر بہار سراپا حسن کی عملی تفسیر بنا ہوا تھا۔
''بیوٹی فل۔'' وہ بس نوریا کی مہندی کے فنکشن کے لئے نکلنے ہی والی تھی جب ملازمہ نے اسے مما کا پیغام دیا، وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو مما نے بے ساختہ اس کی تعریف کی جواباً وہ محض مسکرادی۔
''مما آپ نے بلایا مجھے؟''
''جی بیٹے......آج آپ کی خالہ آرہی ہیں تو آپ ذرا جلدی گھر آجانا۔'' اس کی پیشانی محبت سے چومتے ہوئے وہ بولیں تو ان کا غیر معمولی انداز اسے ٹھٹکا گیا۔
''وہ تو اکثر ہی آتی ہیں مما، آج کیا اسپیشل ہے، بہرحال آج نوریا کی مہندی چھوڑ کر تو میں قطعاً نہیں آؤں گی۔'' وہ جلدی آنے کا عندیہ سن کر جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔
''اکثر تو خالہ آتی ہیں میری جان، اظفر تو نہیں آتا، اس بار اسپیشلی یہی ہے کہ اظفر بھی آرہا ہے۔'' مما نے سرگوشیانہ انداز میں کہا تھا اور یہ انداز تو قطعی نیا تھا اشمل کے لئے، اس کا دل نجانے کیوں گہرائی میں ڈوب کر ابھرا۔
''اوکے، میں آجاؤں گی۔'' انہیں غائب دماغی سے تسلی دیتی وہ بوجھل من کے ساتھ گل کدہ آگئی، جہاں گہما گہمی اور رونق اپنے عروج پر تھی، اس کی آمد پر کئی ستائشی نگاہیں اس پر اٹھی تھیں، جنہیں نظر انداز کرتی وہ نوریا کے پہلو میں ٹک گئی۔
''اب بھی نہیں آنا تھا۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی۔
''یار مما نے روک لیا تھا۔'' اشمل نے صفائی دی۔
''بس کرو، مما نے نہیں، اتنی تیاری نے دیر کردی۔'' اشمل کی تعریف کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔
''نوریا مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ تم ہی ہو۔''
''کیا مطلب۔'' نوریا کے چہرے پر استعجاب پھیلا۔
''کبھی امید نہیں کی تھی کہ تم اس قدر خوبصورت بھی لگ سکتی ہو۔'' وہ شرارتی انداز میں بولی تو مرکز نگاہ بنی اور دولہن ہونے کے باوجود نوریا کی باچھیں کھل گئیں جنہیں سمیٹنے کی اس نے قطعاً کوشش نہیں کی۔

☆☆☆

رات کے بارہ بج چکے تھے، اشمل کے موبائل پر مما کی دس کالز آچکی تھیں، یعنی وہ جلد

اس کی واپسی کی منتظر تھیں، اس نے بے ساختہ ہی ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کیا اور آنٹی کی سمت چل دی تا کہ ان سے اجازت طلب کر سکے۔

''ارے اتنی جلدی کس بات کی ہے اشمل، بیٹا یہ ساتھ تو گھر ہے، رکو میں خود سارا سے بات کرتی ہوں۔'' اس کے جانے کا سنتے ہی وہ محبت سے بولیں۔

''نہیں آنٹی، اصل میں خالہ آئی ہوئی ہیں، اسی لئے تو مما بھی نہیں آ پائیں۔'' اس نے وضاحت پیش کی۔

''اچھا ٹھیک ہے چلی جاؤ، لیکن کل کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔'' اسے گلے لگاتے ہوئے وہ پیار بھری دھونس سے بولیں تو وہ محض مسکرادی۔

''اکیلے مت جانا بیٹے، میں شاہ زر سے کہتی ہوں چھوڑ دے گا تمہیں۔''

''نہیں آنٹی میں خود ہی چلی جاؤں گی یہ ساتھ ہی تو گھر ہے۔'' اس نے گھبرا کر ٹوکنا چاہا لیکن آنٹی تو جا چکی تھیں تھوڑی ہی دیر بعد سفید شلوار سوٹ میں ملبوس، پیشانی کے وسط میں بکھرے بالوں اور موڑے ہوئے کفوں سمیت وہ اس کے مقابل تھا۔

''چلیں۔'' اس کی سمت دیکھے بغیر وہ بولا اور جواب کا انتظار کیے بغیر چل دیا، خود کا یوں اگنور کیا جانا نجانے کیوں اشمل کو بے طرح کھل رہا تھا، اپنی تیاری لمحہ بھر میں ہی فضول لگنے لگی، نجانے کیوں دل ہمک ہمک کر شاہ زر کی ستائشی نگاہوں کی طلب کرنے لگا تھا، وہ قدم بہ قدم اس کے ساتھ چل رہی تو اس نے بے ساختہ گردن گھما کر اس شخص کی سمت دیکھا تو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا وہ مایوس سی نظریں جھکا گئی، مسافت ختم ہونے کو تھی، منزل سامنے تھی، وہ شفیق ہاؤس کے گیٹ پر پہنچی جب شاہ زر کی پکار اس کے قدموں کی زنجیر بن گئی۔

''اشمل۔'' وہ پلٹی مگر سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں وہ دو قدم بڑھا اس کے قریب آیا۔

''گڈ نائٹ۔'' جواباً وہ محض سر ہلا کر رہ گئی، اشمل کا دل عجیب سے احساسات سے دوچار تھا، وہ سامنے ہوتا تو بھی وہ الجھن کا شکار رہتی، وہ دور جاتا تب بھی بے کل رہتی، وہ پکارتا تو ہمہ تن گوش ہو جاتی وہ نظر انداز کرتا تو توجہ کی منتظر نظر آتی، شاہ زر کا اس کی سمت متوجہ نہ ہوتا اسے گہرے دکھ سے دوچار کر گیا۔

دل اس کی دید کا تمنائی تھا تو نجانے کیسی کیسی خواہشیں بحر طلاطم میں ڈوب ابھر رہی تھیں، وہ اپنے جذبات سمجھنے سے قاصر تھی، دل پر اضمحلال طاری تھا اک بوجھ تھا جو بڑھ رہا تھا مسلسل۔

☆☆☆

''اشمل یار میرا موبائل میرے روم میں ہی رہ گیا ہے آتے ہوئے گھر سے لیتی آنا، میں بیوٹیشن کے موبائل سے کال کر رہی ہوں، ہال میں آ کر تم سے لے لوں گی۔'' اشمل اپنے ممی اور پاپا کے ساتھ ہوٹل جانے کے لئے بالکل تیار کھڑی تھی جب نورا کی کال آئی۔

ممی پاپا کو مطلع کرتی وہ گل کدہ کی سمت دوڑی، وہ تیزی سے دراز چیک کر رہی تھی جب اسے اپنے پیچھے کسی کے ہونے کا احساس ہوا وہ شعوری طور پر مڑی تو شاہ زر کو وہاں ایستادہ پا کر اچھل کر رہ گئی۔

''آج پھر آپ یہاں۔'' وہ معنی خیزی سے بولا تو اشمل جل ہی گئی، شاہ زر سے زیادہ غصہ نورا پر آیا تھا جس کی وجہ سے وہ یہاں تھی پورا گھر خالی تھا یقیناً سب لوگ ہوٹل جا چکے تھے۔

''نوریا کا موبائل لینے آئی تھی۔'' انگلیاں مروڑتے ہوئے اس نے وضاحت دی۔

''تو اس کے کمرے میں جانا چاہیے تھا نا۔'' وہ سنجیدہ تھا، اشمل کو گہرے کرب نے آن لیا، ذلت کا شدید احساس رگ و پے میں سرائیت کرتا اسے زرد کر گیا۔

''میں نوریا کے کمرے میں ہی آئی ہوں۔''

''کیسی دوست ہیں آپ، جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی سہیلی ایک ہفتہ قبل فرسٹ فلور پر شفٹ ہو چکی ہے اور اب اس کمرے پر مالکانہ حقوق ہم رکھتے ہیں۔'' وہ مزے سے بولا تو اشمل کا غصہ نئے سرے سے عود آیا، اس میں اشمل کا بھی بھلا کیا قصور تھا شاہ زر کی وجہ سے ہونے والے تلخ واقعے کے بعد اس نے گل کدہ آنا بالکل چھوڑ دیا تھا، نوریا سے ناراضی گو کہ ختم ہو چکی تھی لیکن وہ چاہ کر بھی کبھی گل کدہ نہیں آ پائی تھی، تب ہی نوریا نے بھی شاید اس سے کمرہ شفٹ کرنے والی بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اوکے تھینکس فار دس کائنڈ انفارمیشن۔'' وہ بمشکل غصہ دباتی بولی وہ تیزی سے داخلی دروازے کی سمت بڑھی لیکن یہ کیا، شاہ زر اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

''راستہ چھوڑیں۔'' وہ تقریباً چیخی تھی۔

''پوچھیں گی نہیں کہ نوریا کے بعد میں اس روم میں کیوں شفٹ ہوا ہوں۔'' اس کے غصے کو نظر انداز کیے وہ اپنی ہی رو میں بولا، ہمیشہ لئے دیئے انداز میں رہنے والا شاہ زر اس کو نظر انداز کرنے کے سارے ریکارڈ توڑنے والا آج اس موڈ میں اشمل گھبرا اٹھی، وہ حیران تھی۔

''میرا اس بات سے کوئی کنسرن نہیں ہے راستہ چھوڑیں ممی پاپا میرا ویٹ کر رہے ہیں۔'' ناگواری سے رخ موڑتی وہ بے زاری کے آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

''اوکے فائن، یو کین لیو۔'' اس نے بے انتہا سنجیدگی سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا، کچھ دیر قبل چہرے سے چھلکتی شوخی و شرارت اب مفقود تھی، وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ چند ثانیے اسے دیکھتا رہا، اشمل کی حسین نگاہیں اس وجیہہ و شکیل شخص کے بیگانگی اور خفگی سے بھرپور خدوخال کا طواف کر رہی تھیں۔

جو ایک بار پھر پہلے جیسا ہو گیا تھا، بے نیاز، لاپرواہ اور سنجیدہ، اور یہ بے نیازی اس کی شخصیت کو چار چاند لگانے کو کافی تھی وہ اسے جانے کی اجازت دے کر ایک طرف ہو چکا تھا مگر اشمل کے قدم اٹھ ہی نہیں رہے تھے۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ پلٹنے کو تھا جب نجانے کیسے اس کی زبان سے پھسلا۔

''آر یو شیور؟'' وہ پلٹا جیسے اس کے نہ جانے کی یقین دہانی کرنا چاہتا ہو، اشمل اس لمحے کو پچھتائی جب اس شخص کی نگاہوں کے طلسم میں کھوئی، جواباً وہ ایک قدم مزید اس کے کمرے کے اندر بڑھ گئی، تو بڑی دلفریب مسکان اس کے لبوں کے کوکشول میں ابھر کر معدوم ہو گئی، وہ اسے اپنی موجودگی کا اعتماد ہی تو بخش رہی تھی، مگر انداز جان لیوا تھا، جو شاہ زر کو بھا گیا مار گیا۔

''اشمل مجھے غلط مت سمجھئے گا، لیکن آپ کو موبائل اٹھانے کے بہانے یہاں بھیجنے کے لئے میں نے ہی نوریا سے کہا تھا۔'' وہ بڑی معصومیت سے اعتراف کر رہا تھا اور اشمل کا پارہ لمحوں میں ہائی ہوا۔

''کیا میں وجہ جان سکتی ہوں۔'' سینے پر ہاتھ باندھے وہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

''وجہ بہت عام اور سادہ سی ہے اشمل، جب سے فرسٹ ڈے والی مس انڈرسٹینڈنگ

ہوئی ہے آپ نے تو جیسے گل کدہ نہ آنے کی قسم کھا رکھی ہے اور میرا دل......'' اس نے لحہ بھر توقف کیا اور اشمل کی بھوری آنکھوں میں جھانکا تو وہ فوراً ہی گڑبڑا گئی جو بہت انہماک سے اس کی گفتگو ملاخطہ کررہی تھی۔

''میرا دل ایسا سرکش اور باغی نکلا کہ آپ کی تصویر ہر لحہ نگاہوں میں نقش کرنے کی ضد کر بیٹھا۔'' وہ ہولے سے ہنسا شاید اپنے دل کی کیفیت پر، اشمل کی حیران نگاہیں لحہ بھر کو شاہ زر کی روشن آنکھوں سے متصادم ہوئیں، جہاں تمناؤں کا اک جہاں آباد تھا، اس کے چہرے پر پھیلے خمار، محویت اور جذب نے اسے آنکھیں چرانے پر مجبور کردیا، پہلو میں دھرا دل زور وشور سے دھڑکا، پھر دماغ نے اپنی دلیل پیش کی، اس کے دل پر شادی مرگ طاری تھا تو اس کی نسوانیت صف ماتم بچھائے تھی، اس کا دل ودماغ کسیلے دھوئیں سے بھرنے لگا لیکن وہ لب کاٹتی محض اسے سننے کی متمنی تھی کیونکہ حقیقت بے شک تلخ سہی لیکن دل چاہتا تھا کہ یہ لمحے طویل ہو جائیں، شاید وہ پور پور اس کی محبت میں ڈوب رہی تھی، اس ساحر کا سحر اس پر طاری ہو رہا تھا، تب ہی وہ تنہا اس محل میں اس کے ہمراہ موجود تھی شاید نہیں یقیناً وہ اس کی اسیر تھی تب ہی تو سب کچھ جاننے کے باوجود اشمل شفیق اس کے اقرار کی سند لینے کو بے تاب تھی۔

''مجھے لمبی چوڑی باتیں نہیں آتیں، میں تم سے کوئی وعدے وعہد بھی نہیں کرسکتا لیکن اتنا اقرار ضرور کرسکتا ہوں کہ نجانے کب میرے دل میں بلا اجازت داخل ہوئی اور بڑے استحقاق سے میرے دل کی مسند پر براجمان ہوگئیں، میں نے اپنا روم نوپرا کے ساتھ شفٹ کرلیا، جانتی ہو کیوں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے اشمل کی سمت دیکھا۔

''اس لئے کہ شاید تم پھر سے وہ غلطی کربیٹھو، دیکھو نا دل انسان کو کیسے بے بس بناتا ہے۔'' اپنی بچکانہ خواہش پر وہ خود ہی متبسم ہوا۔

''اشمل میں زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا، صاف اور کھری بات یہی ہے کہ میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ میرے آس پاس جو وجود ہو وہ تمہارا ہو، میرے گرد جس کی خوشبو کا حصار بندھے وہ تمہاری خوشبو ہو، جو لڑکی اس گھر میں حقوق ملکیت سے گھومے وہ تم ہو جو لڑکی مجھے بیدار کرنے آئے وہ اشمل شفیق ہو اور وہ انداز وہی ہو جو مجھے گھائل کر دے۔'' آخری بات اس کی سمت جھکتے ہوئے اس نے شرارت سے کہی، شاید گزشتہ واقعہ اسے یاد دلانا چاہا، اتنی بے باک خواہشیں......اشمل کا سارا خون جیسے چہرے پر جمع ہوگیا، چہرہ سرخ تھا تو پلکیں بار حیا سے جھکی جاتی تھی، شاہ زر جیسی شخصیت کے تو نارمل انداز کا سامنا کرنا آسان کام نہ تھا اور اب تو وہ یقیناً خاصے رومانوی موڈ تھے ایسے انداز ملاخطہ کرنا...... اشمل تو آدھی جھک چکی تھی۔

''کیا لگتا ہے آپ کو، آپ کے اشاروں پر ناچنے والی گڑیا ہوں، جب دل چاہے گا مجھے ذلیل کردیں گے میری نسوانیت کا مذاق اڑائیں گے اور جب دل چاہے گا مجھے اپنے جذبوں کی تسکین کے لئے استعمال کریں گے۔'' نجانے کیا سوچ کر وہ بھڑک اٹھی، جواباً شاہ زر کا ہاتھ اٹھ گیا اس پر۔

''اس قدر گھٹیا سمجھ رکھا ہے مجھے، تم سے اپنے جذبوں کی تسکین کروں گا آئندہ ایسی بات کی تو جان لے لوں گا تمہاری۔'' اس نے بات ہی ایسی کی تھی اس کا میٹر ہی گھوم گیا، تکلفات کو

خیر باد کہتے ہوئے وہ آپ سے سیدھا تم پر آیا، چہرے پر ہاتھ رکھے ٹپ ٹپ آنسو بہاتی وہ بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ پلٹنے کو تھی لیکن وہ پلٹ نہیں سکی کیونکہ اس کی کلائی شاہ زر کے ہاتھ میں تھی، اس نے چھڑانے کی کوشش نہیں کی بس وہیں کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی، اس کے رونے میں شدت آئی تو شاہ زر کو بھی اپنے رویے پر ندامت محسوس ہوئی لیکن اس نے بات ہی ایسی نامناسب کی تھی کہ وہ خود پر اختیار کھو بیٹھا۔

''آئی ایم ساری۔'' اشمل کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔

''آئی ہیٹ یو۔'' وہ گھٹنوں سے چہرہ برآمد کرتے ہوئے تقریباً چیخی تھی اور اشمل کے اس معصوم احتجاج پر اس نے جی بھر کر پیار آیا تھا، جس کے اظہار کی فی الحال اسے اجازت نہ تھی۔

''بٹ آئی لو یو۔'' پانی کا گلاس اسے تھماتے ہوئے وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

''مجھے نہیں پینا۔'' اس نے گلاس پرے دھکیلا۔

''میں پوچھ نہیں رہا۔'' عجیب استحقاق کے ساتھ دھمکی سی تھی اس کے لہجے میں، اسی لئے وہ مزید احتجاج نہیں کر سکی، اس کی توجہ اس کی محبت پر اس کے دل میں جیسے کہرام برپا تھا، دل و دماغ میں عجیب سی اذیت و کرب کا راج تھا، پانی کے دو گھونٹ پی کر اس نے گلاس شاہ زر کو تھمایا، پھر ٹشو کا ڈبہ اس کے سامنے تھا، وہ ٹشو نکال کر آنکھیں خشک کرنے لگی۔

''کروا لو جتنی خدمتیں کروانی ہیں آج، آئندہ یہ سب کام تم نے ہی کرنے ہیں۔'' اس نے اپنا سر ہولے سے اشمل کے سر سے ٹکرایا۔

اس کا ہر شوخ جملہ پگھلا ہوا سیسہ بن اشمل کی سماعتوں میں منتقل ہو رہا تھا۔

''پلیز آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں۔''
بھرائی ہوئی آواز، بکھرے کاجل سے سجی سنہری آنکھیں جن سے چھلکتی ہلکی سی گلابیت لفظ خوبصورتی کو بھی مات دے دیتی، گلابی ہونٹ، سرخ و سپید آنسوؤں سے دھلی رنگت اور معصوم انداز، بھلا شاہ زر بچتا بھی تو کیسے، خوبصورتی سے تو بچ جاتا لیکن یہ معصومیت، بھولپن، سچائی اور نزاکت یہ تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھیں۔
''اچھا...... پھر کیسی باتیں کیا کروں۔'' وہ جیسے اس کی بات سے حظ اٹھا رہا تھا، جواباً وہ لب کاٹتی رہی۔
''اچھا بات سنو، آئندہ تمہاری ہر تیاری میرے لئے ہونی چاہیے، میں نہیں چاہتا میرے علاوہ کوئی اور نظر اس حسن کو سراہے۔'' اس نے آہستگی سے اشمل کے جھمکے اتار دیئے، وہ اسے روک بھی نہیں پائی، بس حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی، وہ کس قدر خوش تھا لیکن کیا اشمل خود خوش نہیں تھی۔
اس کے دل پر جیسے گھونسا پڑا، وہ درد سے زرد پڑ گئی، وہ چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی، اس کا استحقاق محسوس کر رہی تھی اسے روک نہیں رہی تھی۔
''اشمل! کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتی؟''
اس کی پرسوچ نگاہیں پڑھ کر وہ کچھ سنجیدہ ہوا۔
''نہیں۔'' وہ پلٹ گئی رخ موڑ گئی۔
''ہوں۔'' اس نے لمبا سانس خارج کیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
''خیر یہ تو میں نہیں مان سکتا، جو لڑکی میرے دیئے گئے پھولوں کو اتنی توجہ اور چاہت سے چن کر اپنے کمرے کی زینت بنائے وہ یقیناً اپنے دل میں میرے لئے کوئی خاص مقام رکھتی ہے۔''
اشمل دھک سے رہ گئی، ہاں یہ سچ تھا وہ اس کے دیئے ہوئے پھولوں کو بڑی توجہ سے اٹھا لائی تھی جنہیں اس نے شدید مشتعل ہو کر مسل ڈالا تھا، مگر وہ یہ سب کیسے جانتا تھا، اس کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔
''شاہ زر!'' وہ نرمی سے گویا ہوئی اور اس کے یوں پکارنے پر اس کی روشن نگاہوں کی قندیلیں مزید جگمگانے لگی تھیں، اس خوبصورت انداز پر وہ فدا ہونے لگا تھا، مبہم سا تبسم اس کے دلکش لبوں کو حصار میں لے گیا۔
''میری منگنی ہو چکی ہے۔'' اس نے گویا دھماکہ کیا۔
شاہ زر کو چند سیکنڈز لگے تھے اس کی بات سمجھنے میں، لمحوں میں اس کے چہرے پر تاریک سائے لہرانے لگے۔
''اظفر نام ہے اس کا، میری خالہ کا بیٹا ہے، دو دن پہلے ان کا نام مجھ سے منسوب ہو گیا ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنا انگوٹھی والا ہاتھ اس کے سامنے لہرایا، آنسو ہولے ہولے اس کے عارض بھگونے لگے اور شاہ زر کے تو سارے الفاظ جیسے کھو گئے، اس نے تو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ انگیجڈ بھی ہو سکتی ہے۔
''یہ کوئی مذاق ہے یا تم مجھ سے اپنی انسلٹ کا بدلہ لے رہی ہو۔'' وہ کافی دیر بعد بولا، اک موہوم سی امید کا دیا ٹمٹمایا۔
''کوئی مذاق ہے نہ آپ سے کوئی بدلہ لے رہی ہوں جو سچ ہے وہی بتا رہی ہوں۔'' اس نے اس موہوم سی امید کا گلا بھی دبا دیا، یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ وہ نوریا کو بھی نہیں بتا سکی۔
''آئی ایم ساری...... مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا، ورنہ میں کبھی آپ سے ایسی نا مناسب بات نہیں کرتا، ہمیشہ خوش رہیں، دعاؤں

میں یاد رکھیئے گا۔'' اس نے لمحوں میں خود کو سنبھالا، چند لمحوں میں بے تکلفی سے تکلف تک کا سفر کیا، ساری شوخی و شرارت اور بے لگام ہوتی خواہشیں کسی لاحاصل تمنا کے قبرستان میں اپنی موت آپ ہی مر گئیں، بظاہر مضبوط نظر آتے اس چھ فٹ کے وجیہہ و شکیل مرد کو اس چار حرفی لفظ ''محبت'' نے توڑ ڈالا، آنکھوں میں آئی نمی کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑتا وہ باہر نکل گیا اور اشمل من من بھاری ہوتے قدموں سمیت اس راستے پر قدم بڑھا گئی جہاں سے چند لمحے قبل وہ شخص گزرا تھا جس سے شدید محبت کا ادراک اسے اسی لمحے میں ہوا تھا، وہ شخص جواب کبھی اس کا نہیں ہو سکتا تھا، بہر حال ملاقات اختتام کو پہنچی، فسوں خیز لمحے تمام ہوئے جو شاید پہلے تھے اور آخری بھی۔

☆☆☆

ناکام اور نامکمل محبت کے بین ہولے ہولے اس کے اندر ضربیں لگا رہے تھے ماضی کی دردناک یادوں سے دامن چھڑاتی اشمل کی بھیگی نگاہوں نے دور تک نمرہ کی ڈبڈبائی آنکھوں اور لڑکھڑاتی چال کا تعاقب کیا، نمرہ اس کی پیاری سی دوست کم نند تھی، آج کل اس کی شادی کا موضوع زیر بحث تھا اور قرعہ فال عفان احمد کے نام نکلا جو حیدر انکل (اظفر کے والد) کے کافی گہرے اور پرانے دوست کا بیٹا تھا، عفان مکینیکل انجینئر تھا ان کی اپنی فرم تھی، خوش شکل، ملنسار، ہونہار، خوش گفتار اور انتہائی مودب لڑکا تھا لہٰذا تمام گھر والوں کو یہ پروپوزل ہر لحاظ سے موزوں لگا، رشتہ طے کرنے کے بعد نمرہ کی رضا مندی لینے کی باری آئی تو یہ ذمہ داری اشمل کو سونپی گئی، رضا مندی تو نہیں البتہ اطلاع دینا کہا جا سکتا تھا۔

بہر کیف، بے شک نمرہ نے اپنے منہ سے عفان کے لئے انکار یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اس کے چہرے کے نقوش میں پھیلا اضطراب، اس کی آنکھوں سے چھلکنے کو بے تاب نمکین پانی اور چال کی لڑکھڑاہٹ اس بات کی چیخ چیخ کو گواہی دے رہے تھے کہ وہ خوش نہیں۔

اشمل کی ازدواجی زندگی کو سات سال بیت چکے تھے، اس کا چار سالہ بیٹا اپنے پاپا کا لاڈلا، مما کی جان اور پورے گھر کی رونق تھا، اس کی زندگی کو تکمیل بخشنے والا تھا، اظفر بے حد سلجھا ہوا صلح جو خوبصورت، پروقار اور مثالی شوہر تھا، اشمل کے خواہش کرنے سے قبل تمام نعمتیں اس کے قدموں میں ڈھیر کرنے والا شخص تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے ہر نعمت سکھ اور اطمینان سے نوازا تھا، بظاہر سب کچھ مکمل تھا، وہ بہت خوش اور مطمئن نظر آتی تھی، لیکن ماضی کی کوئی یاد چٹکی سی آغوش میں بھرتی تھی ایک درد مسلسل تھا جو زندگی کے لمحوں کے ساتھ بیت رہا تھا، دور کہیں نارسائی کی خلش اسے مکمل طور خوش بھی نہیں ہونے دیتی تھی اسے کھل کر رونے بھی نہیں دیتی تھی۔

وہ اک عزم کے ساتھ اپنے بیڈ روم کی سمت بڑھی جہاں اس کا شوہر، اس کا اظفر موجود تھا۔

وہ نمرہ کا کیس لڑتے جا رہی تھی، اس کا انکار ان تک پہنچانے جا رہی تھی تاکہ اس کی خواہش کو مقدم جانا جائے، اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا، وہ چاہتی تھی نمرہ اپنے خواب پایہ تکمیل تک پہنچائے اور خوشحال و آسودہ رہے۔

وہ کبھی اس کسوٹی پر نہ اترے کہ عفان بہت اچھا شوہر ہے خدا نے اولاد جیسی نعمت بھی عطا کی ہے، دنیا کی ہر آسائش میسر ہے لیکن...... جو دل کی خوشی تھی وہ کہیں نہیں تھی کہیں بھی۔

☆☆☆

قربت بھر میں محبت

دوسری قسط

ندا حسین

"سوچ سمجھ کر بات کیا کرو انیسہ، کچھ خبر بھی ہے کہ کیا اول فول منہ سے نکال رہی ہو۔" آفاق الدین سخت ناگواری سے گویا ہوئے، ان کی بات پر انیسہ نے ایک خاموش نگاہ حذیفہ پر ڈالی اور پھر بے لچک لہجے میں بولیں۔

"اس میں غلط کیا کہا ہے میں نے آفاق صاحب، حذیفہ کو ملکوں کے لڑکے نے مار پیٹ کر ہسپتال پہنچا ڈالا اور شمع کی کچھ خبر نہیں، صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ حذیفہ کے ساتھ نہیں تو یقیناً وہ ملکوں کے قبضے میں ہے۔" انیسہ بے رحم لہجے میں بولیں۔

"انیسہ کی بات کڑوی ضرور ہے مگر سچائی کا شائبہ بھی اسی نکتے پر ہے کہ ہماری شمع، ملکوں کے قبضے میں ہے۔" نجم النساء بھی انیسہ سے متفق ہوتے ہوئے بولیں تو انیسہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

ناولٹ

"میں ان ملکوں کو بخشنے والا نہیں، شمع کو اگر ان خبیثوں نے پاتال میں بھی چھپا کر رکھا ہوگا تو میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔" آفاق الدین پرطیش لہجے میں گویا ہوئے۔

"رکو آفاق الدین، ذرا صبر کرو، یہ معاملہ مجھے نبٹانے دو، ویسے بھی ان ملکوں کے ساتھ ہمارے بڑے حساب نکلتے ہیں۔" نجم النساء پر اعتماد لہجے میں بولیں، قبل اس کے کہ آفاق الدین کچھ کہتے، نرس نے اندر آ کر ان لوگوں کو پولیس کی آمد کی اطلاع دی، نجم النساء نے اثبات میں سر ہلا کر پولیس کو اندر آنے کی اجازت دے ڈالی۔

"پولیس کو اس معاملے میں شامل کر کے ہمارے ہاتھ محض بدنامی آئے گی اماں۔" آفاق الدین نے بدنامی کے خوف سے فوراً مخالفت کی۔

''بدنامی تو اب ہے ہی اس خاندان کے تعاقب میں، جب گھر کی بیٹیاں اغواء ہو جائیں تو نیک نامی گلے کا ہار نہیں بنتی۔'' انیسہ ایک بار پھر تنک کر بولیں، ان کی بات پر کب سے خاموش بیٹھے حذیفہ نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

''تم خاموش رہو انیسہ، مت بھولو شمع ہمارے گھر کی صرف بیٹی ہی نہیں بہو بھی ہے اور جس بدنامی کے خوف میں تم مبتلا ہو انیسہ، دیکھ لینا یہ بدنامی ان ملکوں کے گلے کا طوق بنے گی۔'' نجم النساء بارعب انداز میں وہاں موجود تمام نفوس کو چپ کرا گئیں۔

''دادی کچھ بھی کریں، بس مجھے ہر حال میں شمع واپس اپنے گھر میں چاہیے، وہ ایک لمحے کے لئے بھی ان ملکوں کے قبضے میں رہے یہ میری غیرت کو گوارا نہیں۔'' حذیفہ کے لہجے میں وحشت نمایاں تھی۔

''تم پریشان نہ ہو میری جان، شمع کو ملک فیاض خود ہماری حویلی میں باحفاظت پہنچا کر جائے گا۔'' نجم النساء پراعتماد لہجے میں مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں، ان کے لہجے سے جھلکتے یقین کو دیکھ کر آفاق الدین پہلو بدل کر رہ گئے۔

''ایسا کیا کرنے والی ہیں آپ اماں جو ملک فیاض شمع کو خود ہماری حویلی چھوڑ کر جائے گا، ایسا کون سا ترپ کا پتا آپ کے ہاتھ آ گیا ہے، جو اس کھیل کو جیتنے کے لئے پر یقین ہیں آپ؟'' انیسہ بے چینی سے استفسار کرنے لگیں۔

''وقت آئے گا تو خود دیکھ لینا انیسہ، ہمارے دامن پر کوئی چھینٹ نہیں آئے گی۔'' نجم النساء پراسراری مسکان لبوں پر سجائے حتمی لہجے میں بولیں، ان کے انداز پر جہاں حذیفہ نے انہیں چونک کر دیکھا وہیں آفاق الدین لب بھینچ کر رہ گئے۔

☆☆☆

اس نے دھیرے سے آنکھیں وا کیں، کمرے میں ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، کچھ ساعتیں لگیں اسے اپنے اوسان بحال کرنے میں، اوسان بحال ہوئے تو دن میں بیتا وہ واقعہ اپنی تمام تر ہولنا کیوں سمیت اس کے ذہن کے پردے پر چھاتا چلا گیا۔

''حذیفہ!'' اس کے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے، حذیفہ کی فکر اسے بری طرح ستانے لگی، اس نے بے قراری کے عالم میں کمرے کے چہار اطراف نگاہیں دوڑائیں۔

''یہ...... یہ میرا کمرہ تو نہیں، میں کہاں ہوں۔'' اک نئے اندیشے نے اس کے من میں سر اٹھایا، وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھی، قبل اس کے کہ وہ بستر سے اترتی، دروازے پر آہٹ ہوئی، وہ گھبراہٹ کے عالم میں دوبارہ بستر پر آنکھیں موندے دراز ہو گئی، دروازہ آہستگی سے کھولا گیا تھا، اگلے پل ہی کمرے میں روشنی کا جھماکا ہوا، ساتھ ہی قدموں کی چاپ ابھری، شمع کا رواں رواں قوت سماعت بن گیا، قدموں کی چاپ قریب آتی چلی گئی۔

''یا اللہ خیر۔'' وہ دل ہی دل میں رب سے خیر کی دعا مانگنے لگی۔

''ہائے او ربا، یہ لڑکی تو اب تک بے ہوش پڑی ہے، دن ڈھل گیا، شام بھی گزرنے کو ہے، اب تک تو اسے ہوش میں آ جانا چاہیے تھا۔'' شمع کی سماعتوں سے ایک عورت کی آواز ٹکرائی، طمانیت کا احساس اس کے اندر سرائیت کر گیا۔

''تجھے کیا فکر ہوش میں آئے یا نہ آئے، ہمارا کام صرف اسے کھانا پانی دینا ہے، چل جلدی سے کھانا رکھ اور واپس چل، ملک شاہ ویز آتا ہی ہوگا۔'' کمرے میں موجود دوسری عورت نے اس

ملازمہ کو گھر کتے ہوئے اپنی موجودگی کا احساس دلایا، ملازمہ کھانے کی ٹرے رکھ کر وہاں سے چلی گئی، کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی شمع بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یا اللہ یہ میں کس مصیبت میں جا پھنسی ہوں، میرے مولا میری مدد کر مجھے اس ملک شاہ ویز کے شر سے محفوظ رکھ۔'' وہ دل ہی دل میں دعا کرتی، پریشانی کے عالم میں نظریں کمرے کے چاروں اطراف دوڑانے لگی۔

''یا اللہ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ سجھا، یہاں گزرنے والا ایک ایک پل میرے پاک دامن کو داغدار کر ڈالے گا، میری ماں پہلے ہی بے حد مصیبت زدہ زندگی گزار رہی ہے، میرے اغواء کا غم سہہ نہیں پائے گی، یہ دنیا اسے لعن طعن کہہ سنا کر مار ڈالے گی، یا اللہ مجھے اور میری ماں کو ایسی آزمائش میں مبتلا نہ کر جس کا بوجھ ہم اٹھا نہ سکیں۔'' وہ وہیں زمین پر اکڑو بیٹھ کر سر گھٹنے دیئے رونے لگی۔

''حذیفہ...... حذیفہ نہ جانے کس حال میں ہوگا، اس پر اس قدر تشدد کیا ہے ان ظالموں نے کہ روح کانپ جائے، اوہ میرے اللہ میرے حذیفہ کی حفاظت فرما اور مجھے میرے اپنوں سے عافیت کے ساتھ جلد ملا دے۔'' وہ فکر و خدشات میں گھری دعائیں مانگی جا رہی تھی، تب ہی شکاری کتے کے بھونکنے کی آواز نے اسے بری طرح چونکا ڈالا، شمع نے آواز کی سمت کا تعین کیا تو اسے کمرے کی مشرقی دیوار پر نصب کھڑکی کی موجودگی کا ادراک ہوا۔

''شمع بے شک اللہ سے بڑھ کر کوئی مددگار نہیں، مگر یہاں سے نکلنے کے لئے تمہیں خود بھی دماغ لڑانا ہوگا، یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر رونے سے کوئی فائدہ ممکن نہیں۔'' عقل نے اسے راہ سجھائی۔

شمع اپنے آنسو صاف کرتی فوراً اٹھ کر کھڑکی کی جانب بڑھی، کھڑکی پر پڑے پردے کو سرکاتے ہی اس نے دونوں پٹ ایک جھٹکے سے وا کر ڈالے، کھڑکی کھلی تھی مگر اس پر باریک جالی تنی ہوئی تھی، وہ بے بسی سے اس جالی کو دیکھنے لگی۔

''اف...... اب اس جالی کو کیسے ہٹاؤں؟''

وہ فکر مندی سے سوچنے لگی، اس کی نگاہیں کمرے میں متلاشی انداز میں دوڑتے ہوئے کھانے کی تھالی پر جا ٹھہری، شیشے کا گلاس اسے اپنی افادیت پر غور کرنے کی دعوت دے رہا تھا، وہ فوراً سے پیشتر گلاس کی جانب بڑھی، گلاس اٹھا کر اس نے فرش پر زور سے پٹخ ڈالا، چشم زن میں ثابت گلاس، کانچ کے کئی ٹکڑوں کی صورت بکھر گیا، شمع نے ایک تیز نوکیلا ٹکڑا اٹھایا اور تیزی سے کھڑکی کی جانب بڑھی۔

☆☆☆

''اے میرے رب، تو ہی ہے عزتوں کا محافظ، تو ہی ہے ذلتوں سے بچانے والا، میرے مالک تو میری عزت بھی بچا لے، تو جانتا ہے کہ اس گھر میں کیسی کیسی ذلتیں میں نے سہی ہیں حق تلفی، نا انصافی ہر ظلم سہا ہے میں نے، مگر یا اللہ اپنی بیٹی کی رسوائی، اس سے جدائی میں برداشت نہیں کر سکوں گی، میری نصیب کی چھاپ میری بیٹی پر مت ڈال میرے مالک۔'' وہ جائے نماز پر بیٹھیں گڑگڑاتے ہوئے دعا مانگنے میں مشغول تھیں، اشک ان کی آنکھوں سے رواں تھے۔

''یا رب میرے نصیب کی چھاپ میری بیٹی کے مقدر میں نہ ڈال، بے قصور ہوتے ہوئے بھی جو رسوائیاں میرے حصے میں آئیں ہیں ان سے میری شمع کو محفوظ رکھ، وہ بہت معصوم ہے میرے اللہ، اس کی حیاء کی معصومیت کی حفاظت فرما۔''

دعائیں مانگتے مانگتے سفینہ کا لہجہ رندھ گیا مگر ان کی دعاؤں کا سلسلہ رکنے کا نام نہ لے رہا تھا، شافع الدین اسی پل کمرے میں داخل ہوئے تھے، سفینہ کو یوں روتا دیکھ کر ان کے قدم دروازے پر ہی زنجیر ہو گئے۔

''میرے اللہ، باپ کو تو نے اولاد کا محافظ بنایا، اسے گھر کا نگہبان بنایا، پروردگار مجھے اور میری بیٹی کو ہمارے محافظ، ہمارے نگہبان سے محروم نہ کر، یا اللہ تو میرے شوہر کا دل میرے لئے میری بیٹی کے لئے نرم فرما دے، ان کے دل میں ہمارے لئے محبت پیدا کر دے، ہمارے محافظ کے ہوتے ہوئے ہمیں اس جہاں میں رسوا نہ کر، رحم کر دے مولا تو ہم پر رحم کر۔'' وہ اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر زارو قطار رو رہی تھیں، شافع الدین کے دل پر گھونسا سا لگا، وہ الٹے قدموں کمرے سے واپس لوٹ گئے۔

''محافظ...... کیا واقعی میں محافظ ہوں؟ اور اگر ہوں تو کیسا محافظ ہوں، کہ اپنی بیوی اور بیٹی کی عزتوں کی حفاظت نہیں کر سکا۔'' سفینہ کے شکوے ان کی سماعتوں پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے، زندگی میں پہلی بار انہیں ندامت کے احساس نے آ گھیرا تھا، وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں راہداری عبور کرتے ہوئے سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔

''شمع کہاں ہے؟'' بیٹی کا خیال انہیں پہلی بار ستایا تھا، وہ دیوانہ وار شمع کے کمرے میں اسے آوازیں دیتے ہوئے بڑھے، مگر خالی کمرہ انہیں معاملے کی سنگینی کا احساس دلا رہا تھا، وہ سست روی سے چلتے ہوئے دیوار پر نصب شمع کی تصویر کے سامنے آ کھڑے ہوئے، وہ مسکرا رہی تھی، اس کے مسکرانے سے اس کی آنکھیں مسکراتی تھیں بالکل ان کی طرح، وہ انہی کا تو پرتو تھی، پھر بھی وہ اس سے غافل رہے، آج سارا دن وہ گھر سے غائب رہی، مگر وہ لاتعلق بنے رہے، کیوں؟ کیا وہ بھول چکے تھے کہ سفینہ سے لاکھ نفرت سہی مگر شمع تو ان کے وجود کا حصہ ہے، پھر اسے کیوں لاوارثوں کی طرح چھوڑ ڈالا؟ اس سے لاتعلقی برت کر آخر وہ کیا ثابت کرنا چاہ رہے تھے۔

''یہ سفاکی کی حد نہیں تو اور کیا ہے شافع الدین! تم تو بڑے محبت بنے پھرتے ہو، یہ ظاہر کرتے ہو کہ تم سے بڑا کوئی محبت کا قدر دان نہ ہو گا، تو محبت کا کیا ایک ہی روپ ہے، کیا صرف جوانی کی محبت تم پر فرض تھی، اور بیٹی کی محبت، اس کا کیا؟ محبتیں بھی عبادت کی طرح فرض ہوتی ہیں اور جو فرض چوک جائیں وہ پھر قرض بن جاتے ہیں۔'' یہ ان کا ضمیر تھا، جو بڑے طویل عرصے بعد انگڑائی لے کر بیدار ہوا اور اب انہیں بری طرح لتاڑ رہا تھا، وہ سر پکڑ کر شمع کے بستر پر جا بیٹھے، بیٹی کی گمشدگی اور اس کے ساتھ کی گئی ناانصافی انہیں بری طرح ستا رہی تھی۔

☆☆☆

''اماں آپ کا ارادہ کیا ہے؟ آخر آپ کرنا کیا چاہتی ہیں؟'' ہسپتال سے باہر نکلتے ہوئے آفاق الدین نے نجم النساء سے جھنجھلا کر سوال کیا۔

''آفاق الدین تم بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا کرنا چاہتی ہوں، سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے انجان مت بنو۔'' نجم النساء تڑک کر بولیں۔

''سب کچھ بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں اماں تب ہی سوال کر رہا ہوں آپ سے، آپ گڑھے مردے اکھاڑنے جا رہی ہیں، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ آپ کے اس اقدام سے دونوں گھرانے آگ کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔''

آفاق الدین زچ آ کر بولے۔

''اتنا بتاؤ آفاق الدین کہ میری پوتی کے اغواء ہونے سے کیا دونوں گھرانے شعلوں کے لپیٹ میں نہیں آئے؟'' نجم النساء گرجتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''میں آپ کا غصہ سمجھ رہا ہوں اماں، مگر شمع کو ان لوگوں کے قبضے سے بازیاب کرانے کے اور بھی طریقے ہیں، اس آگ کو کیوں ہوا دے رہی ہیں جس کے شعلے بڑی مشکل سے بجھے ہیں۔'' آفاق الدین ماں کی ضد پر زچ آتے ہوئے بولے۔

''ان بدبختوں نے ایک بار پھر ہماری عزت پر ہاتھ ڈال کر حویلی کی غیرت کو للکارا ہے، کیا وہ لوگ بھول چکے ہیں نجم النساء کے غصے کو آفاق الدین؟ اگر وہ لوگ واقعی بھول چکے ہیں تو انہیں یاد دلانے کا وقت آ چکا ہے کہ حویلی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی قیمت کیسے چکائی جاتی ہے۔'' نجم النساء شدید غضب کے عالم میں آفاق الدین پر برس پڑیں۔

''دشمنوں کو سبق سکھاتے سکھاتے آپ اپنے گھر کا شیرازہ ہی نہ بکھیر ڈالیں۔'' آفاق الدین نے ایک نظر ماں کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر طنزیہ لب و لہجہ اختیار کیا، وہ دونوں ہسپتال سے باہر نکل کر گاڑی کی جانب بڑھ رہے تھے۔

''مطلب کیا ہے تمہارا آفاق الدین؟'' نجم النساء نے کڑے تیور سے انہیں دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں اماں کہ سفینہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی اس واقعے سے کس قدر متاثر ہوئی تھی، شافع الدین نے کتنا ذلت آمیز رویہ اختیار کر رکھا ہے ابتک اس واقعے کی وجہ سے اور آپ ایک بار پھر اس واقعے کو سب کی نظروں میں لانا چاہتی ہیں، جانتی بھی ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا، انیسہ اس واقعے سے ابتک ناواقف ہے، اس کو خبر ہوئی تو حذیفہ ہنگامہ کھڑا کر ڈالے گی، سفینہ کی بچی کچی عزت بھی ملیامیٹ ہو جائے گی، صرف اسی پر بس نہیں یہ سوچا ہے آپ نے کہ شمع اور حذیفہ کی شادی پر ان باتوں کا کیا اثر پڑے گا؟ سفینہ کی زندگی تو خراب ہو ہی چکی ہے اماں کم از کم اس کی بیٹی کی تو فکر کریں، افسوس ہوتا ہے مجھے اس معصوم کے حال پر۔'' آفاق الدین جیسے بھرے بیٹھے تھے، بناء کسی لحاظ کے وہ سب کچھ کہتے چلے گئے، نجم النساء کی ضد سے وہ بخوبی واقف تھے، مزید یہ کہ ایک وہی تھے جو بلا خوف حویلی کے باسیوں کو آئینہ دکھانے کی جرأت کر سکتے تھے، رعب و دبدبہ ایسا تھا کہ متکبر المزاج نجم النساء اور خود پرستی میں غرق شافع الدین بھی ان کی صاف گوئی اور دوٹوک بات پر خاموش ہو جاتے، حویلی میں ایک وہی تھے جسے سفینہ کے حقوق کا خیال تھا، اپنی بات مکمل کر کے وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھنے لگے، نجم النساء نے انہیں سخت نظروں سے گھورا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی بول پڑیں۔

''ان سب فکروں کے لئے ابھی میں زندہ ہوں آفاق الدین، تمہیں حذیفہ اور شمع کی شادی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے شمع جتنی تمہیں عزیز ہے، اس سے کہیں زیادہ وہ مجھے عزیز ہے اور رہی بات سفینہ کی تو اس عورت میں وہ گن ہی نہیں ہیں جو شوہر کو اپنا دیوانہ بنا سکے، شافع الدین ویسے ہی اس سے عاجز رہتا ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ ہی کہاں پنپتا ہے جس کے برباد ہونے کی فکر کی جائے...... ہونہہ۔''

''تو آپ فیصلہ کر چکی ہیں کہ ماضی جو چنگاریوں کی راکھ میں دب چکا ہے، اس میں

اِیکبار پھر سے چنگاری لگائی ہے۔'' آفاق الدین خفگی سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''بالکل، اس بار ایسی چنگاری لگاؤں گی کہ ملکوں کو لگ پتا جائے گا نجم النساء کے گھر پر میلی نگاہ ڈالنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور یہ ملک شاہ ویز ہونہہ یہ اپنے باپ کے خلاف نہ کھڑا ہوا تو میرا نام نجم النساء نہیں۔'' نجم النساء ایک طمطراق کے عالم میں بولتی چلی گئیں، آفاق الدین نے انہیں افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

ملک فیاض کب سے اپنے بیٹے ملک جمیل کے موبائل پر کال ملانے میں مصروف تھے مگر اب تک رابطہ ممکن نہ ہو سکا تھا، بالآخر وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہو کر ملازم کو آواز دینے لگے۔

''جی بڑے صاحب!'' مہر دین (ملازم) فوراً ان کے حضور پیش ہوا۔

''شاہ ویز کو میرے کمرے میں بھیجو۔'' انہوں نے اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے حکم صادر کیا۔

''جو حکم بڑے صاحب۔'' مہر دین حکم بجا لاتا کمرے سے باہر نکل گیا، ملک فیاض پرسوچ انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگے۔

''شاہ ویز کو روکنا پڑے گا، ورنہ یہ چنگاری بہت تباہی لائے گی، یہ جمیل اب تک لوٹا کیوں نہیں شہر سے، اپنے کاروبار کے چکر میں گھر بار سب کچھ بھول بیٹھا ہے نامراد اور اس کی بیوی ہونہہ، اس عورت کے تو اپنے غم ہی کبھی ختم نہیں ہوتے، نہ شوہر کی پرواہ نہ اولاد کی، یہ مہر دین کہاں مر گیا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل کر اس کو آواز دینے لگے، مہر دین ہانپتے کانپتے لوٹا۔

''بڑے صاحب، چھوٹے صاحب تو اپنے کمرے میں موجود نہیں ہیں۔''

''کمرے میں موجود نہیں تو کہاں گیا وہ؟'' ملک فیاض غرائے۔

''وہ فارم ہاؤس گئے ہیں صاحب۔'' مہر دین نے جھجکتے ہوئے اطلاع دی۔

''فارم ہاؤس۔'' انہوں نے دانت کچکچاتے ہوئے فارم ہاؤس کا نام لیا، عین اسی وقت انہیں حویلی کے خاص ملازم کریم کے آنے کی اطلاع ملی۔

''نجم النساء کا ملازم خاص، ٹھیک ہے بھیجو اسے میرے پاس۔'' وہ پرسوچ انداز میں حکم صادر کر کے سیڑھیاں اترنے لگے، کچھ ہی دیر میں کریم ان کے سامنے موجود تھا۔

''کہو کریم، کیسے آنا ہوا، تمہاری بی بی نے آج کیسے تمہیں ملکوں کے گھر کی راہ دکھلا دی۔'' وہ چہرے پر اپنی مخصوص حاکمانہ مسکراہٹ سجائے مخاطب ہوئے، غالباً اب تک یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ شافع الدین کی بیٹی کے اغواء کی خبر حویلی تک نہیں پہنچی ہو گی، اسی لئے جمیل سے رابطہ کر کے وہ جلد از جلد اس مسئلے کو نبٹانا چاہ رہے تھے، مگر کریم کی آمد نے انہیں چونکا ڈالا تھا۔

''ملک صاحب یہ رقعہ بی بی جی نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔'' کریم حویلی کا پرانا وفادار ملازم تھا، پچھلے وقتوں میں حویلی نے جو کچھ بھی جھیلا تھا اس سے وہ بخوبی واقف تھا، اس وقت صورتحال کس قدر نازک تھی وہ بخوبی آگاہ تھا، نجم النساء کا بھیجا گیا رقعہ ملک فیاض کے حوالے کر کے وہ اب سر جھکائے کھڑا جواب کا منتظر تھا، ملک فیاض نے ٹھٹک کر اس رقعے کو دیکھا اور کھول کر پڑھنے لگے۔

''ملک فیاض تمہارے پوتے شاہ ویز نے

آج ثابت کر ڈالا کہ اس کی رگوں میں بھی اس کے باپ کا ہی خون دوڑ رہا ہے، جو بے غیرتی اس نے آج میری پوتی کو اغواء کر کے دکھائی ہے، میں یہ خوب جانتی ہوں کہ یہ بے غیرتی اسے ورثے میں ملی ہے، آخر وہ اپنے باپ کے نقش قدم پر نہیں چلے گا تو اور کیا کرے گا، ہونہہ مگر ملک فیاض تم بھول چکے ہو تو تمہیں میں یاد دلا دوں کہ ہار تب بھی تمہارا مقدر بنی تھی اور آج بھی، کچھ دیر تک پولیس کا چھاپہ تمہارے علاقوں میں پڑنے والا ہے، میں بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ تم اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کر کے پولیس کو اپنا ہم نوا بنا لو گے، مگر یاد رکھنا پولیس سے بچ بھی جاؤ گے تو شافع الدین سے تمہیں کون بچا پائے گا؟ اور تمہاری بہو؟ شافع الدین اگر تمہاری بہو تک پہنچ گیا تو پھر انجام کیا ہو گا، یہ اچھی طرح سوچ لو ملک فیاض کیا اس عمر میں بیٹے کا گھر ٹوٹتا دیکھ سکو گے تم، شافع الدین کے بڑے حساب نکلتے ہیں تمہاری طرف اور میرا بیٹا اگر حساب بے باک کرنے پر آئے تو خسارے میں میرا خاندان نہیں بلکہ تمہارا خاندان رہے گا، بہتری اسی میں ہے کہ میری پوتی کو رات کی سیاہی سے پہلے پہلے تم حویلی میں با حفاظت پہنچا دو، ورنہ صبح کی سفیدی تمہارے لئے قیامت خیز ثابت ہو گی۔'' رقعے کی اک اک سطر ملک فیاض کا فشار خون بلند کرنے کے لئے کافی تھی، انہوں نے طیش کے عالم میں وہ رقعہ پھاڑ ڈالا۔

''تو نجم النساء پوتی کے اغواء کی خبر تم تک پہنچ گئی اور تم اپنی فطرت اسے مجبور فتنہ برپا کرنے کو اٹھ کھڑی ہوئیں، راہ نجم النساء واہ پوتی اغواء ہو گئی مگر تمہارے تکبر میں کوئی کمی نہ آئی۔'' وہ استہزائیہ انداز میں زیر لب بڑبڑائے، پھر خاموش کھڑے کریم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔

''اپنی بی بی جی سے کہہ دو جا کر کہ وہ وقت گزر چکا جب ملک فیاض، نجم النساء کی دھمکیوں سے مرعوب ہوا کرتا تھا، ملک فیاض کے گھر کی بنیادیں اتنی مستحکم ہو چکی ہیں کہ کوئی انہیں اب ہلا نہیں سکتا اور جہاں تک بات ہے شمع کی تو اسے میں خود حویلی پہنچاؤں گا۔'' ملک فیاض نے گمبھیر لہجے میں کریم کو جواب دیا، کریم کے جانے کے بعد وہ غضبناک تیور کے ساتھ ایک بار پھر ملک جمیل کو کال ملانے لگے، کال اس مرتبہ مل چکی تھی، وہ بیٹے کو ساری صورتحال تفصیل سے سمجھانے لگے۔

☆☆☆

''تم سے آج ہر حساب بے باک کر لیا میں نے حذیفہ آفاق، تمہارا خاندانی غرور، تمہاری غیرت، تمہاری محبت اب میری مٹھی میں قید ہے، اگر میں مٹھی بھینچتا ہوں تو تمہاری عزت، تمہاری محبت کا دم گھٹنے لگے گا اور اگر میں مٹھی کھول دوں تو تمہارا خاندانی غرور ان فضاؤں میں معلق ہو جائے گا۔'' ملک شاہ ویز کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ چسپاں تھی، اس کی جیپ برق رفتاری سے فارم ہاؤس کے راستے پر گامزن تھی۔

''تم ہمیشہ میرے راستے میں آئے، کسی کالے بلے کی طرح میری راہ کو کاٹتے چلے گئے، میرے معاملے میں ٹانگ اڑانا، میری دوستیوں کو خراب کرنا تمہارا محبوب مشغلہ ہوا کرتا تھا، اب اپنا کیا بھگتو حذیفہ آفاق، وہ کانٹا جو تم نے بویا ہے۔'' شاہ ویز چشم تصور میں حذیفہ کو ایک ہارے ہوئے انسان کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔

''ہاہاہاہا۔'' ایک بلند قہقہہ اس کے منہ سے فوارے کی صورت پھوٹا۔

''حذیفہ آفاق وہ دن قریب ہے جب تم

اپنی محبت اپنی عزت کے لئے مجھ سے بھیک مانگو گے اور میں وہ دن تمہیں یاد دلاؤں گا جب تم نے سرِعام میری عزت کا جنازہ نکالا تھا، تب تم جانو گے سرِمحفل تماشا بننا کیسا لگتا ہے۔'' انتقام کی لہر اس کے تن بدن میں دوڑ گئی، وہ منظر اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا جب حذیفہ کی وجہ سے اسے یونیورسٹی میں سب کے سامنے تذلیل اٹھانی پڑی تھی۔

وہ سکڑتے دن اور ٹھٹھرتی راتوں کا دلکش موسم تھا، جب پہلی بار اس کا سامنا سبین سے ہوا تھا، وہ بڑی بڑی آنکھوں اور کتابی چہرے والی الہڑ دوشیزہ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ وہاں موجود تھی، حسب معمول کینٹین میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔

''لوگوں! آج کا دن بہت خاص ہے۔'' کاشف نے لہکتے ہوئے بلند آواز میں صدا لگائی۔

''کیوں بھئی کیوں بھئی۔'' اس کے ساتھیوں نے بے ہنگم انداز میں شور مچایا۔

''اسد نے آج ہمارے ہیرو شاہ ویز کی زندگی میں بہار کی آمد کی نوید سنائی ہے۔'' کاشف نے اپنی سابقہ ٹون برقرار رکھتے ہوئے مژدہ سنایا، اسد پامسٹری کے انتہائی شوق میں مبتلا ان کا کلاس فیلو تھا۔

''مگر میڈم بہار تو گزشتہ دو روز سے چھٹیوں پر ہیں۔'' ایک منچلے نے بائیں آنکھ دباتے ہوئے فقرہ کسا، کینٹین ایک بار پھر سے بے ہنگم قہقہوں سے گونج اٹھی۔

''اوہو احمقوں کے سردار، اس اجڑے چمن کا ذکر کون بیوقوف کر رہا ہے، ہم تو بات کر رہے ہیں اس بہار کی جس کے آنے سے بادِ صبا ٹھہر جائے، جس کے مسکرانے سے دل کے تار بج جائیں، جس کا آنچل لہرائے تو گھٹا چھا جائے، جو بولے تو چمن میں پھول کھل اٹھیں، جس کی سانسوں کی خوشبو سے سانسیں معطر ہو جائیں، ہائے ہائے ہائے۔'' کاشف آنکھیں موندے اپنی لن ترانیوں میں مصروف تھا کہ شاہ ویز کی ایک چپت سے بری طرح ہڑبڑا اٹھا۔

''او الو کی دم، کسی حسینہ کا اتنا آؤٹ ڈیٹڈ سراپا ہمارے اباؤں کو ان کے خوابوں میں ستاتا ہو گا، اب وہ زمانہ گیا جب لڑکیوں کے آنچل لہرانے سے دل میں گھنٹی بجے، اب تو ماڈرن دور ہے گدھے ماڈرن دور، اب کوئی حسینہ آنچل میں اپنا رخ چھپا کر نہیں گھومتی۔'' شاہ ویز کی بات پر اس کے دوست قہقہہ لگاتے ہنس پڑے۔

''ویسے یار کچھ تو بتا، وہ دوشیزہ کیسی ہے، جو تجھے خوابوں میں آ کر چھیڑ جاتی ہے۔'' یہ عابد تھا، شاہ ویز کا ہمراز، جو بڑے اشتیاق سے سوال کر رہا تھا۔

''ہاں یار شاہ ویز کچھ تو بتا یار، کیسی ہے ہماری بھابھی، ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' کاشف نے شرارت سے آنکھ مارتے ہوئے لقمہ دیا۔

''اوئے پانچ فٹے، بڑے بھڑک رہے ہیں تیرے جذبات ہاں۔'' رؤف نے بھی کاشف کے کاندھے پر تھپ لگاتے ہوئے اوباش انداز میں انٹری ماری، کاشف خجل سے انداز میں کھسیا گیا، ان سب کا ایک بھرپور قہقہہ کینٹین میں گونج اٹھا، اردگرد بیٹھے کئی اسٹوڈنٹس نے شاہ ویز اور اس کے دوستوں کو ناگواری سے دیکھا، اس سے زیادہ وہ لوگ کچھ اور کر بھی نہیں سکتے تھے اس لئے پھر سے کھانے پینے اور گفتگو میں مصروف ہو گئے۔

''او پاگلوں، بیوقوفوں، آج تک ایسی لڑکی پیدا نہیں ہوئی جو مجھے خوابوں میں آ کر ستا سکے، جو بھی ملی ان گناہگار آنکھوں کو اچھی لگی، پھر دل بھر گیا اور نظروں سے اتر گئی، آج تک ایسی کوئی

لڑکی پیدا نہیں ہوئی جو ملک شاہ ویز کا دل تسخیر کر سکے۔'' وہ بڑی رعونت سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اوہو کیا بات ہے میرے یار کی، ایسی تو لڑکیاں دل نہیں ہارتیں میرے شیر جوان پر۔'' عابد صدقے وارے جاتے نہ تھکتا تھا، تب ہی اچانک گھنگھور گھٹائیں چھاتی چلی گئیں اور ساون جم کر برسنے لگا، شاہ ویز اور اس کے دوست بھی باقی طلبہ کی طرح یونیورسٹی کے میدان میں نکل آئے، کئی دنوں سے اعصاب کو بوجھل کرتی گرمی کا زور آج ٹوٹا تھا، جل تھل کرتا ساون ان سب کے دلوں کو سرشار کر رہا تھا۔

''اوہ یار شاد کر ڈالا اس جل تھل کرتی بارش نے۔'' شاہ ویز نے بارش میں بھیگتے ہوئے آسمان کی جانب نگاہ کرتے ہوئے کہا، موتی کی طرح برستی بوندوں نے اس کی بھوری آنکھوں کو پلکوں کی جھالروں میں چھپنے پر مجبور کر ڈالا، تب ہی کسی کی نقرئی ہنسی اس کی سماعتوں میں رس گھول گئی، شاہ ویز نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول کر اس حسینہ کو دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں اس سنگ مرمر سے وجود پر ٹھہر سی گئیں۔

''کون ہے یہ لڑکی؟'' اس کے لبوں سے لفظ دھیرے سے سرسرائے، عابد نے اس کی بات سن کر چونک کر پہلے شاہ ویز کو اور پھر اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے اس لڑکی کو دیکھا۔

''یہ تو نیو انٹری ہے باس۔'' جینز پر چھوٹی سی کرتی میں ملبوس وہ لڑکی، اپنے ماڈرن حلیے کے باعث جلد ہی ان لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔

''پہلے کبھی دیکھا نہیں، لگتا ہے فیض پور میں نئی نئی آئی ہے۔'' رووف نے اسے سرتا پیر گھورتے ہوئے اندازہ لگایا۔

''پتا کرو کاشی، اس برسات میں یہ پری کس ڈیپارٹمنٹ میں اتری ہے۔'' شاہ ویز کی نگاہیں مسلسل اس دوشیزہ کے دلکش سراپے کا طواف کرنے میں مصروف تھیں، وہ لڑکی اپنی سہیلیوں کے ساتھ بارش سے لطف اندوز ہونے میں مصروف تھی، چٹا سفید رنگ، کتابی چہرہ، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں گداز گلابی ہونٹ اور شولڈر کٹ بال، اسے وہاں موجود ہر لڑکی سے ممتاز کر رہے تھے، کاشی تھوڑی ہی دیر میں تمام معلومات حاصل کر کے خراماں خراماں واپس لوٹا تھا۔

''کیا خبر لائے ہو میرے چیتے؟'' اس کے واپس لوٹتے ہی شاہ ویز نے سوال کیا۔

''اندازہ ٹھیک تھا بھائی، نئی آئی ہے یہاں، سائنس ڈیپارٹمنٹ کی اسٹوڈنٹ ہے، خاندان بھی بڑا اونچا ہے۔'' کاشی کی رٹو طوطے کی مانند فر فر ساری تفصیلات سنانے لگا۔

''اوہ یاروں آ گئی سو آ گئی، یہ تو دل پر بھی بلٹ کی طرح ٹھا کر کے لگی ہے۔'' شاہ ویز سینہ سہلاتے ہوئے بھاری لہجے میں بولا۔

''اوئے ہوئے، صدقے جاؤں ہیرو کے۔'' عابد باقاعدہ عورتوں کی طرح بلائیں لیتے ہوئے بولا، ان سب کی اوباش نگاہیں اس لڑکی پر ٹھہری تھیں، وہ ان سب سے بے نیاز بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''ویسے یار یہ لڑکی ہمارے بھائی کے ساتھ جچے گی بہت، بالکل سلمان خان اور کترینہ کیف کی جوڑی لگے گی۔'' رووف نے اپنی گول گول آنکھیں گھما کر چسکے لیتے ہوئے کہا۔

''ذرا آتا ہوں اس سے میل جول بڑھا کر، ساتھ کھڑا ہوں تو اس کے ساتھ میری تصاویر ضرور کھینچ لینا۔'' شاہ ویز دائیں آنکھ دباتے ہوئے ان تینوں کو ہدایت دیتے ہوئے بولا۔

''جو حکم ہمارے یار کا۔'' وہ تینوں عیارانہ ہنسی ہنستے ہوئے چہکے، شاہ ویز چہرے پر اپنی مخصوص مسکراہٹ سجائے بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا اس لڑکی تک جا پہنچا۔

''ایکسیکوزمی۔'' شاہ ویز نے کھنکھارتے ہوئے اس لڑکی کو متوجہ کیا۔

''جی کہیے۔'' اس لڑکی نے مڑ کر شاہ ویز کی پرکشش شخصیت کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ......'' شاہ ویز نے لڑکی کی نگاہوں میں اپنے لئے پسندیدگی کا تاثر بھانپ لیا تھا، تب ہی بات ادھوری چھوڑ کر اسے پرشوق نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ارے رک کیوں گئے آپ، میرا چہرہ دیکھ کر کیا محسوس ہوتا ہے آپ کو۔'' وہ لڑکی بھی شوخ وشنگ واقع ہوئی تھی، شوخی سے مسکراتے ہوئے دریافت کرنے لگی۔

''یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوہ قاف کی سلطنت ہمارے فیض پور پر اچانک مہربان ہو گئی ہے۔'' شاہ ویز نے کن انکھیوں سے اپنے دوستوں کی جانب دیکھ کر خفیف سے انداز میں سر ہلا کر ہلکا سا اشارہ کیا، رؤف اور کاشی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور نا محسوس انداز میں اس لڑکی کے ساتھ شاہ ویز کی تصاویر بنانے لگے۔

''اور ایسا کیوں محسوس ہوا آپ کو؟'' اس لڑکی نے جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بننے کی بھرپور اداکاری کی۔

''محترمہ مہربان ہی تو ہوئی ہے تب ہی تو آپ جیسی پیاری سی لڑکی کو یہاں بھیج دیا۔'' شاہ ویز کی مسکراہٹ بھرپور تھی، وہ لڑکی اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی، بارش کی رفتار تھمنے لگی تھی، ننھی ننھی بوندیں موتیوں کے صورت اس کے خوبصورت چہرے پر بکھرنے لگیں، شاہ ویز بے خود سا اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''بہت حسین ہو تم، تمہارا نام کیا ہے؟''

''سبین...... سبین کہاں ہو تم یار؟ کب سے ڈھونڈ رہا ہوں اور تم یہاں بارش میں بھیگ رہی ہو۔'' حذیفہ جھنجلاہٹ کے عالم میں اچانک وہاں پہنچا تھا، مگر سبین کو شاہ ویز کے ساتھ محو گفتگو دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' حذیفہ نے درشتی سے سوال کیا۔

''دیکھو ناں حذیفہ موسم کتنا حسین ہے اور یہ بارش، بارش تو مجھے بہت پسند ہے، بس اس خوبصورت موسم سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔'' سبین نے اپنی مٹھی میں بارش کی بوندوں کو قید کرتے ہوئے خوشی سے کہا۔

''واقعی یہ موسم اور یہ نظارہ بے حد دلکش ہے۔'' شاہ ویز نے دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ پہلے سبین اور پھر حذیفہ کو دیکھتے ہوئے کہا، غصے کی شدت سے حذیفہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''تم چلو یہاں سے اور آئندہ میں تمہیں اس شخص کے ساتھ نہ دیکھوں۔'' حذیفہ نے سبین کے بازو کو سختی سے تھامتے ہوئے غصے سے کہا۔

''اوہو حذیفہ چھوڑو میرا ہاتھ، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' سبین نے جھنجلاتے ہوئے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو سبین، خالہ نے تمہاری ذمہ داری میرے سپرد کی ہے، تمہارا خیال رکھنا اور ہر شر سے محفوظ رکھنا میری ذمہ داری ہے۔'' حذیفہ نے ایک تیز نظر شاہ ویز پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''حذیفہ پلیز، اماں نے تمہیں میرا خیال

رکھنے کا کہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم سائے کی طرح میرے پیچھے پڑ جاؤ۔'' سبین نے تنگ کر جواب دیا۔

''سبین تم میری بات ن ہیں سمجھ رہیں، یہ شخص اس قابل ن ہیں ہے کہ تم اس سے بات کرو، تم اسے نہیں جانتیں مگر میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔'' حذیفہ نے سبین کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ شاہ ویز کو بھی گھور کے دیکھا، اس کی بات پر شاہ ویز نے تلملا کر اسے دیکھا۔

''بکواس بند کرو اپنی تم، میرے بارے میں تم جانتے ہی کیا ہو جو یوں فضول بکے جا رہے ہو؟''

''میں کیا، تمہارے ہلکے کردار کا تو پورا فیض پور گواہ ہے۔'' حذیفہ نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔

''بکواس بند کرو حذیفہ۔'' شاہ ویز بے اختیار حذیفہ کو مارنے کے لئے آگے بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں آپس میں گتھم گتھم ہو گئے، شاہ ویز کے ساتھی بھی اس کی حمایت کے لئے دوڑے چلے آئے، وہ سارے مل کر حذیفہ پر حاوی ہونے لگے، تب تک حذیفہ کے دوستوں کو اس جھگڑے کی خبر مل گئی، اب جھگڑا محض دو لوگوں کے درمیان تک محدود نہیں رہا تھا، دو گروپوں تک پھیل چکا تھا۔

''آپ لوگ پلیز یوں لڑنا جھگڑنا بند کر دیں۔'' سبین اس ساری صورتحال سے بری طرح گھبرا کر تقریباً رو پڑی تھی، مگر جھگڑا اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ بات یونیورسٹی کی انتظامیہ تک جا پہنچی تھی۔

☆☆☆

نیٹ کی باریک جالی، شیشے کے دھار کی تیزی سہہ نہیں پائی اور آسانی سے کٹتی چلی گئی، شمع جلدی جلدی کٹی جالی کو ہٹانے لگی، تھوڑی ہی دیر میں اتنا راستہ بن چکا تھا کہ وہ کھڑکی پھلانگ کر باہر کود سکتی تھی، اس نے ایک نظر شیشے کے تیز دھار ٹکڑے کو دیکھا اور ایکدم سے پرے پھینک ڈالا، اگلے ہی لمحے وہ کھڑکی سے چھلانگ لگا کر باہر کود پڑی، وہ سمجھ رہی تھی کہ کھڑکی سے باہر نکل کر اس قید سے رہائی اس کی منتظر ہوگی، لیکن اس کا خیال غلط ثابت ہوا، باہر سیاہ اندھیرے میں ڈوبا گھنا جنگل سا کھیت تھا، اس نے گھپ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی، دور بہت دور، جگنو کے مانند اسے روشنی چمکتی دکھائی دی، شمع اسی جانب جھاڑ جھنکار سے الجھتی ہوئی بھاگنے لگی، اس کی ہانپتی سانسیں، بھاگتے قدموں کی چاپ نے چوکیداری پر معمور شکاری کتوں کو خبردار کر ڈالا، وہ اس کے تعاقب میں بھونکتے ہوئے تیزی سے اس کی جانب بڑھنے لگے۔

شمع کا دل بری طرح سے دہل اٹھا، اس کے قدموں کی رفتار مزید تیز تر ہوتی چلی گئی، وہ بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھتی جاتی اور اندھا دھند بھاگتی چلی جاتی، کتوں کے بھونکنے کی آواز مزید قریب تر ہوتی چلی گئی۔

''آہ۔'' اچانک اس کا پیر جھاڑیوں میں جا الجھا، اور وہ ایکدم سے اوندھے منہ جا گری، پیر پر کانٹا چبھا تھا، اندھیرے کے باعث کچھ بھی دکھائی دے رہا تھا نہ سجائی دے رہا تھا، وہ اندازے سے اپنے پیر کے تلوے کو ٹٹولنے لگی۔

''آہ...... یہ کانٹا جان کا عذاب بن گیا ہے آہ۔'' وہ کراہتے ہوئے سہلانے لگی، کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اسے اپنے بے انتہا نزدیک سے سنائی دینے لگی، اس نے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی، تب ہی اسے ادراک ہوا کہ اس کی حسیں نہ صرف کتوں کا بھونکنا بلکہ ان کا ہانپنا

بھی محسوس کر سکتی ہیں، خوف کی ایک شدید لہر اس کی رگوں میں سرائیت کر گئی۔

☆☆☆

اس جھگڑے سے اگر صحیح معنوں میں کسی کی بدنامی ہوئی تھی تو وہ سبین کی تھی، حذیفہ کی خالہ زاد تھی، دوسرے قصبے سے آئی تھی، حذیفہ نے اسے شمع کے کالج میں ایڈمیشن لینے کا مشورہ دیا تھا، مگر سبین نے اس کے مشورے کے برعکس اس کی یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا، رافعہ (سبین کی ماں) نے حذیفہ کو سبین کا خیال رکھنے کی خاص ہدایت دی تھی اور حذیفہ ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہی اسے شاہ ویز سے گفتگو کرنے سے روک رہا تھا، کیونکہ وہ شاہ ویز کی یونیورسٹی میں ریپوٹیشن بہت اچھی طرح جانتا تھا، وہ ایک دل پھینک، رنگین مزاج شخص تھا، نوخیز کلیوں کے آگے پیچھے منڈلانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور پھر ان خوشبوؤں سے مہکتی کلیوں کے رنگ و بو چرا کر وہ آوارہ بھنورہ کسی اور سمت اڑ جاتا تھا۔

وہ سبین کو بچانا چاہتا تھا مگر سبین حذیفہ سے بے حد خفا تھی، یہ اس کی خفگی ہی تھی جو اس نے حذیفہ کی ہر ہدایت کو نظر انداز کر کے شاہ ویز سے دوستی کر ڈالی تھی، وہ ایک ناپختہ سوچ کی حامل خود سر لڑکی تھی، اکلوتی ہونے کے باعث ماں باپ کے لاڈ پیار نے اسے مزید خود پسند بنا ڈالا تھا۔

شاہ ویز کی مقناطیسی شخصیت اور سحر انگیز باتوں نے سبین کو اس کا گرویدہ بنا ڈالا تھا، ان دونوں کی دوستی جلد ہی میل ملاقاتوں میں ڈھلتی چلی گئی۔

سبین، شاہ ویز پر اندھا اعتماد کرنے لگی تھی، وہ اس بات سے بھی بے خبر تھی کہ اس کی شاہ ویز سے ہر ملاقات کی تصاویر اس کے دوستوں کی بدولت شاہ ویز کے موبائل میں محفوظ ہیں، کسی نادان پرندے کی طرح وہ اس کے جال میں پھنستی چلی جا رہی تھی اور اس دن اگر حذیفہ وقت پر نہ پہنچتا تو......!!

وہ دن یاد کر کے حذیفہ نے ایک جھرجھری سی لی۔

''کیا ہوا حذیفہ تم ٹھیک تو ہو؟'' انیسہ پریشان ہو کر تیزی سے اس کی جانب بڑھیں۔

''کچھ نہیں، مجھے بس شمع کی فکر ہے، نہ جانے وہ کس حال میں ہو گی، دادی کہہ کر تو بہت کچھ گئی ہیں مگر نہ جانے وہ اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرا پائیں گی یا نہیں۔'' حذیفہ فکر مندی سے کہنے لگا۔

''دیکھو بیٹا، ہو سکتا ہے میری بات تمہیں کڑوی لگے، مگر میری جان میں تمہاری ماں ہوں، جو بھی کہوں گی تمہارے بھلے کے لئے ہی کہوں گی۔'' بیٹے کی فکر مندی دیکھ کر انیسہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بولنا شروع ہوئی۔

''آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر امی مگر خدارا شمع کے حوالے سے کچھ مت کہیے گا۔'' انیسہ کے ارادے بھانپ کر حذیفہ نے انہیں پیشگی خبردار کر ڈالا۔

''تم سمجھتے کیوں نہیں ہو بیٹا، تمہارے زخمی ہو کر ہسپتال پہنچ جانے سے وقت تھم نہیں گیا، جانتے بھی ہو کتنا وقت گزر چکا ہے، دن رات میں ڈھل چکا ہے، نہ جانے شمع کے ساتھ اب تک کیا کچھ نہ بیت چکا ہو گا، ایک اوباش فطرت انسان کی قید میں گرفتار اس لڑکی کی حالت اس وقت کیا ہو گی، تمہاری غیرت کو تو اس بات کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے حذیفہ، خود سوچو کہ وہ اگر لوٹ بھی آئی تو کیسے اپناؤ گے اسے تم؟'' انیسہ نے حقیقت کو مزید بد صورت بنا کر اس کے سامنے پیش کیا۔

''آپ جانتی ہیں امی کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ مجھے کس بات پر اکسا رہی ہیں؟'' حذیفہ نے ماں کی خفگی سے گھورتے ہوئے کہا
''میں تمہیں کسی بات پر بھی نہیں اکسا رہی حذیفہ، صرف حقیقت کا سامنا کرنا سکھا رہی ہوں۔'' انیسہ نے پرطیش لہجے میں جواب دیا۔
''آپ حقیقت کی بات کر رہی ہیں، جانتی بھی ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟'' حذیفہ تلخ ہوا۔
''حقیقت یہ ہے حذیفہ کہ ایک اغواء شدہ لڑکی کی اس معاشرے میں کوئی عزت ہوتی ہے اور نہ ہی لوگوں کی نظروں میں، گھر سے باہر گزاری ایک بھی رات کسی بھی لڑکی کی زندگی کو نگل جاتی ہے، وہ لڑکی لوٹ بھی آئے اگر تو ایک زندہ لاش کے سوا کچھ نہیں ہوتی اور میں کسی زندہ لاش سے اپنے بیٹے کی شادی نہیں کرنے والی۔'' انیسہ سفاکی سے کہتی چلی گئیں۔
''کتنی سنگ دل ہیں آپ امی، کتنی آسانی سے اپنا فیصلہ سنا گئیں آپ، یہ جانے بغیر کہ آج اگر شبنم اس حال میں ہے تو اس کی وجہ کوئی اور نہیں آپ کا اپنا بیٹا ہے۔'' حذیفہ کو ماں کی بے حسی نے شدید تکلیف پہنچائی تھی، وہ شدت غم سے کہنے لگا۔
''ہر الزام اپنے سر لینے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں حذیفہ، خود کو کیوں مجرم گردانتے ہو آخر تم؟ شمع کے لئے تمہاری یہ حد سے زیادہ بڑھی محبت مجھے ایک آنکھ نہیں بھا رہی حذیفہ۔'' انیسہ کے لہجے کی تلخی، حذیفہ کو سرتا پیر سلگا گئی۔
''میں مجرم ہوں شمع کا، میری غلطی سے وہ اس حال تک پہنچی ہے، میرا جرم ہے، میں اسے لے کر گیا تھا ملکوں کے علاقے میں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ شاہ ویز کی مجھ سے دشمنی ہے اور مجھے تکلیف دینے، تڑپانے کے لئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے، سب میری غلطی ہے امی، میری غلطی کی وجہ سے شمع اس حال تک پہنچی ہے۔'' حذیفہ کے لہجے کے تڑپ انیسہ کو مزید سلگا گئی۔
''کیوں؟ ایسا کیا کیا تھا تم نے جو ملک شاہ ویز تمہارا یوں جانی دشمن بن بیٹھا۔'' انیسہ غضبناک ہوتے ہوئے، ہاتھ لہرا کر بولیں۔
''میں...... میں نہیں بتا سکتا۔'' حذیفہ کہتے کہتے چپ سادھ گیا، انیسہ اسے غصے سے گھورنے لگیں۔

☆☆☆

''تم نے مجھے سبین کی نظروں میں گرا ڈالا، میری عزت دو کوڑی کی کر ڈالی، میں وہ دن کبھی نہیں بھلا سکتا جب سبین نے میرے منہ پر تھوکا تھا، آج میں تمہیں تمہاری محبت کو اس قابل رحم بنا ڈالوں گا کہ فیض پور کا ایک ایک شخص تھوکے گا، طعنے کسے گا اور تمہارے پاس کچھ کہنے کے لئے یہ لفظ ہوں گے نہ سننے کے لئے ہمت ہوگی۔'' زہر خند سوچیں اسے اندر تک ڈس رہی تھیں، انتقام کی آگ اسے جھلسائے دے رہی تھی وہ دن آج بھی اس کی نگاہوں میں سوئی کی طرح چبھتا تھا۔
سبین، شاہ ویز کی شخصیت سے اس حد تک متاثر ہو چکی تھی کہ اس کی ہر بات پر اندھا اعتماد کرتی تھی، شاہ ویز کے دیکھائے گئے جھوٹے سپنوں پر وہ دل و جان سے یقین کر بیٹھی تھی، شاہ ویز اس کی خوبصورتی پر فدا تھا تو نادانیوں پر مسکراتا تھا، محبت کا جھانسا دے کر وہ اس کے ساتھ شرمناک کھیل کھیلنا چاہتا تھا، اسی مقصد کے تحت اس نے سبین کو پھسانے کے لئے ایک جال بچھایا تھا۔
''سبین کل میری سالگرہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کل کا دن میرے لئے بے حد خاص ہو، تم اپنے ساتھ سے کل کی شام میرے لئے بے حد

خوبصورت بنا ڈالو۔" وہ دونوں حسب معمول یونیورسٹی کی کینٹین میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، شاہ ویز نے ایکدم سے سبین کا ہاتھ تھام کر گمبھیر لہجے میں کہا تھا۔

"شاہ ویز یہ...... یہ کیسے ممکن ہو بھلا؟ ہم دن بھر یونیورسٹی میں تو ساتھ رہتے ہیں مگر شام کا وقت کیسے ساتھ بِتا سکتے ہیں؟" سبین اس کے ہاتھ تھام لینے کی جرأت پر سست سی گئی تھی، شاہ ویز کی بولتی نظریں اسے نگاہیں چرانے پر مجبور کر گئیں۔

"کیوں نہیں بِتا سکتے لمحے ایک ساتھ، میری سالگرہ کا دن میرے لئے ہمیشہ بے حد خاص رہا ہے سبین اور اتنے اہم دن کو میں کسی خاص ہستی کے ساتھ گزارنا چاہوں گا اور تم سے زیادہ خاص اس دنیا میں میرے لئے اور کون ہے بھلا۔" شاہ ویز کی نظریں سبین کے خوبصورت چہرے پر گڑھ سی گئیں تھیں، یہ اس کی نگاہوں کی کارستانیاں تھی جو سبین کے لئے بوجھل ہوتی پلکوں کی جھالروں کو اٹھانا دشوار ہوتا جا رہا تھا۔

"کیا مجھ سے زیادہ خاص تمہاری زندگی میں کوئی بھی نہیں ہے شاہ ویز؟" سبین نے جھجکتے ہوئے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے شاہ ویز کو دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم سے زیادہ خاص میری زندگی میں کوئی ہوسکتا ہے؟" شاہ ویز ن اس کے سوال کے جواب میں سوال اٹھایا، سبین اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم سے زیادہ خاص میری زندگی میں کوئی بھی نہیں ہے۔" شاہ ویز جذب کے عالم میں کہنے لگا۔

"میں مانتا ہوں تم سے پہلے میری کئی لڑکیوں سے دوستیاں تھیں، کئی لڑکیاں میرے ساتھ کی متمنی تھیں، مگر میں نے کبھی بھی انہیں اپنے دوست سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھا، ان میں سے کوئی ایک بھی لڑکی ایسی نہ تھی جسے میں اپنے دل کی مسند پہ بٹھاتا۔" وہ سبین کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہہ رہا تھا، سبین کے صبیح چہرے پر قوس وقزاح کے رنگ کھل اٹھے، اس کی نگاہیں حیاء کے بوجھ تلے جھکتی چلی گئیں۔

"مگر میں جب سے تم سے ملا ہوں، تمہیں دیکھتے ہی خود پر سے اختیار کھو بیٹھا ہوں، ہر پل تمہارے خیالوں میں کھویا کھویا سا رہتا ہوں کوئی تو خاص بات ہے تم میں سبین، میں ایسے ہی تو تمہارا دیوانہ نہیں ہوتا جا رہا۔" وہ کہتا چلا جا رہا تھا، سبین بے خودی اسے دیکھے چلی جا رہی تھی۔

"تمہارے بغیر اب میرا ایک لمحہ بھی نہیں گزرتا اور آج...... آج دیکھو کتنا خاص دن ہے میری زندگی کا اور تم کہتی ہو میری خوشی میں آج شامل نہیں ہو گی، کتنی ظالم ہو تم سبین۔" وہ مصنوعی انداز میں روٹھتے ہوئے بولا۔

"میں کیسے ظالم ہوسکتی ہوں شاہ ویز، تم جانتے تو ہو میرے دل میں تمہارے لئے کیا جذبات ہیں۔" سبین اس کی ناراضگی پر گھبراتے ہوئے بولی۔

"اگر تمہارے دل میں میرے نلئے کوئی جذبہ ہے کوئی احساس ہے تو تم میری خواہش کا ضرور خیال رکھو گی سبین۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو تم میری سالگرہ کی دعوت ضرور قبول کرو گی۔" سبین کو کمزور پڑتا دیکھ کر وہ مزید حاوی ہوتا چلا گیا۔

"مجھے تم سے محبت ہے شاہ ویز، میں آؤں گی تمہاری سالگرہ پر۔" سبین اس کی خفگی پل بھر کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکی، فوراً اقرار کر

بیٹھی۔

''میں جانتا تھا تم مجھے انکار نہیں کرو گی، میری خواہش ضرور پوری کرو گی۔'' شاہ ویز، سبین کا ہاتھ تھام کر مسکرا کر کہنے لگا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، سبین نے اس چمک کو اس کی خوشی سے تعبیر کیا تھا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر ذرا سا اور وہیں رکتیں تو......
سورج جھانک کر دیکھ رہا تھا کھڑکی سے
ایک کرن جھمکے پر آ کر بیٹھی تھی
رخسار کو چومنے والی تھی کہ......
تم منہ موڑ کر چل دیں اور بیچاری کرن
فرش پر گر کر چور ہوئی..........!
تھوڑی دیر، ذرا سا اور وہیں رکتیں تو......!

وہ کاؤچ پر بیٹھی گلزار کی شاعری کی کتاب پڑھنے میں محو تھی، عالیان کب اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا اسے خبر بھی نہ ہوئی۔

''تم کتنی بورنگ ہو یار نوری۔'' عالیان نے اس کے عقب سے کتاب میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے کہا، وہ جب بہت موڈ میں ہوتا تو نوریا کو اسی نام سے پکارتا تھا۔

''عالیان......ڈرا دیا تم نے تو۔'' نوریا چونکتے ہوئے پیچھے پلٹی۔

''اور یہ کیا کہا تم نے؟ میں بورنگ ہوں؟ کیوں جواب دو ذرا؟'' خفگی بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ اس سے لڑنے کے موڈ میں تھی۔

''کیونکہ وہ بڑے ہی بورنگ قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو شاعری کی اتنی انمول کتاب خالی خولی بیٹھ کر پڑھ رہے ہوتے ہیں۔'' عالیان نے اسے دلچسپ نظروں سے دیکھ کر، اس کی گود میں دھری کتاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو کیا چھری چاقو سے لیس ہو کر شاعری پڑھنی چاہیے؟'' نوریا نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا، وہ اب مکمل طور پر عالیان کی جانب متوجہ تھی۔

''اف......نوری یار کتنی بد ذوق ہو تم، تم ایک شاعری کی کتاب پڑھ رہی ہو، کسی سنسان سڑک پر اکیلی نہیں نکل رہیں، جو چھری چاقو سے لیس ہونے کی باتیں کر رہی ہو۔'' عالیان نے بد مزہ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا تو محترم با ذوق عالیان صاحب، ذرا کھل کر بتائیے کہ مجھے کن لوازمات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کتاب پڑھنی چاہیے۔'' عالیان کے جھنجلانے پر وہ زیر لب مسکاتے ہوئے بولی۔

''محترمہ کزن صاحبہ چائے یا کافی، کچھ تو خیال رکھا جاتا ان عناصر کا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوہ یہ تو واقعی مجھ سے بڑی بھول ہو گئی عالی، چائے تو خیر میں پیتی نہیں مگر کافی میری من پسند ہے۔'' نوریا نے سر پر دھیرے سے ہاتھ مارتے ہوئے خوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

''کافی مجھے بھی بے حد پسند ہے۔'' عالیان نے اسے فوراً سے جتایا۔

''کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ میں اپنی کافی کے ساتھ ساتھ تمہارے لئے بھی کافی بناؤں، اوہ اب میں سمجھی تو اتنی لمبی تمہید کافی کے چکر میں باندھی گئی تھی۔'' نوریا نے اسے شرارتی انداز میں دیکھتے ہوئے جتایا۔

''ایکسکیوزمی نوری بیگم آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ عالیان سکندر کافی صرف اپنے ہاتھ کی پینا پسند کرتا ہے، کسی اور کی بنائی ہوئی کافی کا ذائقہ مجھے پسند ہی نہیں آتا۔'' وہ گردن اکڑا کر جواباً جتا گیا۔

''جھوٹے، یاد دلاؤں صرف میرے ہاتھ

کی بنی کافی تمہیں اچھی لگتی ہے، کیونکہ میں تم سے زیادہ شاندار کافی بناتی ہوں۔'' وہ کاؤچ سے اٹھ کر اس کے سامنے کمر پر ہاتھ رکھ کر آ کھڑی ہوئی اور گھورتے ہوئے کہنے لگی۔

''بالکل بھی نہیں، وجہ یہ نہیں کہ تم مجھ سے زیادہ اچھی کافی بنالیتی ہو۔'' عالیان نے بھی اسی کے انداز میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا'' نوریا تے اسے آنکھیں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے اچھا کو کھینچ کر کہا۔

''تو پھر کیا وجہ ہے عالیان بے۔'' اس نے تپ کر طنزیہ انداز میں عالیان کو مخاطب کیا، عالیان بے اختیار مسکرا اٹھا۔

''وجہ محبت ہے، تم سے محبت ہے نوری۔'' اس نے دھیمے لہجے میں مسکرا کر جواب دیا، اس کی بھوری آنکھیں نوریا کے چہرے پر مرکوز تھی، وہ بہت پر اعتماد تھی مگر عالیان جب بھی یوں اچانک اپنی محبت کا برجستہ اقرار کرتا تھا، وہ جھینپ جاتی تھی۔

''یہ تم سے محبت ہے نوری جو تمہاری ہر بات تمہاری ہر شے، تمہارا ہر کام مجھے خود سے زیادہ عزیز ہے، ورنہ عالیان سکندر یوں کسی کے آگے زیر نہیں ہوتا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے نیازی سے جتا گیا، نوریا کے لبوں پر ایک محظوظ ہوتی مسکان پھیل گئی، اس کی خاموش نظریں عالیان کے چہرے کا محاسبہ کئے ہوئے تھیں۔

''میں کافی بنانے جا رہا تھا، سوچا تم سے بھی پوچھ لوں، کافی پیو گی ناں میرے ساتھ۔'' عالیان کافی کی پیشکش کرتے ہوئے کہا، نوریا نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا، عالیان نے اسے مسکرا کر دیکھا اور وہاں سے پلٹ گیا۔

''سنو عالیان۔'' اس کے پلٹنے پر نوریا نے اسے ہولے سے پکارا، جاتے جاتے عالیان نے اسے پلٹ کر دیکھا۔

''طلسم مصر ہے اس کے حسین ہاتھ میں۔''
''جو وہ بنائے تو، کافی کو جام کر دے گا۔''

اسے بغور دیکھتے ہوئے نوریا نے مسکرا کر ہولے سے گنگنایا۔

''یہ سحر تمہارا نہیں ہے عالیان، محبت کا ہے، جو میں چاہت سے شکست کھائے شخص کے ہمراہ کافی پینے کے لئے راضی ہوں۔'' وہ اسے واضح انداز میں جتا گئی، انداز میں تکبر تھا، لہجہ پر غرور تھا، ہونٹوں پر مسکان تھی، عالیان نے اسے دلچسپی سے دیکھا۔

''میں دنیا سے جیت سکتا ہوں نوریا، مگر تم سے نہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے ہار مان گیا، نوریا اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

☆☆☆

زندگی کیا ہے اک کہانی ہے
یہ کہانی نہیں سنانی ہے
اپنی تعمیر جان و دل کے لئے
اپنی بنیاد ہم کو ڈھانی ہے
یہ ہے لمحوں کا ایک شہر ازل
یاں کی ہر بات ناگہانی ہے
رنگ کی اپنی بات ہے ورنہ
آخر خون بھی تو پانی ہے
اے عبث کا وجود ہے جس سے
زندگی کو مراد پانی ہے
شام ہے اور صحن میں دل کے
اک عجب حزن آسمانی ہے

وہ خاموشی سے بیٹھیں خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھیں، چائے کی پیالی ان کے ہاتھوں میں پھنسی، اپنی گرمی کا احساس کھو چکی تھی، ان کی نگاہوں کے سامنے وقت کا پہیہ بہت تیزی

سے گھوم رہا تھا، ایک سرد سی شام ان کی سیاہ آنکھوں میں چپکے سے آٹھہری۔

''رحمان بھائی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سیما کے نام اس کے احترام پر کوئی حرف نہیں آئے گا، سیما کی عزت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے، میں اسے بہت خوش رکھوں گا، اس کی کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں چھوڑوں گا۔'' یہی لاؤنج تھا جہاں سلطان الدین ان کے بڑے بھائی کے سامنے بیٹھے اپنی محبت، اپنے جذبوں کی سچائی کا یقین دلا رہے تھے، وہ لاؤنج کی دیوار کا اوٹ لئے ان کی ساری باتیں سن رہی تھیں، رحمان بھائی کا جواب سننے کے لئے ان کا رواں رواں ہمہ تن گوش تھا۔

'سلطان میں جانتا ہوں تم جو بھی وعدے دعوے کر رہے ہو، وہ سب سچ ہے مگر ایک حقیقت اور بھی ہے اور وہ اتنی تلخ ہے کہ میں تمہاری محبت کی سچائی کردار کی پختگی پر یقین کر بھی لوں تو اس سچائی سے نظریں نہیں چرا سکتا۔'' رحمان اختر اتنا کہہ کر لحظہ بھر کو خاموش ہوئے تھے، ان کی بات سن کر سلطان الدین کے چہرے پر اضطراب سا پھیل گیا، وہ سامنے براجمان رحمان کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''تمہارا شہر، خاندان، رہن سہن ہم لوگوں سے یکسر مختلف ہے، چلو میں تمہاری اور سیما کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس واضح فرق کو نظر انداز کر بھی دوں تو اس بات کو کیسے بھلاؤں کہ تمہاری ماں اس رشتے پر راضی نہیں، وہ کسی طور پر بھی سیما کو اپنی حویلی کی بہو کے روپ میں دیکھنا نہیں چاہتیں، تم خود دل پر ہاتھ رکھ کر کہو سلطان میں سب کچھ جانتے بوجھتے کیسے اس حویلی میں اپنی ڈالی بہن کو بھیج دوں جہاں اس کا نہ کوئی قدر دان ہو نہ عزت دینے والا ہو۔'' رحمان اختر پریشان کن انداز میں سلطان کے سامنے اپنی مجبوری، اپنا نقطہ نظر پیش کرنے لگے، سیما اپنے بڑے بھائی کی فکر مندی جان کر ہولے سے مسکرا اٹھیں۔

''رحمان بھائی میں آپ کے اندیشے، پریشان وہم و گمان سب کچھ سمجھتا ہوں اور یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ جیسا شفیق مہربان خلوص و محبت والا انسان انہی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گا، آپ جن مسئلوں پر پریشان ہیں ان باتوں کی باریکیوں کو میں نے بھی کئی بار سوچا ہے اور بہت غور و خوض کے بعد میں ایک فیصلہ کر چکا ہوں۔'' رحمان اختر کی ذہنی پریشانی جان کر وہ فیصلہ کن لہجے میں بولے۔

''کیسا فیصلہ سلطان؟'' رحمان اختر نے چونکتے ہوئے دریافت کیا، خود سیما بھی اسی کیفیت سے دوچار تھیں۔

''میں نے حویلی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اگر اماں جی نے میری خواہش کا احترام نہیں کیا اور میری شادی سیما سے کروانے پر رضامند نہیں ہوئیں تو میں حویلی چھوڑ دوں گا، مگر سیما کی محبت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔'' سلطان الدین اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنا گئے، ان کے فیصلے پر رحمان اختر ہی نہیں سیما بھی دنگ سی رہ گئیں۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو سلطان حویلی چھوڑ دو گے؟ اپنا گھر، اپنا خاندان سب کچھ چھوڑ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔'' رحمان اختر سنجیدگی سے انہیں سمجھانے لگے۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ آسان نہیں ہے، مگر میں اپنی خوشی سے دستبردار نہیں ہو سکتا، محبت زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے رحمان بھائی، اپنے حصے کی محبت میں سیما کے نام کر چکا ہوں، دوبارہ نہیں کر سکتا، سیما کو چھوڑ کر میں کسی اور سے

شادی کرلوں اور اسے محبت نہ دے سکوں تو؟ وہ تعلق پھر رشتہ نہیں منافقت ہوگا، زیادتی ہوگی اور صرف اماں جی کی خوشی کی خاطر میں اپنے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ زیادتی نہیں کرسکتا۔'' سلطان الدین نے قطعیت سے اپنا موقف بیان کردیا۔

''سلطان آپ کی محبت میری زندگی کا غرور ہے، آپ کا ساتھ میرا فخر ہے۔'' سیما کو اس پل اپنی محبت پر بے پایاں فخر محسوس ہوا تھا۔

''تم جذباتی پن کا شکار ہو رہے ہو سلطان، یہ رشتے ناطے اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹتے، ماں باپ کو اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر تم کیسے خوش رہ سکتے ہو بھلا؟'' رحمان اختر اسے ٹوکتے ہوئے کہنے لگے۔

''تم ان سے بغاوت کر کے شادی کر بھی لو تو کب تک ان سے دور رہو گے، آج نہیں تو کل، کبھی نہ کبھی تو تمہیں اپنے خونی رشتوں کی یاد آئے گی ناں، پھر کیا کرو گے، تم یقینی طور پر ان کی جانب لوٹو گے اور تب سیما کا کیا ہوگا؟ تمہارے گھر والے اگر اسے تب بھی قبول نہ کریں پھر؟'' رحمان اختر کو ہزار اندیشے وسوسے ستانے لگے تھے۔

''میں اپنے وعدے سے پھرنے والا انسان نہیں ہوں رحمان بھائی، اگر ایسا ہوتا تو سیما کے لئے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھاتا، میں سیما کے حقوق کی حفاظت خود سے بڑھ کر کروں گا، میرے گھر والے جب تک سیما کو اپنی بہو قبول نہیں کریں گے تب تک میں واپس نہیں لوٹوں گا۔'' سلطان الدین ہر صورت میں اپنی بات پر قائم تھے، اور اس دن سیما کو اپنی محبت پر بے حد ناز ہوا تھا۔

''سیما کن خیالوں میں گم ہو؟ اور چائے بھی نہیں پی اب تک، دیکھو ذرا برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' شہیلہ کچن سے فارغ ہو کر لاؤنج میں داخل ہوئیں تھیں، سیما کو یوں سوچوں میں گم بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس چلی آئیں، چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھتے ہوئے وہ نرمی سے بولیں۔

''اوہ کچھ نہیں بھابھی، بس ایسی ہی سوچ رہی تھی کہ وقت کتنی تیزی سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔'' وہ اچانک چونکیں تھیں، سامنے شہیلہ کو پا کر سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

''وقت تو واقعی بہت تیزی سے گزر رہا ہے، ایک ہمارا دور تھا، جب زندگی ہمارے گرد گھوما کرتی تھی، کتنا خوش رنگ زمانہ تھا، جب میں رحمان سے اور تم سلطان بھائی سے نخرے اٹھوایا کرتے تھے، رحمان تو پھر مد بد مزاج تھے مگر سلطان بھائی تو تمہارے نخرے اٹھاتے نہ تھکتے تھے، مجھے آج بھی یاد ہے کہ تم دونوں کے درمیان کتنی خوبصورت ذہنی ہم آہنگی تھی، میں تو رحمان کو بھی تم لوگوں کی مثالیں دیا کرتی تھی۔'' شہیلہ بیتا وقت یاد کرتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''واقعی بھابھی بہت کمال کے دن تھے، بس جو وقت گزر گیا وہی خوبصورت ہے۔'' سیما ایک گہری سانس بھرتے ہوئے یاسیت سے بولیں۔

''کیا بات ہے سیما تم اتنی اداس کیوں لگ رہی ہو مجھے، اس بار جب سے آئی ہو بہت خاموش ہو، سب ٹھیک تو ہے ناں؟ سلطان بھائی تو ٹھیک ہیں ناں؟'' شہیلہ فکرمندی سیما کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''سب ٹھیک ہے بھابھی، پریشان کیوں ہوں گی بھلا میں؟ بس ایسے ہی کبھی کبھی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے، تو یونہی کچھ بھی بولتی چلی جاتی ہوں۔'' سیما بات بدل کر لہجے میں بشاشت بھرتے ہوئے بولیں۔

''مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم کچھ چھپا رہی ہو، اتنی بجھی بجھی سی رہنے لگی ہو اور سلطان بھائی سے بھی اس بار زیادہ بات نہیں ہو رہی، سچ سچ بتاؤ سیما کیا بات ہے آخر؟'' شہنیلہ بہت دنوں سے سیما میں در آنے والی یہ تبدیلی نوٹ کر رہی تھیں، آج موقع ملا تھا تو سیما کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔

''بھابھی آپ بھی ناں، نہ جانے کیوں میرے معاملے میں اتنی حساس ہیں، ذرا ذرا سی بات پر اتنی فکر مند ہو جاتی ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے میں نند نہیں بیٹی ہوں آپ کی۔'' سیما، شہنیلہ کے یوں پریشان ہو جانے پر ہنستے ہوئے کہتی چلی گئیں۔

''تم بھلے نند ہو سیما مگر مجھے بہت عزیز ہو، تم نے ہر مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دیا ہے، تم جانتی بھی ہو کہ میرا میکہ تو ہے ہی نہیں اور واحد سسرالی رشتہ بھی بس تم ہو اور تم نے کبھی بھی مجھے بہن کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، میرے اور رحمان کے درمیان میں اختلاف پیدا ہوا تو تم نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا، میں تو بہت خوش نصیب ہوں جو تم جیسی پیاری نند مجھے ملی۔'' شہنیلہ سیما کا ہاتھ تھام کر اپنے احساسات خوشگواریت سے بیان کرتی چلی گئیں، سیما ان کے خیالات جان کر مسکراتے ہوئے ہولے سے بولیں۔

''بھابھی یہ تو آپ کی محبت اور اعلیٰ ظرفی ہے، میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی بڑی بہن کے روپ میں دیکھا ہے، میں اور رحمان بھائی تو رشتوں کو ترسے ہوئے لوگ ہیں، ہم نے کم عمری میں ہی اپنے والدین کو کھو دیا، رشتے دار مالی پریشانی دیکھ کر ویسے ہی کترانے لگے، یہ تو بھائی کی ہمت تھی، جو کم عمری میں بھی اس خود غرض دنیا سے مقابلے کے لئے کھڑے ہوئے، م

انہوں نے دن رات ایک کر کے یہ مقام حاصل کیا جو ہم معاشرے میں سر اٹھا کر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے، پھر آپ ہماری زندگیوں میں شامل ہوئیں اور ہمارے گھر کو اپنی محبت اور خلوص سے صحیح معنوں میں جنت بنا گئیں، آپ نے کبھی احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ آپ ہم سے الگ ہیں، حتیٰ کہ مجھ آپ اور بھیا سے زیادہ اپنا کوئی محسوس ہی نہیں ہوتا۔''

''ارے واہ محسوس کیوں نہیں ہوتا؟ سلطان تم سے محبت نہیں کرتے کیا، بھئی ہمارے بہنوئی صاحب نے تو ڈنکے کی چوٹ پر تم سے محبت کی ہے اور اہم بات تو یہ ہے کہ نبھائی بھی خوب ہے، اپنے ہر وعدے ہر دعوے پر کھڑے اترے ہیں سلطان الدین، سچ کہوں تو تم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ خوش دیکھ کر تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔'' شہنیلہ ہنستے ہوئے سلطان الدین کی تعریف میں رطب اللسان تھیں، ان کی بات پر سیما کا چہرہ پھیکا پڑ گیا، دھیمے لہجے میں کہنے لگیں۔

''کہاں بھابھی، اب تو وقت بہت بدل چکا ہے، جس محبت کا رنگ بہت گہرا تھا، وہ اب ماند پڑنے لگا ہے، سلطان میں اب پہلے والی بات نہیں رہی۔'' سیما کی بات پر شہنیلہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم سیما، پہلے والی بات نہیں رہی؟ محبت کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے؟ کیا مطلب ہے ان باتوں کا؟ تم خوش نہیں ہو کیا؟ یا سلطان تمہارا اب خیال نہیں رکھتے۔'' شہنیلہ کئی وسوسوں میں گھریں سوال در سوال کرتی چلی گئیں۔

''خیال رکھنے نہ رکھنے کی بات نہیں ہے بھابھی، مسئلہ کچھ اور ہے۔'' سیما نے پژمردگی سے جواب دیا۔

''کیا مسئلہ ہے؟ تم نے ہمیں اب تک بتایا کیوں نہیں؟'' شہنیلہ نے فکر مندی سے سوال کیا۔

''کچھ عرصے قبل سلطان کا رابطہ اپنے بڑے بھائی آفاق سے ہوا تھا، تب سے نہ جانے کیا بات ہے سلطان بے حد مضطرب رہنے لگے ہیں اور اب کچھ ماہ سے انہوں نے حویلی واپس لوٹنے کی ضد باندھ لی ہے۔'' سیما آہستہ آہستہ انہیں تفصیل بتانے لگیں۔

''حویلی واپس لوٹنے کی ضد، سلطان کی کیا اپنی والدہ سے بات ہوئی ہے؟ کیونکہ حویلی پر تو ان کی ماں کا ہی رعب ہے، ان کے حکم کے بنا تو ایک پتا بھی نہیں ہلتا۔'' شہنیلہ تعجب سے دریافت کرنے لگیں۔

''نہیں بھابھی سلطان کی اماں ہی تو راضی نہیں ہیں اب بات پر کہ سلطان واپس حویلی میں لوٹیں، اگر وہ راضی ہوتیں تو سلطان کب کا لوٹ جاتے فیض پور۔'' سیما کی بات نے شہنیلہ کے چہرے پر بھی تفکر کر لکیریں کھینچ ڈالیں۔

''اوہ یہ تو کوئی خوشگوار بات نہیں، حویلی لوٹنے کا فیصلہ میں نہیں جانتی کہ سلطان کے لئے کیسا ثابت ہو، ہاں مگر میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ سیما تمہارے حق میں یہ فیصلہ کسی صورت بھی اچھا ثابت نہیں ہوسکتا۔'' شہنیلہ نے پرمبنی تجزیہ کیا۔

''میں جانتی ہوں یہ بات بہت اچھی طرح سے بھابھی، تب ہی تو پریشان ہوں۔'' ان کی بات پر سیما بے بسی سے بولیں۔

''پریشان ہوں؟ ارے تم تو اس طرح سے کہہ رہی ہو کہ جیسے تمہارے بس میں کچھ بھی نہیں، تمہیں پریشان ہونے کے بجائے سلطان الدین سے بات کرنی چاہیے، انہیں سمجھانا چاہیے کہ ان کا حویلی لوٹنے کا فیصلہ تمہارے حق میں برا ثابت ہوسکتا ہے، چلو اگر تمہاری ساس تمہیں بہو قبول کر لیتیں اور خوشی خوشی تم لوگوں کا استقبال کرنے کو تیار ہوتیں تو یہ بات سمجھ بھی آتی، سلطان الدین ان کی مرضی کے خلاف ایک بار پھر فیصلہ کریں گے تو نتائج اچھے نہیں ہوں گے، تمہیں یہ بات سمجھنا چاہیے سلطان کو۔'' شہنیلہ انہیں سمجھاتے ہوئے مشورہ دینے لگیں۔

''بھابھی آپ کو کیا لگتا ہے میں نے سمجھایا نہیں ہوگا سلطان کو؟ وہ تو بالکل ضد پر اڑ گئے ہیں، کوئی بھی بات سمجھنے کے لئے راضی ہی نہیں ہیں اور آپ تو جانتی ہیں کہ جب سلطان ضد پر آتے ہیں تو اپنی کر کے رہتے ہیں۔'' سیما بے بس لہجے میں کہنے لگیں۔

''ہونہہ...... سمجھ رہی ہوں سیما، آج رحمان کی کہی ہوئی ایک بات یاد آرہی ہے۔'' شہنیلہ پر سوچ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''کون سی بات بھابھی؟'' سیما نے ٹھٹک کر استفسار کیا۔

''جب سلطان نے حویلی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا تب تم بھی اس سے شادی کے لئے ضد ہو گئیں تھیں، رحمان تب بہت پریشان تھے، وہ یہی کہہ رہے تھے کہ مرد بہت طویل عرصے تک اپنے اصل، اپنے خون سے دور نہیں رہ سکتا، آج سلطان، سیما کی خاطر اپنے گھر والوں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو گیا ہے، سیما اس کی دسترس میں چلی گئی تو پھر اسے حویلی کی فکر ستانے لگے گی، تب کیا وہ سیما کے متعلق سوچے گا؟'' شہنیلہ نے رحمان اختر کی بات یاد کرتے ہوئے کہا، سیما خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھتی چلی گئی۔

''تب بھی تمہارے بھائی کو یہی فکر ستا رہی تھی کہ سلطان الدین کبھی بھی اپنے کہے سے پھرنے والا نہیں، تمہاری محبت کی تڑپ میں اس

نے اپنے خونی رشتوں سے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا اورکوئی بھی اسے اس کے فیصلے سے ہٹا نہیں سکا، کل یہی فیصلہ جب اپنے گھر والوں کے لئے وہ فیصلہ کرے گا، تو سیما کیسے روکے گی اور آج ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے بھائی کا خدشہ سچ ثابت ہوگیا ہے۔'' شہنیلہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

''بھابھی خون کی کشش کبھی مدھم نہیں ہوتی، سلطان مجھ سے شادی تو کر چکے، بے انتہا محبت کی مجھ سے حد سے زیادہ خیال رکھا، مگر اس کے باوجود کہیں نہ کہیں ان کے دل میں اپنے خاندان کو چھوڑنے کا پچھتاوہ موجود تھا، وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تنہائی پسند ہونے لگ گئے، زبان سے کچھ نہ کہتے مگر میں ان کے دل کا حال جان چکی تھی، بھابھی مجھے پریشانی حویلی واپس لوٹنے سے نہیں ہے، مجھے ان کی اماں کا خوف کھائے جا رہا ہے، وہ بہت سخت گیر عورت ہیں، معاف کرنا ان کی سرشت میں نہیں، آپ نہیں جانتیں کہ سلطان ان سے کتنی بار معافی مانگ چکے ہیں، مگر وہ عورت اتنی سخت دل کی مالک ہیں کہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ رہیں۔'' سیما کہتے کہتے آبدیدہ سی ہوگئیں۔

''ارے سیما، تم رو کیوں رہی ہو؟ کیا کہا ہے ایسا سلطان الدین کی ماں نے جو تمہاری آنکھوں میں یوں آنسو آ گئے ہیں۔'' شہنیلہ پریشانی کے عالم میں سیما کا ہاتھ نرمی سے تھام کر سہلاتے ہوئے بولیں۔

''بھابھی انہوں نے ایک شرط رکھی ہے سلطان کے حویلی لوٹنے کی۔'' سیما نم لہجے میں بولیں۔

''کیسی شرط سیما؟'' شہنیلہ ہزار خدشوں میں مبتلا ہوئیں۔

''وہ کہتی ہیں کہ حویلی واپس لوٹنے ک لئے سلطان کو مجھے چھوڑنا ہوگا، اسی صورت وہ سلطان کو حویلی آنے کی اجازت دے سکتی ہیں۔'' سیما نے رندھے ہوئے لہجے میں اصل حقیقت بتائی۔

''یا اللہ رحم، یہ خاتون تو اب تک انتقام کی آگ میں جھلس رہی ہیں اور سلطان یہ شرط جان کر بھی حویلی لوٹنا چاہتے ہیں؟'' شہنیلہ کے لہجے سے بے یقینی واضح طور پر جھلک رہی تھی۔

''سلطان یہ شرط کسی صورت بھی ماننے کو تیار نہیں، مگر وہ ہر صورت میں حویلی لوٹنے کے لئے بضد ہیں، بھابھی یہ ماں بیٹے کی جنگ میرا دل دہلا رہی ہے، سلطان اس بار پاکستان موو ہونے کی نیت سے آ رہے ہیں، ان کا یہاں سے واپس لوٹنے کا اب کوئی ارادہ نہیں۔'' سیما نے تمام تفصیل شہنیلہ کے سامنے گوش گزار کرڈالی، حقائق جان کر شہنیلہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔

''یہ بتاؤ سیما، کیا عالیان اس ساری صورتحال سے واقف ہے؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد شہنیلہ نے سوال پوچھا۔

''نہیں بھابھی اسے کچھ بھی معلوم نہیں، سلطان فی الحال اسے کچھ بھی نہیں بتانا چاہتے، اگر عالیان حقائق جان لے گا تو فیض پور جانے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوگا، اسی لئے سلطان اس کے علم میں یہ باتیں لانے کے لئے صحیح وقت کا انتظار کررہے ہیں۔'' سیما نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ہولے سے جواب دیا۔

''ہونہہ، بہرحال تم پریشان نہ ہو سیما، میں رحمان سے اس مسئلے پر بات کروں گی، تم حوصلہ رکھو اور خود کو کمزور مت سمجھو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، میں رحمان سے کہوں گی کہ وہ سلطان سے بات کریں اور سمجھائیں۔'' شہنیلہ نے سیما کو سمجھاتے ہوئے ہمت بندھائی، شہنیلہ کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرکے سیما کو خود بھی

اطمینان کا احساس ہوا تھا، بھابھی کے حوصلہ دینے پر وہ اثبات میں سر ہلا کر دھیرے سے مسکرا گئی۔

☆☆☆

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کر دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
سو اپنے آپ کو برباد کرکے دیکھتے ہیں

اس نے اپنے جدید انداز میں تراشے سنہری بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کیا اور دکان میں بیٹھے سیلز مین کا دل بری طرح سے دھڑک اٹھا، اس نے اپنے کٹیلے کاجل کر سیاہی سے بھرے بھورے نین سیلز مین کے حواس باختہ چہرے پر گاڑھ دیئے اور شدید مایوسی کے عالم میں کہا۔

''مجھے لپ اسٹک کا جو شیڈ چاہیے تھا وہ آپ کے پاس تو ہے ہی نہیں۔''

''جی کون سا شیڈ چاہیے تھا، آپ بتائیں تو سہی، یہ بندہ ابھی حاظر کر ڈالے گا۔'' سیلز مین بے قراری سے بولا۔

''بلڈ ریڈ، یہ شیڈ چاہیے تھا، مگر اتنے سارے شیڈ یہاں ٹرائی کر لئے مگر میرا من پسند شیڈ اب تک نہیں ملا۔'' اس نے سامنے رکھے شیشے کو اٹھا کر اپنے رخ روشن کا سراہتی نگاہوں سے دیدار کیا، لبوں پر لپ اسٹک کا مرجنڈا شیڈ اس کی گوری رنگت پر خوب جچ رہا تھا۔

''لگتا ہے اب کسی اور کاسمیٹکس شاپ پر ڈھونڈنا پڑے گا۔'' اس نے کن اکھیوں سے بوکھلائے ہوئے سیلز مین کو دیکھا اور جتاتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں میم، بلڈ ریڈ شیڈ بھی ہے میرے پاس، امپرٹڈ برانڈ ہے، بس آپ جیسے خاص کسٹمر کے لئے ہے، کہاں گیا، یہ رہا۔'' سیلز مین سرعت سے اپنے شوکیس میں تلاش کرتے ہوئے بولتا چلا جا رہا تھا، اس نے جلدی سے اپنا بیگ کھولا اور سیلز مین سے نظر بچا کر کئی کاسمیٹکس آئٹم بیگ میں ڈالنے لگی، صرف چند ثانیے میں وہ کاسمیٹکس کے سامان سے اپنا بیگ بھر چکی تھی۔

''یہ دیکھیں میم، آپ کا پسندیدہ لپ اسٹک شیڈ۔'' سیلز مین نے لپ اسٹک یوں اس کے سامنے پیش کی جیسے کوئی خزانہ ڈھونڈ نکالا ہو۔

''ہائے اللہ، یہ تو واقعی وہی شیڈ ہے جو مجھے چاہیے تھا، ہائے آپ نے ڈھونڈ نکالا آخر، میں نے پوری مارکیٹ چھان لی تھی مگر کہیں نہیں ملا۔'' اس نے خوشی کا والہانہ اظہار کرتے ہوئے کہا اور جھٹ سے لپ اسٹک سیلز مین کے ہاتھ سے جھپٹ کر شیشہ سامنے کرکے ہونٹوں پر لگانے لگی، سیلز مین وارفتگی کے عالم میں اسے دیکھے چلا گیا۔

سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سو ہم بہار پر الزام دھر کر دیکھتے ہیں
سنا ہے آئینہ تمثال ہے جبیں اس کی
جو سادہ دل ہیں اسے بن سنور کر دیکھتے ہیں

''کیسی لگ رہی ہے مجھ پر لپ اسٹک، ہاں بتاؤ ذرا؟'' اس نے اپنے دونوں ہونٹوں کو آپس میں ملا کر لپ اسٹک ہموار کرتے ہوئے سیلز مین سے پوچھا۔

''بڑی حسین لگ رہی ہے جی، کہیں نظر نہ لگ جائے۔'' سیلز مین نثار ہوتے ہوئے بولا۔

''بھلا نظر کس کی لگے گی مجھے؟'' اس نے ترچھی نظروں سے سیلز مین کو دیکھ کر اک ادا سے ٹوکا۔

''میری ہی نہ لگ جائے کہیں۔'' سیلز مین نے بتیسی نکالتے ہوئے کہا۔

''ہٹ بدمعاش۔'' اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔

''سچ میں میم آپ بہت حسین لگ رہی ہیں۔'' سیلز مین نے بے تکلفی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ، قیمت بتاؤ اس لپ اسٹک کی۔'' اس نے اپنا بیگ کھولتے

اب ہمیشہ یاد رہے گا۔'' اس نے ایک ادا سے معنی خیز جواب دیا، سیلز مین کی لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ کھل اٹھی، وہ جانے لگی تو وہ بے اختیار کہہ اٹھا۔

''آپ کا نام کیا ہے، یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں؟''

''مونا...... مونا نام ہے میرا۔'' مونا نے پلٹ کر مسکرا کر جواب دیا۔

☆☆☆

وہ پوری ہمت مجتمع کر کے بڑی مشکل سے اٹھ پائی، شکاری کتوں کی آواز نزدیک تر ہوتی چلی جا رہی تھی، اس نے ایک بار پھر بھاگنے کی کوشش کی، مگر کانٹے کی چبھن نے اس کی مجتمع ہمت کو ایک بار پھر توڑ ڈالا۔

''آہ۔'' وہ کراہ اٹھی، مگر تکلیف بھلا کر پھر سے بھاگنے لگی، اس کا دوپٹہ کانٹوں میں الجھ کر پھٹتا چلا گیا، مگر وہ ہر شے سے بے نیاز سرپٹ دوڑتی چلی گئی، دفعتاً اسے اندھیرے میں روشنی کے دو گولے نظر آئے، اس نے لحظہ بھر کو رک کر دیکھا، وہ دو کھیتوں کے درمیان سے گزرتی ایک ذیلی سڑک تھی، جہاں سے وہ گاڑی گزر رہی تھی۔

''یہ گاڑی، اس سے پہلے کہ یہ گاڑی یہاں سے گزر جائے مجھے اس گاڑی تک کسی بھی طرح سے پہنچنا ہو گا۔'' شمع نے خود کلامی کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا، کتوں کے بھونکنے کے ساتھ ساتھ اب کچھ لوگوں کے بھاگتے قدموں کی آواز بھی اب اس کے تعاقب میں تھی، اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر اتارا اور سڑک کی سمت بھاگنے لگی۔

''او پکڑو پکڑو اسے، وہ بھاگ رہی ہے۔'' شمع کو اپنے پیچھے شور سا سنائی دیا، اس نے بھاگتے ہوئے بے اختیار پلٹ کر دیکھا، وہ شاہ ویز کے ساتھی تھے جو اسے فرار ہوتا دیکھ کر اس کے پکڑنے

ہوئے پوچھا۔
''میم بس دو ہزار کی ہے۔'' سیلز مین نے اس مہ جبین کو میٹھی میٹھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔
''اچھا بس دو ہزار کی، رکو ذرا ایک منٹ، یا میرے اللہ میرا والٹ۔'' وہ بیگ میں رقم تلاش کرتے کرتے اچانک چیخ پڑی۔
''کیا ہوا میم؟'' سیلز مین گھبرا گیا۔
''میرا واٹ کہیں گر گیا۔'' اس نے مظلومیت کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے سیلز مین کو دیکھا۔
''میں اب یہ لپ اسٹک نہیں لے سکتی، آپ واپس رکھ لیں۔'' اس نے مایوسی سے سیلز مین کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''ارے ایسے کیسے، آپ لے جائیں لپ اسٹک میم، پے منٹ پھر آ کر کر جایئے گا۔'' سیلز مین نے اس کی مشکل ہوا میں اڑاتے ہوئے کہا۔
''ہائے تم تو واقعی بڑے اچھے ہو، ایک کام کرو اپنا موبائل نمبر دے دو، میں شام تک تمہیں یہ رقم ایزی پیسہ سے شیئر کر دوں گی۔'' وہ جھٹ راضی ہوتے ہوئے بولی، سیلز مین کی تو من کی مراد بر آئی، وہ بھی جلدی جلدی اپنا نمبر نوٹ کروانے لگا۔
''وقار نام ہے میرا، نام سے نمبر سیو کر لیں۔'' لپ اسٹک کا پیکٹ وہ اس کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔
''سیو کرنے کی کیا ضرورت ہے، یہ نام تو کے لئے بھاگ رہے تھے۔
''شاہ ویز بس آنے ہی والا ہو گا اور اس کے آنے سے قبل یہ بھاگ گئی تو وہ ہمیں سلامت نہیں چھوڑے گا۔'' کاشف کی گھبرائی ہوئی آواز شمع کی سماعتوں سے ٹکرائی، اس کے قدموں کی رفتار مزید تیز ہو گئی، اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند تیز چل رہی تھیں، اس وقت اسے اگر کسی بات کی پرواہ تھی تو وہ اس کی عزت تھی اور اپنی حرمت کو بچانے کے لئے وہ اپنی جان سے بھی گزر سکتی تھی، بھاگتے بھاگتے وہ سڑک تک جا پہنچی تھی، وہ گاڑی اس سے ذرا سے ہی فاصلے پر تھی، شمع سڑک کے عین وسط پر جا کھڑی ہوئی، ہاتھ ہلا کر وہ گاڑی کو رکنے کا اشارہ کرنے لگی، شاہ ویز کے ساتھی اسے سڑک پر پہنچتا دیکھ کر وہیں رک گئے۔
''ابے یار یہ تو نکل گئی ہاتھ سے۔'' کاشف نے ہاتھ ملتے ہوئے افسوس سے کہا۔
شمع تیز تیز سانسیں لئے اپنے ہاتھوں کو فضا میں بلند کر کے ہلا رہی تھی، گاڑی قریب آنے پر وہ بلند آواز میں صدا لگانے لگی۔
''مدد کرو میری، خدارا میری مدد کرو۔'' گاڑی کی ہیڈ لائٹس اب سا کے بے حال وجود کا احاطہ کر رہی تھیں۔
''مدد کرو میری خدارا مجھے بچاؤ ان شیطانوں سے۔'' شمع نے روتے ہوئے صدا لگائی۔
گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی، مگر اس کی ہیڈ لائٹس آن تھیں، شمع گاڑی کو رکتا دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے آگے بڑھی، مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑی، گاڑی کا فرنٹ ڈور ایک جھٹکے سے کھلا تھا، شمع نے ہانپتے ہوئے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔
وہ دروازہ کھول کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، شمع کا پورا وجود گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نہایا ہوا تھا، مگر آنے والا مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، شمع نے آنکھیں سکیٹر کر اسے دیکھنے کو کوشش کی، وہ دھیرے سے اس پر جھکا، اگلے ہی پل شمع کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
(باقی اگلے ماہ)

عائشہ سکندر
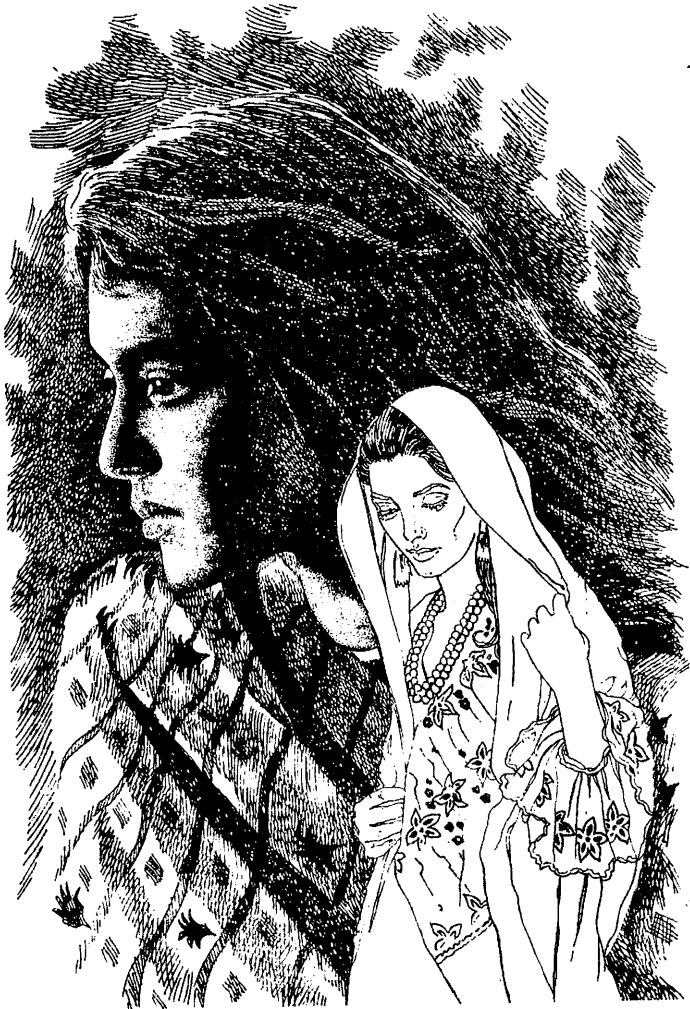
ہم بشر مجوف ہیں، تعجب؟
اسرافی متقاضی البتہ مرطوب
بے شعم، بے ضمیر، بے ایمان اور
مفاد پرست معاً سیاہ قلب!
جو پار ہو گئے براہ راست، آنکھوں
میں چبھ کر، وہ رہ لئے مگر کیسے؟
ہاں گھٹ گھٹ کر، اس کے سر دل
بنا پٹ خلا ہے، عکس کا، ایک فرد جو ہے
آشنائے خروش!
واعظ کا وعظ اور فرد ذہن، رعشہ سمجھ
بھینٹ چڑھی بے بسی، تنعم پرخاش وارتعاش
پائے رفتن ناماۓ ماندن!
کل کائنات کے سربراہ کی ہانپ بن صوت
پرداخت بنا پرداخت، پاداش آثم پاداش
حکمت از حکمت، حیص بیص بلا آخر
ایک سعی، قافلہ مسلماں کے لئے واضع
من حیث پردہ فاش، حمیت دفاع
ایک عمل کا عملاً، ایک صلہ کا ثمراً
کجا سزا و جزا؟
محض عملاً ثمراً!

مغربی طرز کے پرتعش لاؤنج کا اندرونی منظر:۔

اندر جانکو تو مشرقی دیوار پر میسونائٹ اکریلیک آرٹ سے سجے ہوئے نمونوں کے درمیان لاوارث چالیس انچ سے تجاوز ایل ای ڈی نصب تھا، ٹھیک اسی کے سامنے تکونی مرکزی عرشے میں فراری رنگ صوفہ سیٹ پڑا تھا جس کے کونوں میں کینڈی ایپل پلنگ پوش پڑے تھے، مخروطی چھت سے لٹکتا بارہ سینگا سینگ کی مانند ٹہنیوں کا فانوس اپنے پروں پر بلبوں کی مالا سجائے مکمل روشن تھا، اس کا عکس نیچے بالشت بھر تکونی میز میں کسی طلسم کی طرح تھا، پہلو میں رکھی تپائی پر پڑی کرسٹل گرین ایش ٹرے سگار کی راکھ سے مکمل بھری ہوئی تھی، آس پاس جس کے جلے ہوئے سگاروں کے ٹکڑے جا بجا پڑے تھے، آڑے، ترچھے، دائیں بائیں۔

اس وقت لاؤنج میں آسیبی خاموشی کا راج تھا ماسوائے تین موتی ارتعاش کے اول ایل ای ڈی پر چلتے خبر ناموں کی آواز، دوئم تکونی میز کے ستون سے اپنا، "فر" رگڑتی سٹیلا کی میاؤں میاؤں اور سوئم باہر مستطیل گیٹ پر بندے رابرٹ کی غوں غوں، ایک چوتھی آواز اور بھی تھی، مرکزی صوفے پر براجمان اس ہیولے کی سانسوں کی مدھم آواز، جو کہیں اندر ڈوب کر ابھر رہی تھی۔

خدوخال کچھ یوں تھے۔

جھری زدہ، مرجھایا، زرد سفید نیز نور سے عاری بیزار چہرہ، پیشانی پر اوپر تلے چند شکن، پچکے گال، سیاہ بگڑے ہونٹ جو اس وقت سگار کی پھونک سے مزید بگڑے ہوئے لگ رہے تھے، شیطانی، طیش، ولولہ، گھمنڈ اور معیار کی سرپرستی کرتی آنکھیں، روپہلے بال، کلین شیو، اس وقت وہ سیاہ پتلون اور سرمئی شرٹ کے اوپر خاکستری اوورکوٹ پہنے بے حد سرد مہری اور استہزایت سے سامنے ایل ای ڈی پر چلتی خبر نامے کی سرخ پٹیاں پڑھ رہا تھا، دائیں ہاتھ میں سگار، سرخ و متورم آنکھیں۔

نیم خوابی کی خمار!

"نجی ہسپتال کے ڈاکٹرز انسانی جانوں سے کھیلنے لگے، گزشتہ روز گردن توڑ بخار کا علاج کروانے کے لئے آنے والی بدین کی ننھی سلیمہ ڈاکٹرز کی غفلت کی بھینٹ چڑھ گئی، ذرائع کے مطابق ڈھائی سالہ سلیمہ گردن توڑ بخار کے عارضے میں مبتلا تھی جس کے باعث اسے اسلام

آباد لایا گیا جہاں وہ غلط انجکشن لگنے سے دم توڑ گئی، وحشی ڈاکٹر فرار، مقدمہ درج کرلیا گیا، اطلاعات کے مطابق سلیمہ کو آپریٹ کرنے والا ڈاکٹر.....'' اس نے جھنجھلا کر ایل ای ڈی بند کر دیا، رنگین اسکرین پر سرمئی رنگ ایک فلیش سے چھا گیا۔

وہ استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا ذرا آگے ہوا، سگار کا جلا حصہ ایش ٹرے میں جھاڑا، پھر اس کا جلا حصہ مسل کر اسے بجھا دیا، ایک نظر اٹھا کر سامنے کوارٹز کی چکور گھڑی کو دیکھا جس کی سوئیاں ہندسوں کی بجائے سفید چمکیلے ہیروں سے لگ کر رات کے ساڑھے تین بجا رہی تھیں۔

بے رحمی سے کن پٹی مسلی، ابھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہی ہوا تھا کہ دفعتاً اس کا موبائل بجا، میز پر جھک کر فون اٹھایا، کال کرنے والے کا نام پڑھ کر ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی، آرام سے کال اٹینڈ کی اور صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھ گیا۔

''جی کہیے بختاور صاحب، رات کے اس پہر کیسے یاد کیا؟'' استہزائیہ انداز میں پوچھتا وہ ٹانگ جھلانے لگا، چہرے پر ہنوز کمینی مسکراہٹ تھی، کال کی وجہ وہ خوب جانتا تھا۔

دوسری طرف ایس پی بختیاور خان نے سامنے دھری فائل کا سرسری سا جائزہ لیا پھر سامنے ہولڈر سے پین نکال کر سائن کرتے ہوئے بے حد سرد مہری سے کہنے لگا۔

''مجرم اور پولیس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں سلیم وتھرا صاحب، جہاں جہاں مجرم، وہاں وہاں پولیس پھر چاہے سہ پہر کے چار بج رہے ہوں یا رات کے، وردی والوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے فائل سامنے مودب کھڑے سپاہی کو پکڑائی پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر خود کو مکمل پرسکون کیا اور بڑے تحمل سے کہا۔

''سلیمہ کی خبر تو پڑھی ہی ہو گی، سوچا ذرا ٹاک شو ہو جائے۔'' اس نے جواباً دایاں پاؤں اتار کر بائیں ٹانگ اس پر چڑھائی گویا پہلے وہ مصنوعی لگ رہا تھا اور اب کچھ زیادہ ہی مصنوعی آرٹیفشل۔

''خدا ہدایت دے ایسے خونخوار ڈاکٹروں کو، بیچاری سن کر افسوس ہوا، چچ چچ، اللہ جنت عطا کرے، تم بتاؤ ایس پی سنا ہے کوئی پرچہ ورچہ بھی کٹوایا ہے لواحقین نے؟'' اس نے دبے الفاظ میں اپنی تسلی کروانی چاہی۔

''جی اور انہی لواحقین نے کسی سلیم وتھرا نامی شخص پر پرچہ کٹوایا ہے۔'' بذات خود تو ایس پی نے چونکانے والی خبر دی تھی، مگر دوسری طرف ماسوائے ایک زوردار قہقہے کے کوئی جواب نا ملا، اس کے اس طرح ہنسنے پر بلا جواز ہی ایس پی کلس کر رہ گیا۔

''چھوٹے لوگ ہیں بیچارے، جانتے نہیں ہونگے نا سلیم وتھرا ہے کون۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی پھر قدرے توقف سے چلتے چلتے کہنے لگا۔

''ایسے لوگوں کو محض پیسہ اور لوگوں کی سستی ہمدردی چاہیے ہوتی ہے لہٰذا ایس پی صاحب دل پہ نا لیں، لوگوں اور ان میڈیا، پولیس والوں کا یہ بچپنا چلتا رہتا ہے، سلیم وتھرا کا نا کوئی کچھ برا کر سکا ہے اور نا کچھ برا کر سکے گا، آئی ول بھی آلویز فائن۔'' تکبرانہ انداز میں کہتا وہ ایل ای ڈی کے مقابل رکھے بیئر اسٹینڈ تک آیا، وائن گلاس میں نکال کر سیپ لیا۔

''پولیس جب پانچواں مذہب (ٹارچر سیل) دکھاتی ہے نا تو وتھرا صاحب، بال ہی تو

بھیگا نہیں ہوتا، باقی مجرم میں کچھ خاص بچتا نہیں، خیر آپ سے گلہ نہیں، آپ نے ابھی تک پانچواں مذہب دیکھا ہی کہاں ہے۔" ایس پی نے تمسخرانہ شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"سنو ایس پی!" وائن گلاس ہاتھ میں پکڑے وہ قدم قدم چلتا صوفے تک آیا، سنجیدگی سے آگے ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں ہوں پاکستان فارمیسی کے ڈیویلپمنٹ اور مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ، کون ہوں میں؟ ہیڈ اور ہیڈ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" لہجے میں غرور آیا، میز کے نیچے سے سٹیلا کو اٹھا کر گود میں بٹھایا اور اس کے فر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے تحمل سے کہنے لگا۔

"اور جہاں ہیڈ ہوتا ہے نا، وہاں باڈی کی نہیں چلتی۔"

"سلیم وتھرا صاحب۔" ایس پی نے موبائل پکڑے بائیں ہاتھ کی کلائی میں پہنی گھڑی گھمائی۔

"ہیڈ تو چاہیے باقی دھڑ کا ہم نے کرنا بھی کیا ہے اور جب وہ ہیڈ نہیں رہے گا نا، تو یہ یعنی میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ بن جاؤں گا اور جانتے ہیں ہیڈ کیا ہوتا ہے؟ ہیڈ ہوتا ہے ویری ایزنشل اور ویری ایمپورٹنٹ اور ہیڈ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" ایس پی نے چبا کر اس کے الفاظ اس کو سود سمیت لوٹائے۔

"ایس پی جوان ہو، گرم خون ہے، خود کو ٹھنڈا رکھو، پولیس مجھے ہاتھ بھی نہیں......"

"کس نے کہا ہے پولیس ہاتھ لگاتی ہے وتھرا صاحب، الحمدللہ حکومت نے بید کی نئی چھڑیاں لاؤنچ کر دی ہیں۔" ایس پی زیر لب ہنسا۔

دوسری طرف اس نے شدت ضبط سے دانت چبا ڈالے، اس کے غصے کو سٹیلا کی نرم و گرم فر نے بھی اپنے اوپر محسوس کیا۔

"مجھے ہلکا مت لو۔" انگلی اٹھا کر شعلہ بار آنکھوں سے جیسے تنبیہی کی۔

"ابھی تک پیار سے سمجھاتا آیا ہوں، آئندہ پیار سے نہیں وار سے سمجھاؤں گا۔"

"سمجھنے، سمجھانے کا وقت نکل چکا وتھرا صاحب۔" اس نے مکمل طور پر ہلکا لیا۔

"اب ایگزام کا وقت ہے، عدالت ریزلٹ بتائے گی اور میں ریمارکس دوں گا۔"

"ایس پی تمہاری دس سالہ بیٹی بڑی خوبصورت ہے۔" لہجے میں کمینگی در آئی۔

"کیا نام تھا، ہاں عبصا، نائس نیم۔" الفاظ سے الٹی میٹم دیتا ہوا، وہ چپ ہوا۔

"پسند ہیں مجھے پیارے لوگ۔"

"مجھے وحشی لوگ پسند ہیں۔" مٹھیاں فرط جذبات سے بھینچیں مگر اس وقت اسے خود کو ٹھنڈا رکھنا تھا۔

"پہلے اس لیے تم پہ ہاتھ نہیں ڈالا کہ میرے پاس میری فیملی تھی اور ثبوت نہیں تھے مگر اس بار۔" وہ قدرے رکا، ایک سانس اندر اتاری۔

"اس بار میں پوری تیاری کے ساتھ آنے والا ہوں، پھر تم دیکھو گی ایس پی بختاور ہے کون سمجھے تم۔" آخری الفاظ شدید تلخی سے ادا کرتے ہوئے اس نے فون کھٹ سے بند کر دیا، مضطرب حالت میں چلتا ہوا اپنے کمرے سے باہر آیا، باہر بیٹھے پولیس اہلکار چوکنا ہو گئے۔

Morning raid on withra,s house, arrange staff 5am in the

"صبح پانچ بجے وتھرا ہاؤس پہ چھاپہ، سٹاف

تیار کرو۔" حکم صادر کرکے وہ بنا رکے پولیس اسٹیشن سے نکل کر ڈرائیو وے تک آیا، باہر گہری نیلاہٹ چھائی ہوئی تھی، یہ اوائل سرما کی رات تھی، ٹھنڈی سر درات۔

"میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔"

"تمہاری دس سالہ بیٹی بہت خوبصورت ہے۔"

"گرم خون ہے خود کو ٹھنڈا کرو۔"

"بیچاری، سن کر افسوس ہوا، اللہ جنت نصیب کرے۔"

"میں ہیڈ ہوں اور ہیڈ......"

"Damn it۔" ایک پتھر کو زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کہا، پتھر دور اڑتا ہوا جا گرا۔

گردن کے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ کر خود کو کمپوز کیا، غصے اور نفرت سے اس کی رگیں تن گئیں کچھ اس طرح کہ کوئی اسے ذرا سا بھی ہاتھ لگاتا تو ٹن سے بج جاتا۔

سیاہ شرٹ اور خاکستری پتلون میں ملبوس وہ اہلکار کافی وجیہہ اور پرکشش تھا، چھوٹی مگر گہری اخروٹی آنکھیں، تنی آبرو، سیدھی کھڑی ایرانی مردوں جیسی ستواں ناک، سیاہ بال جن کو جیل سے پیچھے کیا ہوا تھا، سردی کے باوجود بھی اس کی شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے، بائیں کلائی میں سیاہ گول گھڑی جسے وہ عادتاً گھماتا تھا چہرے پر سنجیدگی اور تفکر اور ارادوں میں فرض شناسی اور وفاداری۔

اب خیالات ہواؤں کے دوش پہ اڑتے ہوئے، پولیس اسٹیشن کے ڈرائیوے سے نکل کر باہر آئے، اونچے اڑتے ہوئے، سیاہی سے ٹکراتے، سڑکوں پر گرتے، سنبھلتے، ایک دوسرے سے خود کو بچتے بچاتے، دیواروں سے سر پٹختے ایف الیون سیکٹر میں ذرا اونچائی پر بنے اس بنگلے تک آئے، جہاں سفید مستطیل گیٹ کے ساتھ بنی چوکی کی عقبی دیوار سے لگی کھونٹی سے رابرٹ بندھا تھا، سیاہ اور خاکی بڑے بالوں والا رابرٹ، اس سے خود کو بچاتے، چھپتے چھپاتے اس پرنقش لاؤنج میں داخل ہوئے جہاں ایس پی کے کال کاٹنے پر سلیم وتھرانے موبائل کان سے ہٹایا۔

کچھ دیر کے لئے موبائل کی بجھی سرمئی اسکرین کو اچنبھے سے دیکھا، تشویش کی ایک لہر اس کے خون میں سرائیت کرگئی، حیرت اور تفکر نے اس کے ماتھے کا احاطہ کرتے ہوئے بھنوؤں کو حکم دیا کہ وہ تن جائیں اور خون کی رفتار چہرے کی اور بڑھا کر اسے سرخ کر ڈالا، دانتوں تک آ کر انہیں حکم دیا کہ ایک دوسرے سے لگ کر بجنے لگیں، آنکھوں کو اطلاع موصول ہوئی کہ وہ فرط جذبات سے کچھ لمحے کے لئے بند ہو جائیں، ہاتھوں کو آرڈر ہوا کہ موبائل کو مٹھیوں میں دیوچ لیں، ٹانگوں کو فون ہوا کہ پیر کے پنجے تلوؤں کی طرف سختی سے مڑ جائیں، اس طرح Sympatheth نروس سسٹم نے جسم کو غصے کے اور ریکشن سے محفوظ کرلیا، چند پل سر کے چند لمحے کٹے۔

کچھ دیر گزری اور اعصاب بحال ہوئے، آنکھیں کھل گئیں، بھنویں سیدھیں ہوئیں، دانت رک گئے، چہرہ سفید پڑا، پیروں کے پنجے غیر مرئی دباؤ سے آزاد ہو گئے، مٹھیاں کھل گئیں Oasasympathethe نروس سسٹم جسم کو اپنے ابتدائی حال میں واپس لے آیا۔

اس نے کچھ گہری سانسوں سے پھیپھڑوں کو پھلایا، پھر ہاتھ میں پکڑے فون سے کٹ کٹ کسی کا نمبر ملانے لگا، تیسری بیل پہ فون اٹھا لیا گیا۔

"سنو احمد! سلیمہ کے کیس کا کیا چکر ہے؟"

بغیر رسمی علیک سلیک کے سیدھا مدعے پہ آیا، پھر قدرے جواب کے انتظار میں کچھ دیر رکا۔

''کیا..... کیا کہہ رہے ہو؟'' اسے جیسے اس جواب کی امید نہیں تھی، سٹیلا کو جھٹک کر گود سے اتارا، پھر ذرا گھبراتے ہوئے خود کے پیچھے لاؤنج کے بیرونی وال کو دیکھا۔

''نہیں، گھر میں ہوں۔'' اس نے انکشاف کیا۔

''کیا؟ نہیں ابھی گھر میں ہی ہوں، نہیں نکلا۔''

''لیکن اس نے تو ابھی پانچ منٹ پہلے مجھ سے بات کی ہے۔'' اس نے جیسے ایس پی سے کی گئی بات کے بارے میں بتانا چاہا۔

''مگر......'' وہ جیسے کچھ سوچنے لگا، اعصاب تیزی سے کام کرنے لگے۔

''احمد بات سنو میری، میں نکل رہا ہوں، جواد کو فون کر کے میری رہائش کا بندوبست کرواؤ۔'' پھر توقف کے لئے رکا۔

''بس پانچ منٹ میں جا رہا ہوں، اچھا سنو، ایس پی کی بیٹی عبصا مجھے کل میرے پنڈی والے گیراج میں چاہیے، تم نے۔'' وہ قدم قدم چلتا راہداری میں آیا۔

''اسے اغواء کرنا ہے آئی بات۔'' وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر رکا، چونکا دینے والی خبر اسے احمد کے اگلے جملے میں ملی۔

''کیا..... امریکہ...... کب؟'' وہ غصے سے تڑپ اٹھا۔

''Damn it''۔ حدت جذبات سے سامنے ٹیبل پر پڑا گلدان اٹھایا اور پوری قوت سے راہداری کے چھت بوس شیشے پہ دے مارا، ٹھاہ کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے شیشے کی کرچیاں ہوا کی لہروں پر فضا میں اڑنے لگیں، اس نے پوری قوت سے چلانا چاہا، مگر وہ وقت ناراضگی یا غصے کے اظہار کا نہیں تھا۔

شیشے کے ٹوٹنے کی آواز سن کر باہر گیٹ پہ کھڑا چوکیدار فوراً اندر آیا، اپنے مالک کو مضطرب حالت میں دیکھ کر کچھ ثانیے کے لئے وہ خود بھی بوکھلا گیا، پھر قدرے متذبذب سا پوچھا۔

''سر...... آپ ٹھیک ہیں؟'' موبائل پہ کسی کا نمبر ملاتے سلیم وتھرا نے سر اٹھا کر دیکھا، بے شک چوکیدار نے اس کی گھبرائی ہوئی حالت جانچ لی تھی اور یہ اندازہ لگانے میں اسے چند سیکنڈز لگے کہ اس کے مالک کی ہوائیاں کیوں اڑی ہوئی ہیں۔

''گیٹ واہیل آؤٹ آف ہیئر، جا کر گیٹ پہ کھڑے ہو اور پولیس آئے تو کہنا میں گھر پہ نہیں ہوں۔'' وہ کھڑے کھڑے بے حد تلخی سے چیخا، گارڈ بوقت اپنا اعتماد ہار گیا۔

''پ...... پ...... پولیس سر؟'' الفاظ گارڈ کے حلق میں کچھ ایسے اٹکے کے وہ بامشکل لفظ ادا کر پایا۔

''ہاں پولیس، اور یہ، یہ ایما (گھر کی میڈ) کہاں ہے؟'' اس نے اردگرد دیکھتے ہوئے مشتعل سا پوچھا، انداز بوکھلانے اور ہڑبڑانے والا تھا۔

''سر وہ...... وہ اپنے کوارٹر میں ہے۔'' گارڈ نے بتایا، چہرہ اس کا بھی سفید پڑ چکا تھا۔

''واٹ؟ جاؤ بلاؤ اسے میرا سامان پیک کرے۔'' وہ درشتی سے کہتا ہوا سیڑھیوں کی جانب بڑھا، گارڈ نے حکم کی تکمیل کی، لیکن باہر نکلتے ہوئے اس کی چال آرام دہ اور مطمئن تھی نسبت سلیم وتھرا کے۔

سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے وہ مسلسل موبائل پہ کسی کا نمبر ملا رہا تھا، ہمیشہ سیڑھیاں

چڑھتے ہوئے وہ ساتھ لگی لوہے کی گرل تھام کر چڑھتا، مگر اس وقت شاید اسے خیال ہی نا آیا، جبھی پہلی سیڑھی، دوسری، تیسری، چوتھی...... پھر گیارہویں، بارہویں اور چودھویں پھرتھا، دماغ میں کچھ چبھا، کچھ نوکیلا؟

موبائل دیکھنے کی وجہ سے دھیان بھٹکا اور سٹیپ پر پاؤں نا جم سکا، توزان برقرار نا رہنے کے باعث پاؤں پھسلا اور وہ اوندے منہ لڑکھڑاتے، قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے جا گرا، آخری سٹیپ کے کنارے پوری قوت سے اس کے سر کے پچھلے حصے یعنی کون، شیس برین میں پیوست ہوگیا، روپہلے بال سرخی میں نہا گئے، خون ابل ابل کراس کے سر سے نکل رہا تھا، پانی سے گاڑھا، دھاری کی شکل میں ایک طرف جا رہا تھا۔

وہ شکست خوردہ آواز میں گارڈ کو، ایما کو بلانا چاہتا تھا مگر آواز حلق کے کوے میں اٹک گئی، وہ راہداری کے شیشوں کے پار غوں غوں کرتے رابرٹ کو آواز، راہداری سے گزرتی، سردی سے ٹھرٹھراتی سٹیلا کی میاؤں میاؤں، دور کہیں بجتے اپنے فون کی آواز سننا چاہتا تھا مگر کان جیسے قوت سمعی سے محروم ہو گئے، وہ دیکھنا چاہتا تھا مگر آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی، ہلتی جھلتی، دائیں بائیں جھومتی چیزیں مساوی اور واجب و لادامیزاں نہیں ہورہی تھیں، اسی پل روپہلی سنہری دھند سیاہی میں بدل گئی، آنکھوں کی اوپر بھاری پلکیں نچلے پپوٹے کی ہر چیز پلکوں سے جاملیں، آنکھیں بند ہو گئیں، سٹیلا، رابرٹ، گول سیڑھیاں، چمکتے ٹائلز کا فرش، تتلی چھت، فرنیچر، راہداری کی کھڑکیوں کے پار کا منظر، سبزا اور ڈرائیورے، اس کی رولرائس، لان میں نصب فوارہ، مستطیل گیٹ، سب ایک آن میں مٹ گئے۔

آنکھیں ایک بار موندیں اور سب غائب، سب ختم، سبز، سرخ، سفید، تصویریں ایک دم سیاہ ہو گئیں، آدھا دھڑ سیڑھیوں اور آدھا فرش پہ پڑے اس انسان کے اعصاب اور وہ خود کچھ دیر کے لئے قرب المرگ تجربے (Near death experience) میں چلے گئے۔

دوسرا منظر:۔

سردی میں منجمد نا ہونے کے لئے بختاور پولیس اسٹیشن کے اندر آیا، شب خوابی کے باعث نیم خوابیدہ اہلکاروں کے چہرے جاگ گئے، وہ ہراساں نگاہوں سے اپنے باس کو دیکھنے لگے، جو کن پٹی مسلتا اندر آیا تھا، اس کے چہرے پر ناگواری اور فکر کی ایک لہر بہہ رہی تھی، وہ کچھ سوچتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا، پھر جیسے کسی احساس کے تحت پلٹا، سامنے اہلکار اسی طرح چوکنا کھڑے اسے دیکھ رہے تھے، یا شاید اس کے خفیہ تاثرات کو؟

ایک جانچتی نگاہ پوری پولیس سٹیشن پہ ڈالتا ہوا قدم قدم چلتا مرکزی عرشہ تک آیا جیسے دائیں بائیں کھڑے اہلکاروں کے چہرے پڑھ رہا ہو، ایک طائرانہ نگاہ سے گھورتے ہوئے اس نے درشتی سے کہا۔

''ریڈ وتھرا ہاؤس ناؤ۔'' پھر بنا رکے سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، پیچھے کھڑے اہلکار ساکت نظروں سے اس کی پیٹھ کو دیکھے گئے، وہ ہکا بکا رہ گئے، پانچ منٹ پہلے پانچ بجے ریڈ اور پانچ منٹ بعد ابھی؟ وہ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، پھر جیسے پوری طرح چونک گئے، پھرتی سے ادھر ادھر ہونے لگے، ڈرائیور اہلکار باہر بھاگے، حوالداری بڑی توندوں کی ڈھیلی پینٹیں گھسیٹتے ہوئے جارحانہ وار حکم کی تکمیل کرنے

لگے، سپاہیوں نے اسلحہ چنا، ایس ایچ او کٹ کٹ فون کرنے لگے، پورے پولیس اسٹیشن میں ایک افراتفری مچ گئی، جبکہ دوسری طرف وہ آرام سے اپنے کمرے میں آیا، ٹیبل کے بائیں جانب پاکستانی جھنڈے کے ساتھ رکھی اپنی ٹوپی اٹھائی، قدرے فخر سے سر پر رکھی، آگے سے ہک کھینچا، پیچھے سے نیچے کھینچ کر مساوی کی، پھر گھوم کر اپنی کرسی تک آیا، ذرا سا جھک کر دراز کھولی جس میں اس کی گلاک 17 گن فائیو رکھی تھی، اسے اٹھا کر اپنی ناف پٹی میں رکھا پھر ہلکی مسکراہٹ سے کلائی پر بندھی گھڑی گھما کر کلائی کی پشت پر سیدھی کی اور وقت دیکھا، یہی تو وہ اصل وقت تھا، اس کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ در آئی، خاموشی سے موبائل پہ کسی کا نمبر ملاتا ہوا باہر آیا۔

''ہاں ظفر، ٹھیک ہے، کوشش کرو وہ ادھر ہی رہے، ہاں بس کچھ دیر میں۔'' پھر تقریباً بھاگتے ہوئے اپنی پولیس موبائل کی طرف آیا جو چوکنا اہلکاروں سے بھری ہوئی تھی، درشتی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا، اس کی آنکھیں فتح کے گیت گا رہی تھیں، پولیس موبائل ان سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

سیڑھیوں کے پاس پڑے وجود سے ایک سفید، نیلی، روشنی سے بنا ہوا ٹرانسپر نٹ ہیولا باہر نکلا، جیسے کیمرے کا نیگیٹو امیج امپریشن آن ہوا ہو، وہ ہیولا ہوا کی لہروں پر اوپر اڑنے لگا، بالکل ہلکا، لائٹ سا۔

اڑتا ہوا سرخ مخروطی چھت سے ٹکرایا، پھر بنا کسی توقف کے چھت کے پار غائب ہو گیا، جیسے ''ہیری پوٹر'' میں گھومٹ کسی بھی چیز میں سے گزر کر غائب ہو جاتے تھے۔

تاریک آسمان پر پورے چاند کی رات کے آخیر پہر تھے، ٹمٹماتے ستارے، چمکتے کہکشاں، روشن جھرمٹ، جیسے سیاہ لباس پر سفید آٹے کے ذرے، جیسے سیاہ بالوں میں روپہلی چاندنی، مگر وہاں ایک مرئی اور عقلی دلیل کا تقاضا نا کرنے والی شے بھی موجود تھی، وہاں وہ ہلکا، سفید اور ٹرانسپر نٹ ہیولا اکیلا نہیں تھا، بلکہ اس کے جیسے لاکھوں، کروڑوں، اربوں ہیولے تھے چھوٹے، بڑے، نسوانی غیر نسوانی سب تھے، ایسا لگتا تھا کہ وہ زمین سے بہت اوپر اور آسمان سے بہت نیچے کہیں درمیان میں معلق ہیں، وہ سب اسے اپنے پاس بلا رہے تھے، کچھ اسے دیکھ کر منہ موڑ رہے تھے، کچھ مسکرا رہے تھے، کچھ لعنت بھیج رہے تھے کچھ مطمئن انداز میں سرخم کرتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے، کوئی خوش آمدید کہہ رہا تھا، کوئی نخوت بھری نگاہ ڈال رہا تھا، وہ ہیولا کچھ گڈ مڈ تھا، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے، یہ سب کون ہیں؟ وہ خود کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے۔

پھر دفعتاً کسی نے اس کا نام لے کر زور سے پکارا، ہیولا کرنٹ کھا کر پلٹا، وہاں ایک چھوٹی بچی کی روح تھی، سفید شفاف، کھوکھلی اور ٹرانسپر نٹ روح جو اسے دیکھ کر شدید مضطرب تھی، غصے سے کھولتی ہوئی، لب بھینچتی ہوئی، دانت پیستی ہوئی، شعلہ بار آنکھوں سے گھورتی ہوئی، اس چھوٹی روح کے تاثرات دیکھ کر، وہ بدک کر پیچھے ہٹا، پھر جیسے کسی نے اسے جکڑ لیا، اس نے دائیں بائیں دیکھا، تو تین چار ہیولے اس کے سر پر کھڑے تھے، وہ بے حد گھبراہٹ سے انہیں دیکھے گیا، یہاں تک کہ وہ آگے لڑھکنے لگا اور باقی تمام غیر انسانی مخلوق معاً ارواح پیچھے رہ گئیں، وہ اڑتا ہوا، ہوا کے دوش پہ آہستہ مگر مسلسل نیچے آنے لگا یہاں تک کہ وہ اسی مخروطی چھت سے جا لگا

جس سے وہ باہر نکلا تھا، چھت سے اندر جھانکا تو ایک سفید یونیفارم میں ملبوس اہلکار فون پر کسی سے بات کررہا تھا، سنہرے بالوں والی لڑکی کونے میں مضطرب وہراساں بے حد گھبرائی ہوئی کھڑی تھی، وہ اشکبار آنکھوں سے سامنے پڑے اپنے باس کے غیر حرکت وجود کو دیکھ رہی تھی، جبکہ باورچی شب خوابی کا لباس پہنے اس وجود کے سر پہ کپڑا رکھے اس کا خون روکنے اور اسے جگانے کی سعی کررہا تھا، وہ ہیولا چپکے سے آیا اور اس بے جان وجود پر جھک کر اس کے اندر سما گیا۔

☆☆☆

پولیس موبائلیں اپنی چھتوں پر سرخ بتی جلائے، مخصوص سائرن بجاتے ہوئے مجرم کے گھر کے درپے کوشاں تھیں، باہر اب ملگجا اندھیرا رواں تھا یاقی سیاہی رات اپنے پہلو میں سجا کر لے جاچکی تھی۔

''سر، آر یو شیور کہ ان سب کے پیچھے سلیم وتھرا کا ہاتھ ہے؟'' ڈرائونگ سیٹ پر بیٹھے سپاہی نے جانچتی نگاہوں سے اپنے باس کو دیکھ کر پوچھا، جو پچھلی کئی ساعتوں سے موبائل میں مصروف تھا، بختاور نے اس کے سوال پر گردن گھما کر دیکھا۔

''شیور کیا مطلب؟ میں کوئی بے وقوف ہوں جو اس وقت بنا کسی اشورنس کے ایک افسر کے گھر ریڈ کرنے جارہا ہوں یا پھر مجھے پولیس ڈیوٹیز کی پہچان نہیں ہے؟'' وہ جیسے برہم ہوا، سپاہی کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔

''سوری سر میرا وہ مطلب نہیں تھا، سر ایف آئی آر تو آپ کے بھائی نے ایم بی بی ایس، شہروز کے خلاف کٹوائی تھی ناں تو پھر سلیم وتھرا کے گھر چھاپہ؟'' سپاہی نے رک رک کر پوچھا مبادا وہ الٹے دماغ کا آدمی بپھر نا جائے۔

''48 laws of power نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک تیر سے دو شکار بھلے نا ہوں مگر ایک تدبیر سے ہزاروں جانیں جاسکتی ہیں، یہاں تک کہ ماؤں کے کوک میں پلتے بچے بھی مرسکتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں درد امڈ آیا۔

''سو جب درخت ختم کرنا ہوناں تو اس کے تنے کو نہیں جڑ کو کاٹا جاتا ہے اس جگہ کو کاٹا جاتا ہے جہاں سے وہ نشونما پارہا ہے جہاں سے اسے خوراک مل رہی ہے، کیونکہ اگر ہم شاخیں کاٹیں گے تو جڑ سے ملنے والی خوراک اس جیسی اور بہت سی شاخیں اگادے گی، سلیم وتھرا وہی جڑ ہے اور باقی سب شاخیں، ایک بار وہ کٹ جائے تو باقی کو شاخیں بھی کاٹ دوں گا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا، دوسری طرف سپاہی نے بامشکل تھوک نگلا، اس کے چہرے پہ کئی رنگ آئے اور گزر گئے، وہ بامشکل سانس لیتا ہوا خود کو پرسکون کرنے لگا۔

''آپ کی بھانجی سر...... اس کا...... مجرم تو فرار ہے، اسے کیسے پکڑیں گے؟'' سپاہی نے مشکل سے الفاظ ادا کیے، بختاور نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر نظر دوڑائی، وہاں بے چینی تھی، تشویش تھی، شاید تجسس اور گھبراہٹ بھی، بے ساختہ اس کے چہرے پر ہلکی مگر گہری مسکراہٹ دوڑی، اس نے ہاتھوں کا پیالا بنا کر سر کے پیچھے رکھ کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''کس نے کہا ہے میں ڈاکٹر شہروز کو پکڑوں گا؟'' اس نے جواب دیئے بنا الٹا سپاہی سے سوال کردیا۔

''مطلب سر؟''

''مطلب یہی، کہ میں اسے گرفتار نہیں کروں گا۔''

''مگر سر ایف آئی آر تو اس کے خلاف کٹی

ہے ناں؟'' سپاہی نے جیسے یاد دلایا۔
''کس نے کہا ہے؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔
''کیا تم نے ایف آئی آر میں اس کا نام دیکھا؟''
''ن...... ن...... نہیں سر۔'' سپاہی نے فوراً نفی کی، ایف آئی آر کاٹنا اس کا عہدہ نہیں تھا۔
''تو پھر سر؟ آپ شہروز کا کیا کریں گے؟''
''چھوڑ دوں گا۔''
''کیوں سر؟''
''کیونکہ میں مجرم گرفتار کرتا ہوں ملزم نہیں۔'' اس نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے، سپاہی نے گردن گھما کر اسے ہراساں نگاہوں سے دیکھا، وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔
''میری بھانجی کو شہروز نے غلط انجکشن نہیں لگایا تھا۔''
''کیا سر؟ ن...... ن...... نہیں سر، ایسا نہیں ہو سکتا، وہ انجکشن غلط تھا اور شہروز نے ہی لگایا تھا۔''
''غلط نہیں تھا صحیح لگایا تھا۔'' وہ آرام سے کہہ رہا تھا، چہرے پر سوائے فاتحانہ مسکراہٹ کے اور کچھ نہیں تھا، وہ سپاہی کو یوں بوکھلاتے ہوئے دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا، بلاشبہ یہی تو وہ چاہتا تھا، اقرار زبان عام۔
''میں نے سر خود وہ انجکشن دیکھا تھا، وہ غلط ہی تھا۔'' سپاہی اپنی بات پہ ڈٹا رہا۔
''میں نے کہا کہ انجکشن غلط نہیں تھا، بالکل ٹھیک تھا۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیا۔
''سر میرا یقین کریں وہ انجکشن غلط......''
''وہ انجکشن غلط نہیں تھا، کاؤنٹر فیٹ تھا مطلب جعلی۔'' اس نے حتمی انداز میں چلا کر کہا، مگر اگلے ہی لمحے وہ آگے لڑھک گیا بامشکل اس نے ڈش بورڈ تھاما، فضا میں پولیس موبائل کے ٹائر چرچرائے اور اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے موبائل کو بریک لگی، پیچھے بیٹھے سپاہی اسلحے سمت اپنے دائیں بائیں لڑھک گئے، وہ مشتعل نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، جیسے سمجھ نا آرہا ہو کہ کیا ہوا ہے۔
بختاور خود اور اپنے اعصاب کو سنبھالتا ہوا طیش سے سپاہی کی طرف بڑھا، ایک جھٹکے سے اسے کالر سے کھینچا۔
''غلط وہ ہوتا ہے جو پریسکرائب نہیں کیا گیا ہوتا، یعنی دل کے مریض کو شوگر کی دوائی دینا، بیماری کچھ اور ہو اور دوائی کچھ اور مگر جعلی وہ ہوتا ہے جو صحیح ہو مگر اجزاء کی عدم موجودگی یا اضافی موجودگی سے مضر صحت بن چکا ہو، یعنی دو نمبر، فیک ہو، ہوتی وہی چیز ہے مگر خالص نہیں ہوتی، ملاوٹی ہوتی ہے خام ہوتی ہے اور میری بھانجی کو لگنے والا انجکشن غلط نہیں جعلی تھا، دو نمبر تھا سمجھے۔'' وہ سانس لینے کو رکا پھر اگلے ہی لمحے سپاہی کو کالر سے کھینچ کر مزید اپنے چہرے کے قریب کیا۔
''تم ڈاکٹر نہیں ہو اور نا میں تمہارا جونیئر، آئندہ تمیز سے بات کرنا اور ہاں اب یہ گاڑی سلیم وتھرا کے ڈرائیو وے کی بجائے کہیں اور رکی تو تم کبھی چلنے کے لائق نہیں رہو گے سمجھ گئے یا دھراؤں؟''
''س...... س۔'' سپاہی لڑکھڑاتی آواز میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔
''بند کرواپنی سی سی، گاڑی چلاؤ، ہم ریڈ پہ جا رہے ہیں پکنک پہ نہیں۔'' اس نے شعلہ بار آنکھوں سے دیکھا۔
سپاہی نے آؤ دیکھا نا تاؤ، ایکسلیٹر پر پاؤں رکھا، موبائل زن سے آگے بڑھ گئی۔
بختاور نے ڈش بورڈ سے پانی کی بوتل

اٹھائی اور غٹا غٹ گھونٹ بھرنے لگا، پانی کے ٹھنڈک بھی اس کے اندر لگی آگ ٹھنڈی نہیں کر پا رہی تھی، اس نے لمبی سانس لے کر خود کو پرسکون کیا، ابھی بوتل کا ڈھکن بند کر کے اسے ڈش بورڈ پہ رکھا ہی تھا، کہ دفعتاً اس کے موبائل کی گھنٹی بجی، موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا، پھر ایک نظر گاڑی چلاتے ڈرائیور سپاہی پہ ڈالی جس کے ماتھے پہ اوائل دسمبر میں بھی پسینے کی بوندیں نظر آ رہی تھیں، پھر قدرے سر جھٹکتے ہوئے فون اٹینڈ کیا۔

''ہاں ظفر بولو۔'' پھر توقف کے لئے رکا، اس کے چہرے پہ کئی رنگ آ کے گزر گئے۔

''کیا؟''

''کب؟'' وہ جیسے یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

''اچھا ایمبولینس منگواؤ ہم پہنچ رہے ہیں۔''

''گھبراؤ نہیں ایمبولینس منگواؤ، اور سنو ظفر'' اس نے جیسے تنبیہ کرنے کی کوشش کی۔

''وہ مرنا نہیں چاہیے سمجھے۔'' آخری لفظ تقریباً چیختے ہوئے کہا، پھر کھٹ سے موبائل بند کر دیا، ہاتھ کا مکا بنا کر سائیڈ مرر پہ دے مارا۔

''Damn it۔'' پھر درشتی سے ڈرائیور کی طرف مڑا۔

''جلدی چلاؤ، سلیم وتھرا سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔'' اس کی بات سن کر سپاہی کے دل میں ایک سکون سرائیت کر گیا، کچھ دیر پہلے کا ہیجان جو اس کے چہرے پر نظر آ رہا تھا اب بالکل غائب ہو گیا تھا یا شاید بالکل تھا ہی نہیں، قسمت اس پہ مہربان تھی، اس کے سکون زدہ چہرے کے تاثرات بختاور سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔

بلاشبہ وہ جانتا تھا کہ یہ بھی سلیم وتھرا کی کوئی چال ہو گی مگر ظفر جھوٹ کیوں بولے گا؟ کیا پتہ یہ المناک حادثہ ہی ہو؟

☆☆☆

وہ اپنی سربراہی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ایک سے ایک فائل نکالے بڑی توجہی سے پڑھ رہا تھا، جبکہ اپنی پشت پہ سلیوٹ سے چونکا، رخ موڑ کر دیکھا تو ایس ایچ او امانت مبین ہاتھ میں فائل پکڑے چوکس کھڑا تھا۔

''کیا خبر ہے مبین؟'' اس نے سرسری سا پوچھا پھر اسی تندہی سے اپنی فائل میں منہمک ہو گیا جیسے کچھ دیر پہلے تھا، وہی سپاٹ و بے نیاز وہی اسرور رسوخ، وہی شاہانہ رویہ والا ایٹی ٹیوڈ، چہرے پر ڈھیروں تفکر اور بیزاری جبکہ حوصلوں میں وہی اڑان اور طنطنہ۔

''سر آپ کا شک سو فیصد درست ثابت ہوا ہے کاؤنٹر فیٹ ادویات بنانے والی بیشتر کمپنیاں سلیم وتھرا کی ہیں۔'' مبین نے بے تاثر سا کہا جیسے یہ اس کے روز کا کام ہو، البتہ اس دفعہ اس کے لہجے میں جوش آیا تھا۔

''جانے کیوں؟ سر یہ ساری کمپنیاں شمال مغربی علاقوں میں پائی گئیں، ایک بڑی فیکٹری جو پی پی سی نے مشترکہ فیصلے سے ضبط کر کے اسے سیل کیا تھا پشاور کے نواحی علاقے میں دوبارہ غیر اندراجی طور پر اپنے ازلی کاروبار کی طرف لوٹی ہے، علاقائی مکینوں کے مطابق سیل ہونے کے چند ماہ بعد یہ فیکٹری دوبارہ سے چلنے لگی۔

''اور سر حیرت کی بات ہے کہ یہ فیکٹری پاکستان فارمیسی کے ڈیولمینٹ اور مارکیٹنگ ہیڈ سلیم وتھرا کے لئے کام کر رہی ہے۔''

اس کے فائل کے اوراق بدلتے ہاتھ چند ثانیے کے لئے تھمے، اس نے سر اٹھا کر مبین کو دیکھا، پھر فائل بند کر کے ایک دراز میں ٹھونسی اور اپنی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، ایک سنجیدہ نگاہ مبین پہ اور ایک فاتحانہ نگاہ فائل پہ ڈالتا وہ قدرے جوش سے فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔

''سر اسی فیکٹری کے گودام میں جو خفیہ طور پر تہہ خانے میں تھا بڑی تعداد میں ذخیرہ کردہ ادویات برآمد ہوئی ہیں اور یہ جان کر آپ کو بے حد دکھ ہوگا کہ ساری کی ساری ادویات سمگل شدہ اور جعلی ہیں، کاٹن پر لگے بارکوڈز، مینوفیکچر، ایکسپائری ڈیٹ سب جعلی اور دو نمبر ہے۔'' سپاہی نے حیران کن انکشاف کیا، اس نے فائل میں لگی چند تصویروں کو دیکھا، جو تہہ خانے کی عکاسی کر رہی تھیں وہاں اوپر تلے رکھے، ایک کے بعد بند کارٹن نظر آرہے تھے۔

''تم لوگوں کو مکمل یقین ہے کہ وہ سب جعلی تھے؟'' اس نے باقاعدہ تفتیش کا آغاز کیا، کسی بھی رپورٹ کی مہارت کے لئے وہ اپنے بندوں کی بھی آڑے ہاتھوں لیتا، ایگزامینشن ان کراس کر کے، جانچ پڑتال کر کے، خوب کرید کر دائیں بائیں سے نچوڑ کر جو مٹھی بھر سچائی نکلتی، بس اسے مہرہ بنا کر وہ خود کو اور اپنے کسی بھی کیس کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا۔

''سر سو فیصد یقین ہے کہ یہ سب جعلی ہیں۔'' اپنی بات پر زور دے کر مبین نے یقین دہانی کروانی چاہی، وہ اپنے باس کی اس چھٹی خصلت سے بخوبی واقف تھا، لہٰذا بے دریغ اور پورے اطمینان سے جواب دینے لگا۔

''کیسے یقین ہے؟'' اس نے بھنویں اچکا کر اچنبھے سے پوچھا۔

''سر کیونکہ ہم نے ڈراپ سکینر سے ہر کاٹن کے کوڈز سکین کیے ہیں۔ ان کے اندر موجود ادویات بھی سکین کیں، سب کی سب جعلی ہیں سر۔'' اس نے پہلا ثبوت دیا۔

(ڈراپ سکینر موبائل فون میں موجود ایک ایپ ہے جو کہ ڈراپ سے (D r v g Ragulatory Autherity of Pakistan) سے منظور شدہ ہے، ایپ سٹور اور پلے سٹور میں مکمل تحفظات کے ساتھ موجود ہے کوئی بھی ڈاؤن لوڈ کر کے، کسی بھی دوائی کے پیک پہ بنے بارکوڈ کو سکین کر کے اس کے اصلی یا نقلی ہونے کی پڑتال کر سکتا ہے)۔

''ہوں اور کچھ؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا تم لوگوں نے ساری ادویات ضائع کر دیں؟''

''نہیں سر، ابھی نہیں، ادویات ہم نے پاکستان فارمیسی کوالٹی کنٹرولر ڈیپارٹمنٹ کو بھیج دیں، اب آگے فیصلہ ڈراپ اور پی پی سی کریں گے۔''

''ہوں، ان ادویات کو آرگنائز کرنے والا عملہ کہاں ہے۔''

''سر وہ آرسٹڈ ہے۔''

''کہاں؟''

''سر پشاور میں۔''

''ہوں، کیا کہتے ہیں وہ لوگ، بیان لیا ان کا؟''

''جی سر، ڈاکٹرز، فارماسٹ اور آرگنائزنگ سٹاف، سب سلیم وتھرا کا نام لے رہے ہیں، اس فیکٹری کے سینئر ڈاکٹر اشرف کاردار نے سلیم وتھرا کے مکمل ملوث ہونے کا اعتراف کیا ہے سر۔''

''سلیم وتھرا کو معلوم ہے اس بارے میں؟''

''جی سر!'' مبین نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ ذرا آگے ہوا، فائل ایک طرف رکھی، بے رحمی سے کن پٹی مسلی۔

''پھر تو وہ بھاگنے کی کوشش ضرور کرے گا۔'' اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''سر وہ نہیں بھاگ سکتا۔'' مبین نے پر

سکون انداز میں کہا۔

''کیوں؟'' اس نے حیرت سے دیکھا۔

''نام ای سی ایل میں ڈال دیا گیا ہے سر، این آر او نہیں ملے گا، پاسپورٹ منسوخ ہو گیا، آپ کے کہنے پہ یہ تمام عمل میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔'' مبین نے ذرا فخرانہ انداز میں کندھے جھٹکے، بختاور بدقت مسکرایا۔

''ہم اسے گرفتار نہیں کر سکتے، یہ سب پی پی سی فیصلہ کرے گی۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''سر پی پی سی آج شام تک یقیناً اس کی گرفتاری کے آرڈر جاری کر دے گی، کیونکہ آج شام چھ بجے پی پی سی کا اجلاس ہے۔'' مبین نے قدرے یقین سے کہا۔

''اس اجلاس کے بارے میں اسے ضرور معلوم ہوگا؟''

''جی سر، مگر وہ اب کچھ نہیں کر سکتا، سوائے اس کے کہ وہ ملک میں کہیں چھپ جائے۔'' مبین نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''اور سر آج رات تک میڈیا کو بھی انفارم کر دیا جائے گا، پھر وہ چاہ کر بھی کہیں نہیں چھپ پائے گا۔''

''غدار۔'' اس نے نفرت سے کہا۔

''اس جیسے ناسوروں کی وجہ سے ہمارا ملک بدنام ہے، انسانیت کی پرواہ کسی کو نہیں، بس پیسہ ملنا چاہیے، بیمار پہلے ہی موت وحیات کی کشمکش میں ہوتے ہیں اوپر سے خالص دوائیاں دینے کی بجائے جعلی ادویات دے کر ان کو وقت سے پہلے لقمہ اجل بنا دیتے ہیں۔'' اس نے افسوس کیا۔

''اب سر بے ایمانی اور غداری کا کوئی علاج نہیں، علاج صرف ظاہری خرابیوں کا ہوتا ہے باطنی کم ظرفیاں انسان کو خود ہی چھوڑنی ہوتی ہیں، شمال مغربی علاقوں، فاٹا، پاٹا، وغیرہ میں یہ جعلی ادویات فیکٹریاں پھیل رہی ہیں سر۔'' اس نے لہجے کو نرم اور آواز دھیمی کر دی۔

''ہم ان کی روک تھام کیسے کریں گے؟'' اس کے الفاظ سے ظاہر تھا وہ ہتھیار پھینکنے لگا ہے۔

''مبین!'' اس نے سپاٹ لہجہ اپنایا۔

''پولیس والے محض گرفتار کر سکتے ہیں سزائیں دے سکتے ہیں مگر کب کون سی دوائی جعلی ہے اس کا جائزہ پی پی سی کو لینا چاہیے، ہمیں صرف ان کے حکم کی تکمیل کرنی ہوتی ہے، ایجنٹ کو اگر کہیں جعلی ادویات ومنشیات کا خطرہ ہے تو وہ پی پی سی کی مدد لے، شمال مغربی علاقوں میں یہ دوائیاں چلتی رہیں گی، جس دن ان کی جڑ کٹ گئی، یہ لوگ خود بخود ادویات لینا بند کر دیں گے۔''

''مگر سر ان علاقوں کے مقامی باشندوں کا کہنا ہے پی پی کی اپنی ادویات کافی مہنگی ہیں عام لوگ کیسے خریدیں؟''

''سنار کی سو، لوہار کی ایک، اگر وہ جعلی ادویات ہزار بھی خریدیں گے تو آرام در کنار۔ کجا وہ ایک خریدیں مگر جلد صحت یاب ہوں۔'' اس نے ٹھیک کہا تھا۔

''سر بالکل درست کہا، مجھے آئی جی صاحب کے بھتیجے کا کیس دیکھنا ہے، اجازت چاہوں گا۔'' مبین نے اپنی ٹوپی سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اسی کام کے لئے رہ گئی پولیس۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''تم جاؤ، آئی جی صاحب کا بھتیجا ہے وہ آفٹر آل۔''

''جی سر۔'' اس نے سپاٹ انداز میں سلیوٹ کیا اور بنا رکے وہاں سے باہر نکل گیا۔

بختاور نے سامنے رکھی فائل پھر سے اٹھائی، ایک نظر دیکھا پھر ناگواری سے بند کر دی۔

☆☆☆

یہ رات گیارہ بجے کا وقت تھا جب اس نے فریج کا دروازہ کھولا، فریج کی لائٹ کی روشنی پڑی تو اس کا چہرہ واضح ہوا، خمار آلود آنکھیں، مرجھایا چہرہ اور خفیف سنجیدگی، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، وہ یقیناً نیند سے جاگا تھا، اس نے فریج سے بوتل نکالی اور غٹا غٹ گھونٹ بھرنے لگا۔

اس کے چہرے پر تفکر کی ایک لہر دوڑی، آنکھوں کے سامنے سلیم وتھرا کا بے جان چہرہ لہرایا، سفید کپڑا، اس کی ڈھکی میت، اس کی ٹھنڈی موت، یخ...... بے جان...... ساکن۔

آپریشن کے چار گھنٹے بعد کہ جب سلیم وتھرا کو ہوش آنے والا تھا اور ڈاکٹرز کے مطابق وہ خطرے سے باہر تھا کہ اس کی حالت خراب ہوئی اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

وہ منظر تکلیف دہ نہیں تھا، مگر اندر چبھ رہا تھا، کیونکہ وہ خود سلیم وتھرا کو اپنی ہاتھوں لینا چاہتا تھا، اس کی اس قدر آسان موت کی توقع وہ ہرگز نہیں رکھتا تھا۔

جس شخص کی ناقص ادویات ساری عمر معصوم لوگوں کی جان لیتی رہی ہوں وہ محض سیڑھیوں سے گر کر مرے، سچ بہت آسان موت۔

اس نے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے کن پٹی مسلی جب اس کا فون بجا، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، آواز کمرے سے آرہی تھی، بوتل کا ڈھکن بند کر کے کاؤنٹر پہ رکھی اور تیز تیز ڈگ بھرتا کمرے میں آیا، بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل جگمگا رہا تھا، اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا۔

''ہاں مبین۔'' اس نے رندھی آواز میں کہا، نیند کا غماز ابھی باقی تھا۔

''کیا؟، ہم...... اچھا...... تمہیں یقین ہے...... ٹھیک...... ہاں ابھی؟'' اس نے سامنے لگی گھڑی میں وقت دیکھا۔

''ہاں ٹھیک ہے چلو آجاؤ، نہیں نہیں فارغ ہوں اوکے۔'' اس نے رسمی سلیک کے بعد موبائل بند کر دیا اور بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گیا، ہاتھوں کو معافی کی شکل میں جوڑ کر ہونٹوں سے لگایا، وہ گہری سوچ میں ڈوبا تھا، اس کا شک درست تھا، سلیم وتھرا کی موت قدرتی ضرور تھی مگر مکافات عمل تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ مبین کو لے کر لاؤنج میں آیا، یہ سیاہ پتلون اور آدھی آستینوں والی سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس تھا، جبکہ اس کے برعکس مبین ہاف وائٹ پینٹ اور بلیو شرٹ پہنے ہوئے تھا، جیل سے بال پیچھے کو موڑے صاف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اتوار کی شام کسی خاص کے ہاں منا کر آیا ہے۔

بختاور نے لاؤنج سے ملحقہ کچن سے دو سافٹ ڈرنکس کے کین نکالے اور قدم قدم چلتا لاؤنج میں آیا، ایک کین مبین کی طرف اچھالا جو صوفے کے کنارے فرط ادب سے کھڑا تھا اس نے کیچ کیا۔

''بیٹھو کھڑے کیوں ہو۔'' اس نے دوستانہ انداز میں کہا پھر اپنے کین کو منہ سے لگایا۔

مبین صوفے پر الرٹ ہو کر آگے بیٹھ گیا اور کین سامنے میز پر دھر دیا، وہ اسے پی نہیں سکتا تھا، کیونکہ آج کل وہ ''السر'' کا مریض تھا۔

''سر پاداش، آثم۔'' (گناہگار کا بدلہ) پر آپ یقین تو رکھتے ہی ہونگے؟'' مبین نے انداز پوچھا، جواب میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے ریلیکس بیٹھے بختاور نے اثبات میں سر خم کیا۔

''سر ڈاکٹر واجد واسطی کے مطابق ان کی حالت بالکل ٹھیک تھی وہ آپریشن کے بعد خطرے سے باہر تھے مگر انڈر ابزرویشن ان کی حالت بگڑ گئی، وہ لمبی لمبی سانسیں لے رہے تھے، واجد کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہورہا ہے اپنے تئیں تو اس نے بچانے کوشش کی مگر وہ جان کی بازی ہار گئے۔'' اس نے رسان سے بتایا۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے، کین سے گھونٹ بھرتا، توجہ سے سن رہا تھا۔

''اور سر پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق......'' مبین خاموش ہوا، نظریں جھک گئیں۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق؟'' اس نے کین میز پر رکھ کر سنجیدگی سے پوچھا، گویا یاد دلایا کہ اسے آگے بھی کچھ بولنا ہے۔

''یہی سر کہ ان کی موت غلط انجکشن سے ہوئی ہے۔'' مبین نے دبی آواز میں کہا۔

''غلط یا جعلی؟''

''س...... سر...... ج...... جعلی۔'' اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

بختاور انگڑائی لے کر ہنسا، اس کے سنجیدہ چہرے نے معصوم بچے کے چہرے کا روپ دھار لیا۔

مبین حیرت سے دیکھے گیا، وہ حیران تھا اور خوش بھی۔

''تمہیں پتہ ہے۔'' وہ ہنسی کے درمیان سے بولا۔

''ایک مثل مشہور ہے کہ انسان کو موت اس کے پسندیدہ کام دیتے ہیں، آج...... آج وہ کہاوت درست ثابت ہوئی، آج مکافات عمل پر یقین آگیا۔'' اس نے سانس خارج کی۔

''سر آپ یقین پر یقین رکھتے ہیں۔'' مبین نے ہلکی آواز میں ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''یقین کے قابل ذات کے یقین پر یقین رکھتا ہوں۔'' اس نے خوبصورتی سے کہا۔

''ویل...... سر...... میں...... وہ۔'' اس نے پینٹ کی جیب سے دوائی نکالنے کی سعی کے درمیان کہا۔

''دوائی میرے پاس ہے، جس نے سلیم وتھرا کی جان لی۔''

اس نے سفید شیشی جس کے اندر زرد محلول کے چند قطرے تھے بختاور کے سامنے میز پر رکھی، بختاور نے آگے بڑھ کر وہ شیشی اٹھائی اور الٹ پلٹ کرنے لگا۔

''سر آپ چیک کرلیں۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''ہاں؟'' جواب میں بختاور نے ناسمجھی سے دیکھا۔

''مطلب...... سر...... ڈراپ سکین؟'' اس نے کچھ بتانے والے انداز میں کہا۔

بختاور نے اوہ اچھا والے انداز میں شانے اچکائیں اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا، ڈراپ سکین ایپ آن کی اور وہ سفید شیشی جس پر لگے کاغذ پر ایک ڈائس والا ڈبہ تھا، لہرائی۔

موبائل کے اسکرین پر سرخ پٹی ابھری، ریڈ...... سرخ...... کراس...... ڈینجر...... خطرہ۔

اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ بکھر گئی، اس نے نظر گھما کر سامنے بیٹھے مبین کو دیکھا، پھر موبائل اسکرین کو اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''Countesfeit (جعلی)۔''

☆☆☆

سباس گل

"خبردار، اگر میرے بیٹے کو کوئی نقصان پہنچایا وہ تمہارا داماد بھی ہے تم اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو۔" عائشہ رضا نے لرزتی آواز میں پریشانی سے کہا۔

"داماد تو مجھے اور بھی مل جائے گا اتنی دولت ہے میرے پاس کے اپنی بیٹی کی شادی کسی بڑے بزنس مین کے بیٹے کے ساتھ کروا سکتا ہوں لیکن اگر تمہارا بیٹا چلا گیا نا تو دوبارہ نہیں آئے گا لہٰذا خبردار جو اپنی زبان کھولی اور خبردار اگر میری بیٹی کو کوئی نقصان پہنچایا۔" فواد راشد نے خونخوار نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے خطرناک اور دھمکی آمیز لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور انہیں خوف و پریشانی میں گھرا چھوڑ گئے۔

☆☆☆

حمدان کو گئے ہوئے آج چار دن ہو گئے تھے، عائشہ رضا نے خود کو کمرے تک محدود کر رکھا

ناولٹ

تھا اور مزنہ کو ان کی اس خاموشی کے پیچھے کسی طوفان کی آمد محسوس ہو رہی تھی، وہ بہت چوکنی اور محتاط ہو گئی تھی، عشاء کی نماز کے بعد وہ واک کی غرض سے باہر لان میں آ گئی تھی اور اپنے بیڈ پر تکیے رکھ کر اوپر چادر پھیلا کر لائیٹ آف کر کے باہر آئی تھی، عائشہ رضا کی حرکات اسے کچھ مشکوک دیکھائی دے رہی تھیں، اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی لہٰذا اسے اپنی حفاظت خود ہی کرنا تھی وہ دعا کر رہی تھی کے حمدان یوسف جلدی واپس آ جائے اور اس کے آنے تک حالات سازگار رہیں مگر ایسا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہ واک کرنے کے بعد وہیں لان میں بیٹھ گئی تھی کرسی سے ٹیک لگائے ٹانگیں میز پر رکھے درود پاک اور آیت الکرسی پڑھتے ہوئے کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے خبر ہی نہ ہوئی، وہ تو شور کی آواز پر فائر آلارم پر چونک کر اٹھی تھی، نگاہ

دائیں جانب گھر کے اندرونی حصے کی جانب اٹھی تو اسے اپنے کمرے سے آگ کے شعلے نکلتے دکھائی دیئے۔

''او مائی گاڈ، اف، اتنی نفرت، اتنا انتقام، بدلے کی آگ میں وہ مجھے جلا کر مارنا چاہتی تھیں، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔'' اس نے زیر لب کہا اور اٹھ کر اندر کی جانب دوڑی۔

آگ گھر کے ملازموں نے پانی ڈال کر بجھا دی تھی، مزنہ کا بیڈ جزوی طور پر جل چکا تھا، کھڑکیاں پردے بھی جل گئے تھے، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مزنہ کو مارنے کے لئے اس کے بیڈ پر آگ لگائی گئی تھی، کھڑکیوں پر بھی آگ لگانے کا مقصد یہی تھا کہ باہر نکلنے کا راستہ نہ ملے اور مجرم نے بوکھلاہٹ میں ایک غلطی پھر بھی کر دی تھی کہ دروازے کو لاک لگانا بھول گیا تھا، دروازے سے ہی اندر داخل ہو کر ملازموں نے آگ پر قابو پایا تھا۔

فائر الارم بند کرنا عائشہ رضا بھول گئی تھیں بلکہ حقیقت تو یہ تھی انہیں یاد ہی نہیں تھا کہ ان کے گھر میں فائر الارم بھی لگا ہوا ہے بس اسی لئے آگ پورے کمرے میں نہ پھیل سکی، بلکہ جہاں جہاں پیٹرول چھڑک کر آگ لگائی گئی تھی صرف وہی جگہ جل پائی تھی، مزنہ کا بیڈ صرف وہاں سے جلا تھا جہاں وہ سویا کرتی تھی یہ دیکھ کر ملازموں کو بھی سمجھ آ رہا تھا کے مزنہ کو ختم کرنے کی گہری سازش تھی یہ جو ناکام ہو گئی تھی، سب کا شک عائشہ رضا پر تھا۔

''ارے مزنہ کا بیڈ جل گیا ہے مزنہ بھی جل کر مر گئی دیکھو تو اس کی لاش وہیں ہو گی۔'' عائشہ رضا ملازمہ سے کہہ رہی تھیں، اسی وقت انہیں اپنے پیچھے سے مزنہ کی آواز سنائی دی۔

''جل کر مریں میرے دشمن میں کیوں جل کر مروں گی آنٹی!''

''تم...... تم زندہ ہو۔'' عائشہ رضا اسے صحیح سلامت دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں۔

''الحمدللہ! میں زندہ ہوں کیونکہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے بہت بڑا ہے میرا اللہ۔'' مزنہ ان کے بوکھلائے ہوئے سراپے پر نگاہ ڈال کر اعتماد سے بولی۔

''چلو شکرانے کے نفل ادا کرو کے تم بچ گئیں۔''

''وہ تو میں ادا کروں گی ہی، آپ کیا کریں گی؟''

''کیا مطلب؟'' عائشہ رضا کی آواز ہی نہیں ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔

''مطلب یہ کہ کوئی نئی سازش تیار کریں گی مجھے مارنے کے لئے یا اسی کی ناکامی پر غصہ کر کے صبر کر لیں گی۔''

''تم...... تم مجھ پہ اتنا گھٹیا الزام لگا رہی ہو۔'' عائشہ رضا غصے میں آتے ہوئے بولیں تو اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں کے یہ الزام نہیں ہے سچ ہے۔''

''تم الزام لگا رہی ہو، جھوٹ بول رہی ہو۔''

''جھوٹ، سچ کا فیصلہ پولیس کرے گی، نسرین بی، سب سے کہہ دیں کے کمرے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیں جو چیز جہاں ہے وہیں رہنے دیں، پولیس آ کر خود تحقیق کرے گی کہ یہ آگ کس نے لگائی تھی اور کیوں لگائی تھی؟'' مزنہ نے عائشہ رضا کو ان کی بات کا جواب دے کر نسرین سے کہا تو وہ ''جی دلہن بی بی'' کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

''ذرا سی آگ لگی تھی بجھ چکی ہے اس کے

لئے گھر میں پولیس کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟'' عائشہ رضا نے پریشان لہجے میں کہا۔

''یہ ذراسی آگ نہیں تھی آنٹی! یہ مجھے جلا کر مارنے کی سازش تھی اگر یہ آگ ذراسی ہوتی نا تو اس طرح سے میرے بیڈ روم تک نہیں پہنچتی۔'' مزنہ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا اور فیصل کا موبائل نمبر ملانے لگی جو حمدان یوسف نے جاتے وقت مزنہ کے موبائل پر سینڈ کر دیا تھا۔

آگ لگنے کی خبر پھیلی تھی، فواد راشد، راشد بیگ حتیٰ کہ صابرہ بھی رات کے ڈیڑھ بجے ''حمدان ولا'' پہنچ گئیں تھیں۔

''یہ سب کیسے ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟'' صابرہ نے مزنہ کو گلے لگایا پھر اس کے چہرے کو ہاتھوں کو ایسے چھو کر محسوس کر رہی تھیں جیسے اس کی تکلیف ڈھونڈ رہی ہوں، عائشہ رضا تو بری طرح گھبرائی ہوئی تھیں اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں امی، کچھ نہیں ہوا مجھے میرے ساتھ آپ کی دعائیں جو ہیں۔'' مزنہ نے مسکراتے ہوئے انہیں یقین دلایا۔

''میں جب سے یہاں سے گئی ہوں میرا دل بہت پریشان تھا تمہارے لئے پتا نہیں کیوں دل میں عجیب عجیب خیال آرہے تھے۔'' صابرہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو نسرین کہنے لگی۔

''آپ کا دل ٹھیک ہی پریشان تھا اپنی بیٹی کے لئے آپ کے جانے کے بعد بیگم صاحبہ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی انہیں مارنے، تکلیف دینے میں تو آپ کی بیٹی بہت صابر اور برداشت والی ہے کہ سب کچھ برداشت کرتی رہے اور آج یہ آگ والا واقعہ دیکھ لیں اللہ نے جان بچائی مزنہ بیٹی کی......'' نسرین نے تو ساری کتھا کہہ سنائی، جسے سن کر صابرہ اپنا تھام کر صوفے پر ڈھے گئیں۔

''امی...... امی! آنکھیں کھولیں۔'' مزنہ پریشانی کے عالم میں انہیں پکار رہی تھی، فواد راشد اور راشد بیگ حیران، پریشان یہ سب سن اور دیکھ رہے تھے، جب فیصل وہاں پہنچ گیا اور صابرہ کو ہوسپٹل لے جانے کا کہا، نسرین اور مزنہ مل کر صابرہ کو اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ابا جی! آپ گاڑی اسٹارٹ کریں ہم صابرہ کو لے کر آتے ہیں۔'' فواد راشد نے راشد بیگ کی طرف گاڑی کی چابی بڑھاتے ہوئے کہا مگر وہ بت بنے کھڑے رہے۔

''ابا جی! میں آپ سے کہہ رہا ہوں، ابا جی!'' فواد راشد نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا کوئی ردعمل ظاہر نہ ہونے پر انہوں نے آگے بڑھ کر ان کا بازو پکڑا تو وہ ریت کی طرح ان کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے کارپٹ پر جا گرے۔

''ابا جی!'' فواد راشد چیخے۔

''دادا جی!'' مزنہ بھی خوف اور شاک سے چلائی۔

ایک منٹ میں صورتحال پہلے سے کہیں زیادہ گمبھیر ہو گئی تھی، ایسے میں فیصل نے اپنے حواس قابو میں رکھتے ہوئے ایمبولینس کو کال کی، صابرہ کو وہ مزنہ کے ساتھ اپنی گاڑی میں ہوسپٹل لے کر روانہ ہو گیا تھا۔

آج کیا جانے کیا ہے ہونے کو
جی بہت چاہتا ہے رونے کو

مزنہ بھیگی آنکھیں، زخمی دل لئے فواد راشد اور فیصل کے ہمراہ ایمرجنسی کے باہر کھڑی تھی، دل اپنی ماں کی صحت وسلامتی کی دعائیں مانگ رہا تھا، ایک طرف صابرہ تھی تو دوسری طرف راشد بیگ، کافی دیر معائنے کے بعد ڈاکٹر فضل

نے آکر بتایا کہ۔

''آپ کے پیشنٹ کو فالج کا اٹیک ہوا ہے اوران کا دایاں حصہ پیرالائز ہو گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے کی طرح بول بھی نہ سکیں فی الحال کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے، ہم اپنی پوری توجہ سے علاج کررہے ہیں آپ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ، ان کی مشکل آسان کریں، اس عمر میں ول پاور کم ہو جاتی ہے۔'' فواد راشد اپنے باپ کی کنڈیشن کے بارے میں جان کر صدمے اور بے بسی کے احساس کے ساتھ دیوار کے ساتھ رکھی کرسی پر ڈھے گئے، کیا انہیں مزنہ کی حالت جان کر شاک لگا تھا؟ یہ سوال فواد راشد کے دماغ میں ابھرا تھا۔

''تم باپ ہو فواد راشد کیا تمہیں، اپنی بیٹی کے ساتھ ہونے والے ظلم کا جان کر دکھ نہیں ہوا، دل نہیں تڑپا تمہارا؟'' یہ ان کے ضمیر کی آواز تھی، وہ بے کل ہو کر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

''ڈاکٹر صاحب! میری امی کیسی ہیں؟ ٹھیک تو ہو جائیں گی نا وہ؟ کیا ہوا ہے انہیں؟'' مزنہ نے ایمرجنسی روم سے باہر آتے ڈاکٹر محمود اسلم کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''آپ کی والدہ کسی گہرے صدمے میں ہیں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے اگلے چوبیس گھنٹے ان کے لئے بہت اہم ہیں آپ ان کے لئے دعا کیجئے، ہم انہیں آئی سی یو میں شفٹ کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر محمود اسلم نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بتایا، اسے یہی ڈر تھا جو سچ ثابت ہو گیا تھا۔

''جی!'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''مزنہ بھابھی! آپ پریشان مت ہوں انشاء اللہ! آنٹی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔'' فیصل نے اسے دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

''انشاء اللہ۔'' وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

فیصل کو پہلی بار مزنہ سے اس طرح ملنا پڑ رہا تھا اور اسے چند گھنٹوں میں ہی احساس ہو گیا تھا کہ مزنہ کے بارے میں حمدان یوسف نے جو بھی بتایا تھا وہ صحیح تھا وہ اپنے باپ کے مزاج کے برعکس تھی۔

حساس، کیئرنگ اور نفیس شخصیت کی مالک!

فیصل کے دل میں مزنہ کے لئے عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور وہ بھائی بن کر ان مشکل حالات میں اس کا ساتھ دینے کے لئے پر عزم تھا، حمدان یوسف سے گہری دوستی کے ناطے یہ اس کا فرض بھی تھا۔

☆☆☆

وقت کی طنابوں کو
کون کھینچ پایا ہے
وقت نے سکھایا ہے
جو بھی کچھ ہے دنیا میں
مال و زر یہ دھن، دولت
سب مٹی ہے، سب مایا ہے
جس و جاں کے سب رشتے
تب تلک ہی جیتے ہیں
جب تلک ان رشتوں میں
بے ریا سی چاہت ہو
پرخلوص الفت ہو
بے غرض احساس ہو
تب تلک ہی جیتے ہیں
جسم و جاں کے سب رشتے
یہ نہ ہوں تو پھر سن لو!
مال و زر سے جڑنے پر
کسی نے کچھ نہیں پایا
اپنا آپ کھویا ہے
اپنا آپ گنوایا ہے

یہ مال و زر، یہ دھن دولت
سب مایا ہے
سب مایا ہے

راشد بیگ اور صابرہ کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا، صبح ہونے والی تھی، مزنہ فجر نماز ادا کر کے آئی تو فواد راشد اور فیصل کو دیکھتے ہوئے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی، وہ دونوں ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

''ابو! آپ کچھ کرتے کیوں نہیں ہیں؟'' مزنہ نے فواد راشد کو دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں سوال کیا، ان کے ساتھ ساتھ فیصل نے بھی اسے چونک کر دیکھا تھا۔

''میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ بے تاثر لہجے میں بولے۔

''کیوں نہیں کر سکتے کچھ؟ آپ کے پاس تو بہت دولت ہے، پیسہ ہے، صاحب حیثیت ہیں ناں آپ تو اب پھر کیوں نہیں اپنی بیوی اور باپ کو ہوش میں لا رہے؟''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟'' فواد راشد گرجے۔

''میرا دماغ تو خراب نہیں ہوا، آپ کی نیت خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے آج امی اور دادا جی ہوسپٹل میں بے ہوش پڑے ہیں۔'' مزنہ نے فیصل کی موجودگی کا خیال کیے بغیر کھری کھری سنا دیں۔

''خاموش بدتمیز۔'' فواد راشد غصے سے بولے۔

''بھابھی! پلیز یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' فیصل نے بھی نرمی سے اسے کہا تو وہ بولی۔

''فیصل بھائی! یہی تو وقت ہے ان باتوں کو کرنے کا۔''

''ابو! آپ کہتے تھے نا کہ دولت پاس ہو تو ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔'' مزنہ پھر سے فواد راشد کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

''تو جائیں جا کر اپنے باپ اور بیوی کے لئے صحت خرید کر لائیں اور کر دیں انہیں پہلے کی طرح صحت مند، کر سکتے ہیں آپ ایسا؟ یہ جو دولت آپ نے دھوکے سے حاصل کی ہے کیا یہ دولت میری ماں کے بیمار دل کو صحت بخش سکتی ہے؟ کیا آپ کی یہ دولت دادا جی کے بے جان اور مفلوج بدن میں جان ڈال سکتی ہے؟ لائیں اپنی دولت، اپنا پیسہ لا کر رکھیں دادا جی کے مفلوج بدن پر پھیر کر دیکھیں وہ پہلے کی طرح اٹھ کھڑے ہوں گے چلنے پھرنے لگیں گے ناں؟ نہیں خرید سکتے تھے نا آپ ان کے لئے صحت؟ دولت سے، روپے پیسے سے صرف چیزیں خریدی جاتی ہیں ابو، جذبے اور رشتے نہیں خریدے جا سکتے، امی کو ہارٹ اٹیک ہوا میرا دکھ اور تکلیف محسوس کر کے، دادا کو فالج ہوا اپنی پوتی پر ہونے والے ظلم کا سن کر، جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ یہ ہے رشتوں کی حقیقت، یہ ہے خون کی کشش اور اپنا ہونے کا احساس، دادا جی لاکھ مجھ سے دور رہتے تھے لیکن میں ان کی پوتی ہوں، ان کی اولاد کی اولاد وہ میرے دکھ پر دکھی نہ ہوتے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا، انہوں نے آپ کو صحیح غلط کی تمیز نہیں سکھائی، حرام حلال، جائز ناجائز کام کر کے دولت حاصل کر کے عیش کرنے سے نہیں روکا، بہت غلط کیا، لیکن وہ کبھی بھی آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے، دادا جی کو اور امی کو اس حال تک پہنچانے والے آپ ہیں ابو! جانتے ہیں عائشہ آنٹی نے میرے ساتھ برا برتاؤ کیوں کیا؟ آپ کی وجہ سے کیونکہ وہ جان چکی تھیں کہ ان کے مرحوم شوہر کے ساتھ آپ نے دھوکہ کیا فراڈ سے

پاور آف اٹارنی حاصل کی، آپ کے ظلم کا بدلہ انہوں نے آپ کی بیٹی پر ظلم کر کے لینا شروع کر دیا یہاں تک کے اسے جلا کر مارنے کی کوشش بھی کی، صرف اور صرف آپ کی وجہ سے ابو!''

''خاموش ہو جاؤ، اس کے سامنے بولے جا رہی ہو۔'' فواد راشد سٹپٹا کر بولے تو اس نے فیصل پر ایک نگاہ ڈالی وہ جو اس کی باتیں سن کر حیرت میں ڈوبا ہوا تھا، نگاہیں چرا گیا۔

''فیصل بھائی سے مت ڈریں کیونکہ یہ سب کچھ جانتے ہیں، اللہ جی سے ڈریں ابو! کیونکہ وہ بھی سب کچھ جانتے ہیں، ہم سب جانتے ہیں کے آپ نے کس طرح اور کس کے ذریعے یہ پراپرٹی حاصل کی ہے، لیکن آپ پر اگر ابھی تک ہاتھ نہیں ڈالا گیا تو اس کی وجہ حمدان یوسف کی اعلیٰ ظرفی ہے، اسے محبت ہے مجھ سے، عزت کرتا ہے وہ میری ماں کی اسی لئے ان رشتوں کی محبت اور احترام میں اس نے آپ کو ابھی تک قانون کے حوالے نہیں کیا حالانکہ اس کے پاس ثبوت بھی موجود ہیں۔'' مزنہ نے انہیں شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ان کے تو پسینے چھوٹ گئے، ان کی چوری پکڑی گئی ہے یہ خیال انہیں پریشان کر رہا تھا وہ اپنا آپ قید میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے محسوس کرتے ہوئے بے بسی سے چیخنے۔

''بکواس بند کرو، میں نے کوئی فراڈ نہیں کیا سمجھیں تم۔''

''میں تو سمجھ گئی ہوں، کاش آپ بھی اب سمجھ جائیں اور بیٹھے کیوں ہیں پلیز جائیں جا کر نوٹوں کی گڈیاں لائیں اور دادا جی کے بے جان وجود پر رکھیں شاید ان میں جان پڑ جائے، اور دعا کریں کے امی جلدی ہوش میں آ جائیں اور دادا جی کو معاف کر دیں ورنہ دادا جی کی مشکل آسان نہیں ہو گی انہوں نے بھی کم دکھ نہیں دیئے امی کو، ابو! ابھی بھی وقت ہے سنبھل جائیں، سدھر جائیں، ایسا نہ ہو کے مہلت ختم ہو جائے اور توبہ کے دروازے آپ پر بند ہو جائیں، زندگی میں ہی قصو معاف کروا لینے چاہیں ورنہ آخرت میں کوئی معافی نہیں ملتی۔'' مزنہ یہ کہہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر بے چینی سے پوچھنے لگے۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''باہر جا رہی ہوں سورج نکل آیا ہے پتا نہیں صبح کب ہو گی؟'' مزنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے معنی خیز جواب دیا اور وہاں سے باہر چلی گئی، فیصل بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

''مزنہ بھابھی! ایک بات پوچھوں آپ سے؟''

''پوچھیں۔''

''جب آپ ساری سچائی جانتی تھیں تو آپ بھی جانتی ہوں گی کے حمدان آپ سے بے حد محبت کرتا ہے۔''

''جی جانتی ہوں۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

''پھر بھی آپ نے حمدان کے ساتھ برا، بدتمیزانہ رویہ اپنائے رکھا، کیوں؟'' فیصل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا۔

''کیونکہ میں چاہتی تھی کہ حمدان تنگ آ کر مجھے چھوڑ دیں، میں ایک دھوکے باز انسان کی بیٹی کی حیثیت سے ساری زندگی حمدان کے سامنے نظریں جھکا کر نہیں جی سکتی۔'' اس نے سچ سچ بتا دیا۔

''لیکن آپ کے روڈ بی ہیویئر کے باوجود آپ کے اندر کی سچائی، اچھائی اور خوبصورتی کو جانتا ہے، پہچانتا ہے، اسے یقین ہے کہ قدرت نے آپ کی صورت میں اسے ''کہ کوہ نور'' عطا کیا

ہے اور وہ اس ہیرے کو گنوانے کی حماقت کبھی نہیں کرے گا۔" فیصل نے پریقین لہجے میں کہا تو وہ بنا کوئی جواب دیئے آئی سی یو کی جانب بڑھ گئی، فیصل نے مزنہ کو فواد راشد سے کہی ہوئی ساری باتیں اپنے موبائل فون میں ریکارڈ کر لی تھیں وہ اس نے حمدان یوسف کو سینڈ کر دیں اور اسے فون کر کے ساری صورتحال سے آگاہ بھی کر دیا۔

☆☆☆

صابرہ کو ہوش آ گیا تھا پورے بیس گھنٹے بعد انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں، مزنہ سجدہ شکر بجا لائی تھی، راشد بیگ بھی ہوش میں آ گئے تھے لیکن ٹھیک سے بات نہیں کر پا رہے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، مزنہ اور فواد راشد دکھ اور بے بسی سے انہیں دیکھ رہے تھے، فیصل بھی۔

"ص...... صا...... برہ۔" راشد بیگ نے بمشکل صابرہ کا نام لیا تو مزنہ نے انہیں بتایا۔

"امی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا الحمدللہ، اب ہوش میں آ گئی ہیں، ابھی آئی سی یو میں ہیں وہ۔"

"شکر۔" راشد بیگ کی زبان سے نکلا۔

"دادا جی! آپ کچھ کہنا چاہ رہے ہیں امی سے تو کہہ دیں میں ان تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گی۔" مزنہ ان کی حالت کو سمجھتے ہوئے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں بولی۔

"لل...... لے چلو...... ص...... صا...... برہ کے...... پاس۔" راشد بیگ نے اٹک اٹک کر بمشکل اپنی بات کہی۔

"ابا جی! آپ کی حالت ایسی نہیں ہے کہ بستر سے اٹھ سکیں۔" فواد راشد نے انہیں دیکھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"فیصل بھائی! آپ وارڈ بوائے سے کہیے وہ وہیل چیئر لے کر آئے ساتھ کسی اور ساتھی کو بھی لائے تاکہ دادا جی کو اٹھا کر وہیل چیئر پر بٹھا سکیں۔" مزنہ نے فیصل کی طرف دیکھ کر تیزی سے کہا وہ اس کی سمجھداری اور قوت فیصلہ پر حیران رہ گیا۔

"کیا کر رہی ہو تم ابا جی کی حالت خراب ہے اور تم انہیں مزید مشکل میں ڈال رہی ہو۔" فواد راشد تیزی سے بولے لہجے میں غصہ تھا لیکن مزنہ ان کی بات کو بے اثر کرتے ہوئے بولی۔

"میں ان کی مشکل کم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور پلیز مجھے یہ کام کرنے دیں ایسا نہ ہو کے وقت ہاتھ سے نکل جائے۔" فیصل اس کی بات سمجھ گیا اسی لئے فوراً گیا اور وارڈ بوائے وہیل چیئر کے ساتھ لے آیا ساتھ ہی ڈاکٹر سے اجازت بھی لے آیا تھا راشد بیگ کو صابرہ سے ملوانے کے لئے اور وہ انہیں وہیل چیئر پر بٹھا کر صابرہ کے پاس لے گئے۔

"ابا جی!" صابرہ انہیں وہیل چیئر پر ایسی معذوری کی حالت میں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"بہو...... معا...... ف کر...... دے۔" راشد بیگ نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں صابرہ سے معافی مانگتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ معافی کی غرض سے جوڑنے کی کوشش کی تھی۔

"ابا جی! یہ...... کیا کر رہے ہیں آپ؟" صابرہ بمشکل بول پائیں، مزنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"امی! دادا جی معاف مانگ رہے ہیں انہوں نے آپ کے ساتھ آج تک جو بھی منفی رویہ رکھا اس کے لئے انہیں معاف کر دیں تاکہ ان کی تکلیف کم ہو سکے۔"

"آپ کو...... میں نے ہمیشہ اپنے باپ کی جگہ...... سمجھا ہے ابا جی! مجھ سے معاف مانگ کر...... گناہ گار مت کریں مجھے...... پھر بھی اگر

آپ کو سکون ملتا ہے تو...... میں نے آپ کو دل سے معاف کیا۔" صابرہ نے تھکے تھکے کمزور لہجے میں رک رک کر کہا تو راشد بیگ نے روتے ہوئے آنسوؤں کے ذریعے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے سر پر اپنا بایاں ہاتھ شفقت سے رکھ دیا، صابرہ کو آج پہلی ان کا دست شفقت اپنے سر پر محسوس ہوا تھا فرط جذبات سے ان کے بھی آنسو بہنے لگے تھے، فواد راشد باہر کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے، صابرہ کی حالت میں انہیں اپنی زیادتیوں کی پوری فلم چلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی اور راشد بیگ میں انہیں اپنا مستقبل قریب دکھائی دے رہا تھا، عجیب طرح کی بے قراری، احساس زیاں اور شرمندگی کا احساس انہیں بری طرح سے بچھو کے لگا رہا تھا، بے چینی احساس جرم انہیں ضمیر کی عدالت میں کھڑا کر کے کوڑے مار رہا تھا۔

گیا عمر بھر کا غرور بھی
گئی زندگی کی بساط بھی
نہ وہ سب ملا جو تھا
تیری چاہ
نہ تو سنگ اپنے لے کہ جا سکا
وہ جو مال و زر تھا
پڑا رہا
وہ جو حیثیت کا غرور تھا
سب دھرا رہا
گیا ہاتھ خالی تو اس طرح
کے موت ہنس کر امر ہوئی
تیرے قول و فعل میں جو زہر تھا
تیری گور تک میں اتر گیا
تیری موت کب کی تھی ہو چکی
کہا کس نے اب یہ
کہ تو مر گیا؟

اسی شام مغرب اور عشاء کے درمیان راشد بیگ کا انتقال ہو گیا، وہ جو سانس اٹکی تھی تب تلک معافی اور توبہ نے وہ سانس نکلنے میں آسانی پیدا کر دی تھی، اگلی صبح دس بجے راشد بیگ کی نماز جنازہ ادا کر دی گئی، صابرہ کو فی الحال ان کے انتقال کی خبر نہیں دی گئی تھی ان کی، مزنہ کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی، مسلسل دکھ، صدمے اور نیند کی کمی نے اسے ادھ موا کر دیا تھا، عائشہ رضا کو ساری خبریں مل رہی تھیں، فواد راشد اور فیصل نے پہلے ہی ملازموں کو عائشہ رضا کا خیال اور کم ان پر نظر رکھنے کا کہا ہوا تھا اور حمدان کے آنے سے پہلے انہیں گھر سے باہر جانے کی اجازت بھی نہیں دی تھی، عائشہ رضا نے گھر پر اپنے وکیل کو بلوایا تھا جو ان کے کہنے کے مطابق طلاق کے کاغذات تیار کر کے انہیں دے گیا تھا، عائشہ رضا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ حمدان یوسف کے واپس آتے ہی اس سے طلاق کے ان پیپرز پر سائن کروا کر طلاق نامہ مزنہ کے ہاتھ میں دیں گی اور اپنے گھر سے باہر نکال دیں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

ادھر فلائیٹ کینسل ہو جانے کے باعث حمدان یوسف کو واپسی پر دوبئی میں مزید دو دن لگ گئے، وہ فیصل سے پل پل کی رپورٹ لے رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کے اڑ کر وہ مزنہ کے پاس پہنچ جاتا، اسے احساس تھا کے ان حالات میں اسے مزنہ کے پاس ہونا چاہیے تھا مزنہ کو اس کی بہت ضرورت تھی اس وقت، مگر وہ بھی اپنی جگہ مجبور تھا فلائیٹ نہ ملنا بھی ایک مسئلہ تھا۔

"مزنہ بیٹی! تم نے جو کہا صحیح کہا، مجھے احساس دلا دیا ہے تم نے کے میں غلط تھا ہمیشہ سے غلط تھا، میں نے کبھی بھی رشتوں کو اہمیت ہی نہیں دی وہ رشتے جو میں نے اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا کر قائم کیا اس کی کبھی دل سے عزت نہیں کی، میں تمہیں تمہاری ماں کو ہمیشہ بوجھ سمجھا، فرض اور ذمے داری کو بوجھ اور مصیبت سمجھتا رہا اور تم دونوں پر خرچ کر کے احسان جتاتا رہا، جبکہ یہ میرا فرض تھا کہ میں اپنی بیوی اور بیٹی کی کفالت کروں، میں نے تمہاری محبت اور تمہاری ماں کی محبت و خدمت کو جوتے کی نوک پر رکھا ہمیشہ، اللہ مغفرت کرے ابا جی کی، انہوں نے بھی مجھے کبھی تم دونوں کے ساتھ ناانصافی کرنے پر نہیں ٹوکا، کیونکہ وہ تو خود اپنی بیوی اور میری ماں کے ساتھ ساری زندگی یہ ناانصافی کرتے چلے آئے تھے، میں بھی یہی سب دیکھ کر پروان چڑھا تھا، میں نے بھی عورت کی عزت نہیں کی اپنے باپ کی طرح، لیکن میں نہیں چاہتا کہ میں بھی ابا جی کی طرح مروں، اس لئے اپنی زندگی میں پورے ہوش و حواس میں اپنی زیادتیوں، غلطیوں، ناانصافیوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں تم سے بھی اور تمہاری ماں سے بھی، تم دونوں مجھے معاف کر دو، میں بہت نادم ہوں اپنے کیے پر۔'' مزنہ ہوسپٹل میں صابرہ کے پاس بیٹھی تھی وہ کافی بہتر محسوس کر رہی تھیں، آج انہیں ایک دن پہلے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا، فواد راشد نے ان دونوں کے سامنے آ کر اپنی شرمندگی کا اظہار اور اعتراف جرم کرتے ہوئے معافی کے لئے ان کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے، وہ دونوں حیرت زدہ تھیں۔

''ابا جی! کیا ہوا ابا جی کو؟'' صابرہ کی سماعتوں میں فواد راشد کا جملہ گونج رہا تھا۔

''اللہ مغفرت کرے ابا جی کی۔''

''ابا جی کا انتقال ہو گیا صابرہ، وہ تم سے معافی مانگنے کے چند گھنٹوں بعد رخصت ہو گئے اس دنیا سے کل ابا جی کا سوئم تھا۔'' فواد راشد نے بھیگتے لہجے میں جواب دیا۔

''یا اللہ! ابا جی چلے گئے، مجھے کیوں نہیں بتایا کسی نے؟'' صابرہ نے ہمیشہ راشد بیگ کو واپنے باپ کا درجہ دیا تھا، ان کے انتقال کی خبر سے انہیں شاک لگا تھا۔

''امی! ڈاکٹر نے منع کیا تھا آپ کی کنڈیشن ایسی نہیں تھی کہ آپ کے دادا جی کی موت کی خبر دی جاتی، اللہ کی یہی مرضی تھی امی، آپ خود کو سنبھالیں اور شکر ادا کریں کے آپ نے انہیں معاف کر کے ان کا آخری سفر آسان کر دیا۔'' مزنہ ان کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولی صابرہ رو رہی تھیں۔

''میں نے ہمیشہ ابا جی کو اپنا باپ سمجھا کبھی ان کے سامنے زبان نہیں کھولی۔'' صابرہ نے روتے ہوئے دکھی لہجے میں کہا تو فواد راشد بولے۔

''میں جانتا ہوں صابرہ! بس ہم نے جاننے، ماننے اور پہچاننے میں بہت دیر کر دی، تمہاری عمر کے سنہری سال تمہیں دکھ دیتے گزار دیئے، تمہاری خوشیوں کے لمحوں کو غموں کی جلتی دوپہر میں بدل دیا، تمہاری ہنسی کو آنسوؤں میں تبدیل کر دیا، تمہاری مسکراہٹ نوچ کر پھینک دی، بہت ظلم کیا ہم نے خاص کر میں نے، تمہارا شوہر ہونے کا حق فرض ادا نہیں کر سکا، مجھے معاف کر دو صابرہ، خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔'' فواد راشد ندامت آمیز لہجے میں بولتے بولے رو پڑے، صابرہ بیگم بہت دکھ اور تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ۔

''یہ وہ شخص ہے جو ساری زندگی فرعون بنا رہا اور آج ایک بھکاری بنا کھڑا ہے میرے سامنے معافی کی بھیک مانگ رہا ہے، میرے پچھلے

ہوئے ہاتھوں پر آج خدا کو ترس آ ہی گیا جبھی تو مجھ پر ظلم کرنے والا ہاتھ جوڑے کھڑا ہے میرے سامنے۔''

''صابرہ!'' فواد راشد کی آواز پر وہ اپنی سوچوں کے گرداب سے باہر نکل آئیں۔

''میں نے آپ کو اپنے اللہ کی رضا کے لئے معاف کیا، اللہ بھی آپ کو معاف کرے۔''

''شکریہ صابرہ! بہت بہت شکریہ، دیکھنا اب میں سب ٹھیک کر دوں گا بہت عزت سے نبھاؤں گا یہ رشتہ عزت سے اور محبت سے۔'' فواد راشد نے متشکر لہجے میں کہا اور مزنہ کے سر پر پہلی بار محبت و شفقت سے دست شفقت رکھا تو صابرہ کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ نکلے۔

''آج یہ یقین اور بھی مضبوط ہو گیا کے سجدے اور آنسو کبھی رائیگاں نہیں جاتے۔'' صابرہ نے دل میں کہا اور سکون سے آنکھیں موند لیں۔

صابرہ اور فواد راشد نے مزنہ کو آرام کرنے کی غرض سے گھر بھیجا تھا، عائشہ رضا اسے دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو گئیں۔

''یہاں کیا لینے آئی ہو؟''

''لینے نہیں آئی بلکہ کچھ دینے آئی ہوں لیکن حمدان کے آنے پر ہی دوں گی۔'' مزنہ نے بہت سکون سے جواب دیا۔

''حمدان بھی آنے پر تمہیں کچھ دے گا۔''

''کیا؟''

''طلاق۔''

''اچھا!'' وہ ہنس پڑی۔

''تو شوق سے دے طلاق اس کے ساتھ رہنا کون چاہتا ہے۔'' انہیں حیرت مزنہ اپنے ادھ جلے کمرے میں چلی آئی جہاں سب ویسے ہی پڑا تھا جیسا وہ چھوڑ گئی تھی، اس نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور پھر سائیڈ ٹیبل کی جانب آ کر دراز کھولی تھی اپنی ڈائری نکالنے کے لئے مگر ڈائری وہاں موجود نہ تھی، مزنہ نے تمام دراز کھول کر اچھی طرح چیک کر لئے مگر ڈائری نہ ملنی تھی سو نہ ملی۔

''کیا تلاش کر رہی ہیں دلہن بی بی!'' نسرین اس کے لئے جوس لے کر آئی تھی، اسے یوں کچھ ڈھونڈتے دیکھ کر پوچھ لیا۔

''میری ڈائری رکھی تھی یہاں میں اب مل نہیں رہی۔''

''اچھا، کمرے میں اس دن کے بعد سے کوئی بھی نہیں آیا تھا رات میں آپ کے ابو آئے تھے وہ بھی اس رات ہی جب کمرے میں آگ لگی تھی۔'' نسرین نے جوس کا گلاس اس کی جانب بڑھا کر جواب دیا۔

''کہیں ابو نے تو نہیں ڈائری نکال کر پڑھ لی، اوہ شیٹ۔'' مزنہ نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔

''آپ ساتھ والے کمرے میں جا کر آرام کر لیں یہاں تو آرام نہیں ہو سکے گا، آپ کہیں تو میں آپ کا سامان ساتھ والے کمرے میں رکھ دوں؟'' نسرین کو اس سے دلی ہمدردی تھی اس لئے احساس کرتے ہوئے پوچھا تو کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

''ہوں، نہیں آپ ایسا کریں ڈریسنگ روم میں سے میرا بیگ اور سوٹ کیس اٹھا لائیں اور میرے کپڑے جوتے اس میں پیک کر دیں۔''

''تو کیا آپ سچ مچ یہاں سے جا رہی ہیں؟''

''جانا تو ہو گا اور ابھی امی کو میری ضرورت ہے میں ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں باقی میری ساس نے تو مجھے طلاق دلوانے کا منصوبہ تیار کر ہی لیا ہے، پھر میں یہاں رہ کر کیا کروں؟ طلاق نامہ

تو میرے میکے بھی بھجوایا جا سکتا ہے۔" وہ جوس کا سیپ لے کر خالی پن سے بولی۔

"اللہ نہ کرے دلہن بی بی کے آپ کو طلاق ہو مجھے یقین ہے حمدان بابا کبھی آپ کو طلاق نہیں دیں گے۔" نسرین نے بے چین ہو کر کہا۔

"یہ یقین تو مجھے بھی ہے لیکن، خیر چھوڑیں آپ میرا سوٹ کیس اور بیگ تیار کر دیں میں جوس ختم کر کے شاور لوں گی پھر کچھ دیر سوؤں گی اگر نیند مہربان ہو گئی تو۔" مزنہ نے تھکے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا اور جوس ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

مزنہ خود کو ہر طرح کی صورتحال کے لئے تیار کر چکی تھی، وہ سب کچھ جانتی تھی کے اس کے باپ نے فراڈ کیا تھا یوسف رضا کے ساتھ عائشہ رضا کا بدلنا اسے برداشت کرنا ہی تھا کیونکہ اس سب میں انہوں نے اپنا شوہر کھویا تھا ان کا غصہ ان کا انتقام بجا تھا، وہ مردوں سے نفرت کرتی تھی یہ بھی سچ تھا لیکن اب اسے حمدان یوسف جیسے مہذب مرد سے محبت ہو گئی تھی یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت تھی، وہ ان سارے حقائق کو جانتے، مانتے اور سمجھتے ہوئے آج تک اپنے جذبات و احساسات کو اپنے اندر ہی دبائے رکھنے پر مجبور رہی تھی یا اپنی ڈائری کے سینے میں کچھ درد بھرے حقائق کو رقم کر کے اپنے اندر کی گھٹن کچھ کم کر لیا کرتی تھی، کسی سے بات کر، بات کہنا اس کے اختیار میں تھا ہی کہا تھا، وہ ان سب حالات کے ساتھ اب اپنی ماں کی بیماری، دادا کی وفات سے بھی بری طرح بکھر چکی تھی خود کو سنبھالے ہوئے تھے، مضبوط ظاہر کر رہی تھی۔

کیونکہ ابھی تو ایک معرکہ سر ہوا تھا دادا اور باپ کو اپنے رویوں کی بدصورتی کا احساس ہو گیا تھا، انہوں نے معافی مانگ لی تھی، دوسرا معرکہ سر کرنا ابھی باقی تھا اور وہ تھا حمدان یوسف سے علیحدگی اختیار کرنے کا، اسے اس کی امانت واپس لوٹا کر وہ خود بھی اس کی زندگی سے واپس لوٹ جانا چاہتی تھی، گو کے اس کھیل میں دل کا زیاں تھا بہت، مگر اسے اس احساس زیاں کے ساتھ جینا تھا، وہ ہر پہلو پر سوچ رہی تھی، نیند تھی کے پلکوں کے کناروں پہ قدم دھرنے کو بھی تیار نہ تھی، وہ ایک اعصاب شکن صورتحال سے دوچار تھی، سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، آنکھیں جاگنے رونے سے سرخ، سوجی ہوئی تو تھیں ہی، جلن بھی محسوس کر رہی تھیں، بہت دیر کروٹیں بدلنے کے بعد بھی جب نیند نہ آئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، دو پین کلر کھائیں پانی پیا اور باہر لان میں چلی آئی جہاں ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی فضا میں ہلکی سی تپش بھی تھی مگر ہوا کا مزاج ٹھنڈا تھا مزنہ کو قدرے آرام محسوس ہوا وہاں آ کر سیاہ شلوار، ڈارک براؤن، سیاہ دھاگے کے کام قمیض اور سیاہ دوپٹے میں سلکی سیاہ بالوں کو ہیئر بینڈ میں مقید کیے وہ اداسی اور دکھ کا مجسمہ دکھائی دے رہی تھی۔

حمدان یوسف چند منٹ پہلے ہی گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا اور پہلی نظر لان میں کھڑی مزنہ پر ہی پڑی تھی جسے دیکھ کر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا، اسے یاد آ رہا تھا جب اس نے پہلی بار مزنہ کو اپنے گھر میں دیکھا تھا تو تب وہ بھی لان میں اسی جگہ کھڑی تھی لیکن تب میں اور اب میں بہت فرق تھا، تب وہ بہت تر و تازہ، دلکش، معصوم پھول کی طرح مسکرا رہی تھی زندگی سے بھرپور دکھائی دے رہی تھی اور آج، آج وہ کھڑی تو اسی جگہ تھی مگر زندگی کے دیئے دکھوں سے آزردہ، غمزدہ اور تنہا دکھائی دے رہی تھی، فیصل کی زبانی حمدان یوسف کو یہاں ہونے والے ہر معاملے کی خبر ملتی رہی

تھی وہ پل پل کی خبر سے واقف تھا اور مزنہ کی ہمت، حوصلے اور سمجھداری کا دل معترف ہو گیا اور اس کے عشق میں پور پور ڈوب چکا تھا اور عائشہ رضا کے عمل نے اسے گہرے دکھ و ندامت سے بھی دوچار کیا تھا۔

''مزنہ!'' حمدان یوسف نے اس کے قریب پہنچ کر پکارا۔

''آپ...... آ گئے۔'' مزنہ نے چونک کر دیکھا تھا۔

''ہاں...... کاش! میں گیا ہی نہ ہوتا۔''

''جب جب جو جو ہونا ہے تب تب سو سو ہوتا ہے، ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔'' مزنہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

''دادا جی کی وفات کا بہت دکھ ہے مجھے۔'' وہ دل سے بولا۔

''مجھے بھی۔''

''لیکن اچھی بات یہ ہے کہ وہ معافی مانگ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔'' حمدان یوسف نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہوں، انسان کو اپنی زندگی میں ہی معافی مانگ لینی چاہیے ورنہ قضا کے بعد بخشش مشکل ہو جاتی ہے، پچھتاوے کی موت جہنم کی طرف لے جاتی ہے، اس لئے میں چاہتی ہوں کے آپ بھی مجھے میری زندگی میں ہی معاف کر دیں۔'' مزنہ نے دھیمے مگر نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر رہ گیا۔

''مزنہ! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں، میں نے بہت دکھ دیئے ہیں آپ کو، بہت روڈلی بی ہیو کیا ہے آپ کے ساتھ، آپ کو وہ عزت، وہ اپنائیت و محبت نہیں دی جو ایک بیوی ہونے کے ناطے مجھ پر فرض تھی، وہ غرور، غصہ، کروفر، بدتمیزی سب اس لئے نہیں تھا کے میں خود کو آپ کی پراپرٹی کی مالک سمجھتی تھی یہ سب کل بھی آپ کا تھا اور آج بھی آپ ہی کا ہے وہ سب کسی اور وجہ سے تھا، بہرحال اب وہ وجہ بھی نہیں رہی، آپ ایک اچھے انسان ہیں اس لئے امید رکھتی ہوں کے آپ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے معاف کر دیں گے۔'' مزنہ نے بڑے حوصلے سے اپنی بات مکمل کی تھی، اس کی آنکھوں کی نمی، لہجے کی بے بسی، آواز کی لرزش حمدان یوسف کے دل کے کانوں نے سنی اور محسوس کی تھی، اس کا دل چاہا کے وہ اسے اپنے بازوؤں میں سمو کر اپنے محبت بھرے سینے میں چھپا لے۔

''اور اگر میں معاف نہ کروں تو؟''

''تو آپ کی مرضی، حق ہے آپ کا لیکن آپ میرے والد کی طرح کے مرد تو نہیں ہیں نا، تو معاف کر دیجئے گا مجھے میری زندگی میں ہی، آپ کو بھی بعد میں پچھتاوا نہیں ہوگا۔'' مزنہ نے گہرا سانس لے کر خود کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''واٹ ڈو یو مین بعد میں؟ مجھے تمہارے بعد نہیں تمہارے ساتھ جینا ہے سنا تم نے، خبردار، جو دوبارہ ایسی بات کی ہو۔'' حمدان یوسف نے اسے شانوں سے پکڑ کر اس کے چہرے کو محبت اور بے قراری سے دیکھتے ہوئے تڑپ کر کہا۔

''اوکے لیکن۔'' مزنہ نے کچھ بولنا چاہا حمدان یوسف نے اس کے لبوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ دی۔

''تم چاہتی ہو کے میں مر جاؤں؟''

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے بے اختیاری میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے بے قرار لہجے میں کہا تو حمدان یوسف کو اپنے لئے اس کی محبت روح کی گہرائی تک اترتی محسوس ہوئی تھی۔

تیرے ہونے سے سانس چلتی ہے
بس مجھے اتنا پیار ہے تجھ سے

حمدان یوسف نے اس کے شبنمی رخساروں پر آنکھوں کی کان سے گرتے ہیرے جیسی اشک اپنے ہاتھوں کی پوروں سے چنتے ہوئے یہ شعر بہت جذب سے پڑھا۔

اسی وقت عصر کی اذان شروع ہوگئی تو حمدان یوسف اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ اذان بھی میرے جذبوں اور تمہارے آنسوؤں کی سچائی کی گواہی دے رہی ہے، محبت سے فرار، محبت سے انکار بھی کفران نعمت ہے اور محبت بھری نعمتوں کو اعزاز کی طرح حاصل کیا جاتا ہے یہ بات تم سے بہتر اور کون جان سکتا ہے؟''

حمدان یوسف نے بہت محبت سے اس کے آنسو صاف کیے اس کی جھکی ہوئی بھیگی پلکوں کو چوما اور اسے حیرت میں ڈوبا دیکھتے ہوئے خوشدلی سے مسکرا دیا اور اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے محبت سے بولا۔

''آؤ اندر چلیں، کب سے سوئیں ناں تم؟ اب میں آ گیا ہوں تم بے فکر ہو کر سونا میں سب کام دیکھ لوں گا ڈونٹ وری، میں ہوں ناں۔''

''جی!'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

حمدان یوسف کی اتنی محبت، مہربانی اور احساس پر فرط مسرت وتشکر سے اس کی آنکھیں بار بار موتی لٹانے لگتیں، حمدان یوسف اسے دوسرے کمرے میں لے گیا تھا، ملازم نے اس کا سامان بھی اسی بیڈ روم میں پہنچا دیا تھا، وہ مزنہ کو بیڈ پر لٹا کر آرام کرنے کا کہہ کر خود فریش ہونے چلا گیا، واپس آ کر نسرین کی زبانی ساری صورتحال سے آگہی حاصل کی، اپنے اور مزنہ کے اس بیڈ روم کا جائزہ لیا جہاں عائشہ رضا نے آگ لگائی اور کمرا پہلے کی طرح بالکل نئے جیسا تیار کرنے کا آرڈر بھی دے دیا۔

عائشہ رضا سو رہی تھیں، جب نیند سے بیدار ہو کر لاؤنج میں آئیں تو حمدان یوسف کو وہاں بیٹھا دیکھ کر چونکیں وہ چائے پی رہا تھا اور شاید کہیں جانے کے لئے بھی تیار تھا۔

''حمدان!'' عائشہ رضا نے اسے مخاطب کیا۔

''السلام علیکم ممی! کیسی ہیں آپ؟'' حمدان یوسف نے انہیں دیکھتے ہوئے وہیں بیٹھے بیٹھے سلام کیا تھا، ہمیشہ کی طرح ان کے پاس جا کر نہیں ملا اور یہ بات عائشہ رضا نے فوراً محسوس کی تھی، جبھی فوراً پوچھا۔

''وعلیکم السلام! تم ماں سے ملو گے نہیں؟''

''نہیں، کیونکہ میری ماں نے مجھے خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' وہ چائے کا کپ میز پر رکھ کر گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

''حمدان! تم ہوش میں تو ہو، کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں کہ کیا کہہ رہے ہو؟'' عائشہ رضا غصیلے لہجے میں بولیں۔

''میں تو ہوش میں ہوں ممی، لیکن آپ نے ہوش وخرد کی ساری حدیں پار کر لیں، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس حد تک جا سکتی ہیں آپ نے مزنہ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے نا، اس نے میرا سر شرم سے جھکا دیا ہے، مزنہ سے نظریں ملانے کے لائق نہیں رہا میں۔'' حمدان یوسف نے دکھی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

''کہاں جا رہے ہو تم؟'' عائشہ رضا نے تیز آواز میں پوچھا۔

''مزنہ کو دیکھنے جا رہا ہوں اگر وہ جاگ گئی ہیں تو انہیں اپنے ساتھ ہوسپٹل لے کر جاؤں گا

صابرہ آنٹی کے پاس۔'' اس نے رک کر جواب دیا تو وہ فوراً بولیں۔

''تمہیں کیا ضرورت ہے مزنہ کو ہوسپٹل لے کر جانے کی اسے تم اس کے میکے بھیجو، فارغ کرو اسے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟'' وہ واپس پلٹا۔

''میں نے طلاق کے پیپرز بنوا لئے تھے تم ان پیپرز پر دستخط کرو اور اس لڑکی کے منہ پر مارو، نکالو اسے اس گھر سے میں اسے اپنی بہو کے روپ میں مزید برداشت نہیں کر سکتی سنا تم نے حمدان!'' عائشہ رضا نے تیز اور زہریلے لہجے میں کہا۔

''تو آپ بھی سن لیں ممی! کے میں مزنہ کو ہی اپنی شریک حیات کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں ہمیشہ میں اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، آپ یہ بات بھول جائیں کے میں کبھی مزنہ کو طلاق دوں گا۔'' حمدان یوسف نے فیصلہ کن اور اٹل لہجے میں جواب دیا۔

''وہ خود بھی تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔''

''آپ اس کی فکر مت کریں میں اسے منا لوں گا، راضی کر لوں گا۔'' حمدان یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اپنی ماں کو ناراض کر کے تم ایسا کرو گے یاد رکھنا حمدان! ماں کی نافرمانی اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔''

''آپ بھی یہ بات مت بھولیں ممی کے طلاق اللہ کا سب سے ناپسندیدہ فعل ہے، دل آزادی، جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے، اللہ اپنے حقوق تو معاف کر دے گا لیکن اپنے بندوں کے ساتھ کی گئی زیادتیاں اور ظلم معاف نہیں کرے گا، اس لئے بہتر یہی ہوگا کے آپ بھی اپنی غلطی تسلیم کر لیں اور مزنہ سے معافی مانگ لیں۔'' حمدان یوسف نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے انہیں مشورہ دیا، وہ نخوت سے سر جھٹک کر بولیں۔

''ہونہہ، میں اس لڑکی سے معافی مانگوں گی، مائی فٹ، تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں نے کہا ہے۔''

''سوری ممی، میں کسی غلط کام میں آپ کا کہا نہیں مانوں گا آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

''ماں کا کہا اب غلط ہو گیا، ماں کا ساتھ دینا مشکل لگنے لگا ہے اسے میں بھی دیکھتی ہوں کے کیسے میری بات نہیں مانتا؟'' عائشہ رضا غصے سے بڑبڑاتی ہوئی طلاق کے تیار شدہ پیپرز لینے کے لئے اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

حمدان یوسف کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نظر جائے نماز پر بیٹھی مزنہ پر پڑی وہ تسبیح پڑھ رہی تھی، اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دعا مانگتے ہوئے خوب روئی ہے، حمدان یوسف اسے دیکھتے ہوئے وہیں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا، جونہی وہ فارغ ہوئی اور جائے نماز تہہ لگانے لگی تو حمدان یوسف بولا۔

''سوئی نہیں آپ؟''

''ایسے حالات میں نیند کہاں آتی ہے؟'' مزنہ نے جائے نماز ایک طرف اسٹول پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں، یہ بھی ہے لیکن آپ سوئیں گی نہیں تو آپ کی طبیعت بھی خراب ہو جائے گی اور میں آپ کا بیمار ہونا افورڈ نہیں کر سکتا۔'' حمدان یوسف کا دل جب اس کے لئے بے حد عزت و محبت سے بھرا ہوتا تب وہ اسے آپ کہہ کر مخاطب کرتا

تھا اور تم اس وقت کہتا جب وہ اپنے جذبوں کے اظہار میں بے اختیار ہو جاتا تھا۔
"کیوں؟" مزنہ نے اسے دیکھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔
کیونکہ مجھے عشق ہے، تیری ذات سے
تیری بات سے، تیرے ساتھ سے
حمدان یوسف نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا، مزنہ اس کی اس بات پر ان حالات میں خوش بھی نہ ہو سکی تھی اور خوش ہوتی بھی کیسے وہ جانتی تھی کہ حمدان یوسف کے ساتھ زندگی بسر کرنا محض ایک خواب ہے وہ اپنے باپ کی غلطی کی وجہ سے اور حمدان یوسف کی ماں کی وجہ سے یہ شادی ختم کرنے پر مجبور تھی، یہ بات ان کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور دکھ کا باعث تھی اور اسے یہ دکھ جھیلنا ہی تھا اب۔
"فضول باتیں ہیں یہ سب جایئے اپنی ممی کی بات سنیئے وہ آپ کو آواز دے رہی ہیں۔" مزنہ کے کانوں میں عائشہ رضا کی آواز آئی تو اس نے اپنے لہجے کو جان بوجھ کر سپاٹ بنا کر کہا۔
"ممی کی بات نہیں سنوں گا میں اور آپ کو میری بات ماننا ہی ہو گی، ایک بات یاد رکھیے گا مزنہ، آپ حمدان یوسف کی زندگی ہیں، اگر آپ کو کچھ ہوا تو حمدان بھی زندہ نہیں رہے گا مجھے چھوڑ کر جانے کا سوچیے گا بھی نہیں۔" حمدان یوسف نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دل سے کہا وہ نگاہ چرا گئی، دل کی دھڑکنوں میں طلاطم بپا تھا اسے کیسے سنبھالتی؟
"حمدان باہر آؤ اور اس لڑکی کو بھی باہر لاؤ۔" عائشہ رضا کی آواز ان دونوں کے کانوں میں پڑی تو مزنہ نے ایک لمبا سانس لیا خود کو مضبوط کیا اور دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے، حمدان یوسف بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔
عائشہ رضا ہاتھ میں طلاق کے کاغذات لئے ان کے کمرے کے باہر موجود تھیں۔
"حمدان! یہ لڑکی کیا کر رہی ہے اس گھر میں اس نے تمہاری ماں کو جلا کر مارنے کی کوشش کی تھی مجھے اپنے کمرے میں یہ کہہ کر بلایا کے اکیلے میں ڈر لگتا ہے آپ میرے کمرے میں سو جائیں اور مجھے سلا کر خود یہاں چلی گئی آگ لگا کر وہ تو میری آنکھ کھل گئی جو میں بیڈ پر آگ دیکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی ورنہ اس لڑکی نے تو مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" عائشہ رضا نے مزنہ کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے من گھڑت کہانی سنا ڈالی، مزنہ حیرت، دکھ اور تاسف زدہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی، حمدان یوسف کو مزنہ کے چہرے کے تاثرات اس کے دلی جذبات و کیفیت کا حال بتا رہے تھے۔
"ممی! آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" حمدان یوسف نے افسوس بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہٹ دھرمی سے بولیں۔
"میں وہی کہہ رہی ہوں جو سچ ہے تم اس لڑکی سے پوچھتے کیوں نہیں ہو؟ آگ کیوں لگائی تھی اس نے؟"
"ممی! سچ کیا ہے یہ آپ بھی جانتی ہیں یوں چیخ چلا کر آواز بلند کرنے سے بات میں وزن پیدا نہیں ہوتا بلکہ آپ کی ذات کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے آپ کی اوقات کا پتا چل جاتا ہے۔" حمدان یوسف نے بہت سنجیدہ لہجے میں مدھم آواز میں کہا تو وہ مزید بھاؤ کھانے لگیں۔
"حمدان! تم اپنی ماں سے اس طرح کی باتیں کر رہے ہو وہ بھی اس دو ٹکے کی لڑکی کی وجہ سے نکالو اسے میرے گھر سے، ابھی طلاق دو

اسے، دستخط کرواں پیپرز پر ابھی۔'' عائشہ رضا نے غصیلے، تیز اور سپاٹ لہجے میں کہا، نیچے نسرین سمیت گھر کے دیگر ملازمین بھی کھڑے ان کی بات سن رہے تھے انہیں نگاہیں بلند کیے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے، نسرین کو بہت دکھ ہو رہا تھا مزنہ کے عائشہ رضا کے منفی رویے سے۔

''واٹ؟ آپ نے طلاق کے پیپرز بھی تیار کروا رکھے ہیں۔'' حمدان یوسف نے شاک میں آتے ہوئے کہا وہ اسی لہجے میں بولیں۔

''ہاں جب حقیقت کھل گئی ہے کہ اس کا باپ فراڈ تھا تو ہم اس آدمی کی بیٹی کو اپنے گھر کیوں رکھیں، میں اسے اپنی بہو نہیں دیکھنا چاہتی۔''

''لیکن میں اسے اپنی بیوی دیکھنا چاہتا ہوں ہمیشہ۔''

''حمدان! تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں چاہتی ہوں۔'' عائشہ رضا کے غصے کے ساتھ ان کی آواز بھی بلند ہوتی جا رہی تھی، مزنہ کو ان پر ترس آ رہا تھا۔

''ممی! میں آپ کی بے جا خواہش اور ضد پر اپنی چاہت قربان نہیں کر سکتا اس لئے پلیز تماشا مت بنائیں ہمیں۔'' حمدان یوسف نے نرمی سے جواب دیا۔

''تماشا تو اب بنے گا مزنہ بیگم کا تم طلاق دو گے اسے۔'' عائشہ رضا اسے جلال میں بولی تو مزنہ کو کچھ یاد آ گیا وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو عائشہ رضا دھاڑیں۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟''

''آتی ہوں ابھی، آپ کی ایک امانت لا کر دینی ہے آپ کو آپ طلاق کے پیپرز پر سائن کروائیں میں آپ کی پراپرٹی کے پیپرز لاتی ہوں۔'' مزنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا اور حمدان یوسف کو ایک شاک لگا کر چلی گئی۔

''سنا تم نے وہ بھی تم سے طلاق چاہتی ہے اب کرو سائن۔'' عائشہ رضا نے حمدان یوسف کو دیکھتے ہوئے کہا اور طلاق کے پیپرز اس کی طرف بڑھائے۔

''وہ ایسا صرف آپ کی وجہ سے کہہ رہی ہے۔''

''ہاں تو اچھا ہے نا، وہ عقلمندی کا مظاہرہ کر رہی ہے تو تم کیوں اس کے عشق میں پاگل ہوئے جا رہے ہو؟''

''کیونکہ وہ ایسی ہے کہ اس کے عشق میں پاگل ہوا جائے۔'' حمدان یوسف نے دل سے کہا اسی وقت مزنہ ہاتھوں میں چند فائلز اٹھائے وہاں آ گئی اور وہ فائلز حمدان یوسف کی جانب بڑھا کر بولی۔

''یہ لیجئے، آپ کی امانت آپ کو لوٹا رہی ہوں، میں نے آپ سے کہا تھا نا یہ میرا نصیب نہیں ہے، یہ آپ کا نصیب ہے سب کچھ کل بھی آپ کا تھا اور آج بھی آپ کا ہے، ابو اپنے کیے پر نادم ہیں آپ جب کہیں گے وہ خود کو قانون کے حوالے کر دیں گے اور اعتراف جرم کر کے اپنے کیے کی سزا بھگتیں گے۔''

''اگر ایسا ہی ہے تو تمہارے باپ نے ابھی گرفتاری کیوں نہیں دے دی؟'' عائشہ رضا نے طنز کیا۔

''امی ہوسپٹلائزڈ ہیں اس لئے نہیں دی۔''

''ہونہہ، میرے شوہر کو مارا ہے تمہارے باپ نے اسے تو میں پھانسی لگواؤں گی۔'' عائشہ رضا نے انتقامی لہجے میں کہا تو حمدان یوسف نے فائلز سائیڈ پر رکھے میز پر پھینک دیں۔

''اگر میرے باپ نے آپ کے شوہر کو مارا

ہے ناتو یاد رکھیئے کے اقدام قتل آپ نے بھی کیا ہے جس کا ثبوت ہے میرے پاس، میرے ساتھ کی گئی آپ کی زیادتیوں کا اثر میرے گھر والوں پر پڑا، میں بھی کہہ سکتی ہوں کے آپ کی وجہ سے میرے دادا جی کی ڈیتھ ہوئی، آپ کی وجہ سے میری امی کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ مرتے مرتے بچی ہیں پھانسی لگوانے کے جواز اور ثبوت میں بھی رکھتی ہوں مسز یوسف رضا، لیکن میرا ماننا ہے کہ ضمیر کی سزا سب سے بڑی سزا ہوتی ہے اگر ضمیر جاگ جائے تو گناہ گار اور مجرم کو مرتے دم تک سونے نہیں دیتا، دعا کیجئے کے آپ کا ضمیر سویا رہے ورنہ آپ نہیں سو پائیں گی۔'' مزنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدہ سپاٹ اور پر اعتماد لہجے میں جواب دیتے ہوئے حمدان یوسف کو حیرت میں ڈال دیا تھا، وہ اس کے اعتماد، سمیت حوصلے اور بہادری کا قائل ہوگیا تھا، عشق کے سوتے دل کے کونے کونے سے پھوٹ پڑے تھے اس کے لئے۔

''شٹ اپ، بکواس بند کرو اپنی۔'' عائشہ رضا نے غصے سے چلائیں۔

''ممی! پلیز کول ڈاؤن۔'' حمدان یوسف ان کے رویے پر مزنہ کے سامنے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے کول ڈاؤن کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تم مزنہ کو طلاق دوابھی۔''

''میں نے کہا نا آپ سے میں مزنہ کو کبھی طلاق نہیں دوں گا یہ بات آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟'' حمدان یوسف نے مزنہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے دوٹوک لہجے میں جواب دیا، مزنہ کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی، وہ حمدان یوسف سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی مگر اس کی ممی کی اتنی نفرت اور بے عزتی بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے۔

''کیونکہ میں سمجھنا نہیں چاہتی تم اس طلاق نامے پر دستخط کررہے ہو یا نہیں؟'' عائشہ رضا کا لہجہ خاصا جارحانہ تھا۔

''نہیں۔'' حمدان یوسف نے صاف جواب دے دیا۔

''میرا سامان پیک رکھا ہے میں وہ اٹھا لاؤں پھر چلی جاؤں گی یہاں سے۔'' مزنہ نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا اور حمدان یوسف کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

''صرف اپنا سامان نہیں ساتھ طلاق نامہ بھی لے کر جاؤ گی یہاں سے۔'' عائشہ رضا طنز و تذلیل بھرے لہجے میں بولیں۔

''ابھی آپ کا بیٹا مان نہیں رہا جب مان جائے تو طلاق نامہ گھر بھجوا دیجئے گا، میرے گھر کا پتا جانتے ہیں یہ۔'' مزنہ نے جواب دیا اور جانے لگی مگر حمدان یوسف نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا، عائشہ رضا یہ دیکھ کر بولیں۔

''حمدان! چھوڑو اس کا ہاتھ۔''

''نہیں چھوڑوں گا۔'' حمدان یوسف نے طلاق نامہ پھاڑ دیا۔

''ٹھیک ہے تمہیں ہم دونوں میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں ممی!'' وہ عاجز آتے ہوئے بولا۔

وہ کمرے میں گئیں اور فروٹ اٹھا کر لے آئیں، کانٹے والی چھری۔

''اب بتاؤ مزنہ کو طلاق دو گے کہ میں اپنے آپ کو ختم کرلوں؟'' عائشہ رضا نے پھل کاٹنے والی چھری اپنی کلائی پر رکھ کر کہا تو مزنہ نے بے اختیاری میں اپنے ہاتھ کی گرفت حمدان یوسف کے ہاتھ پر مضبوط کی تھی اور حمدان یوسف کو اپنے

ہاتھ پر اس کے کومل سے ہاتھ کی گرفت محسوس ہوئی تو اس نے ایک پل کے لئے آنکھیں موند لیں، مزنہ کے ہاتھ کی گرفت اس کے دل کی بات اس تک پہنچا رہی تھی وہ کچھ نہ کہہ کر بھی اسے کہہ رہی تھی کے وہ اس کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتی، اس احساس نے حمدان یوسف کو اس کے ارادے کو مزید تقویت بخشی، اس نے ایک نگاہ اپنے ساتھ کھڑی اپنی محبت پر ڈالی اور پھر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ممی! آپ بات کو غلط رنگ کیوں دے رہی ہیں میں یہ نہیں کہہ رہا تھا جو آپ سمجھ رہی ہیں۔'' وہ زچ ہوگیا۔

''اچھا! تو پھر چھوڑو اس کا ہاتھ۔'' عائشہ رضا جارحانہ انداز میں آگے بڑھیں اور حمدان یوسف کے ہاتھ سے مزنہ کا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگیں، مزنہ کو شدید درد ہونے لگا تھا، اس نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا تھا مگر حمدان یوسف نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

''فار گاڈ سیک ممی! کیا ہوگیا ہے آپ کو پلیز بس کر دیں۔'' حمدان یوسف نے انہیں یوں پاگلوں کی طرح بے ہو کرتے دیکھ کر بے بسی سے، ملتجی لہجے میں کہا۔

''تم چھوڑ دو اس کا ہاتھ میں ابھی بس کر دیتی ہوں۔'' عائشہ رضا نے پوری قوت سے مزنہ کا ہاتھ حمدان یوسف کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، حمدان یوسف نے مزنہ کے چہرے کو دیکھا جہاں تکلیف کے آثار نمایاں تھے، اس نے اس خیال سے کہ مزنہ کو مزید درد، تکلیف نہ ہو اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''دفعہ ہو جاؤ میرے گھر سے۔'' عائشہ رضا نے حمدان یوسف کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ آزاد ہونے پر غصے سے کہتے ہوئے بہت زور سے دھکا دے دیا، فضا میں مزنہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ سیڑھیوں سے لڑھکتی گرتی ہوئی نیچے فرش پر آ گری۔

''مزنہ!'' حمدان یوسف چیختا ہوا تیزی سے سیڑھیاں اترا، مزنہ کے سر کے پاس کافی خون پڑا تھا، اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہو رہی تھیں، نسرین بھی دوڑی چلی آئی تھی۔

''مزنہ! کچھ نہیں ہوگا آپ کو آپ جئیں گی میرے لئے، میرے ساتھ جینا ہوگا آپ کو۔'' حمدان یوسف نے مزنہ کا سر اپنی بانہوں میں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بے قراری سے کہا۔

''غفور گاڑی نکال، حمدان بابا! دلہن بی بی کو ہسپتال لے کے چلیں جلدی۔'' نسرین نے ڈرائیور کو آواز دے کر کہا اور پھر حمدان یوسف سے گویا ہوئی، وہ اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر تیزی سے باہر بھاگا، مزنہ کی آنکھوں میں اندھیرا اتر رہا تھا، درد کی شدید لہریں اس کے روم روم میں بکھر رہی تھیں، اسے موت اپنے قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

''مزنہ نہیں آئی آج دوبارہ کہہ رہی تھی رات میں ملنے آئے گی۔'' صابرہ نے فواد راشد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جاگ جاگ کر سر میں درد کر لیا تھا اس نے دوا کھا کر سو گئی ہوگی، حمدان واپس آ گیا ہے وہ آئے گا تم سے ملنے تمہاری عیادت کو آئے گا یہاں فون آیا تھا اس کا ابھی۔'' فواد راشد نے جواب دیا اور سیب کاٹ کر پلیٹ ان کے سامنے رکھ دی۔

''پتا نہیں کیوں میرا دل ڈوب رہا ہے مزنہ کی طرف سے بہت بے چینی سی ہے دل کو وہ ''حمدان ولا'' کیوں چلی گئی؟ اپنے گھر جاتی نا اس

کی ساس نے اگر پھر تکلیف دی اسے تو۔'' صابرہ نے مدھم، نقاہت بھری آواز میں دل کی کیفیت اور ڈر بیان کرتے ہوئے کہا۔

''انشاءاللہ تعالیٰ! اب ایسا نہیں ہوگا، حمدان واپس آ گیا ہے اور وہ بہت اچھا لڑکا ہے بہت خیال رکھتا ہے مزنہ کا مزاج میں بالکل اپنے مرحوم باپ کا پرتو ہے، اللہ اس کے دل میں ہماری بیٹی کی محبت پیدا کر دے وہ میرے کیے کی سزا میری بیٹی کو نہ دے بس۔'' فواد راشد سنجیدگی سے بولے۔

''وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ وہ مزنہ کو بہت چاہتا ہے وہ کبھی مزنہ کے ساتھ زیادتی، ظلم نہیں کرے گا، ماشاءاللہ حمدان بہت سلجھا ہوا اور نیک لڑکا ہے۔'' صابرہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولے۔

''ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔''

''مجھے چھٹی کب ملے گی ہسپتال سے؟''

''کل مل جائے گی انشاءاللہ!'' فواد راشد نے بتایا۔

''شکر ہے۔'' وہ اطمینان بھرا سانس لے کر بولیں۔

فواد راشد سوچ رہے تھے کے وہ حمدان یوسف کا سامنا کیسے کریں گے اور ادھر ایمرجنسی روم کے باہر پریشانی کے عالم میں ٹہلتا حمدان یوسف یہ سوچ رہا تھا کہ وہ مزنہ کے ماں باپ کا سامنا کیسے کرے گا؟ انہیں کیسے بتائے گا کہ ان کی بیٹی کا یہ حال اس کی ماں نے کیا ہے؟ اور وہ خود مزنہ سے کیسے نظریں ملا پائے گا؟ وہ تو بے جرم سزاوار ٹھہرا دی گئی، خدانخواستہ اگر مزنہ کو کچھ ہو گیا تو وہ کیسے جی پائے گا؟ یہ سوال اس کے رونگٹے کھڑے کر دیتا دھڑکنیں ساکت اور روح بے کل کیسے دے رہا تھا۔

فیصل کو اس نے فون کر کے بلا لیا تھا، وہ بھی ساری صورتحال جان کر دنگ رہ گیا، عائشہ رضا سے اسے اتنے ظالمانہ سلوک کی توقع نہ تھی، وہ حمدان یوسف کو تسلی دے رہا تھا کہ اس کی مزنہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی، حمدان یوسف کا روم روم مزنہ کے لئے سراپا دعا تھا، آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں وہ بہت ضبط کے مراحل میں تھا، اپنی اذیت اور دکھ کو چھپا کر اسے مزنہ کے لئے لڑنا تھا، حوصلہ کرنا تھا اور وہ یہی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فواد راشد کسی کام سے صابرہ کے کمرے سے باہر نکلے تھے فیصل، نسرین اور حمدان یوسف کو ایمرجنسی کے باہر دیکھ کر ٹھٹکے اور فوراً وہاں آ کر پوچھنے لگے۔

''کک...... کیا ہوا؟ آپ سب یہاں کیوں جمع ہیں؟ میری بیٹی تو ٹھیک ہے نا؟''

''دعا کریں فواد صاحب کے آپ کی بیٹی ٹھیک ہو جائے۔'' فیصل نے انہیں دیکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ پریشان ہو کر بولے۔

''کیا مطلب؟ کیا ہوا میری بیٹی کو؟''

''سر پر گہری چوٹ لگی ہے مزنہ کو، ہم دونوں یہاں آ رہے تھے صابرہ آنٹی سے ملنے، سیڑھیوں سے مزنہ کا پاؤں پھسل گیا اور...... وہ گر گئیں۔'' حمدان یوسف نے بات بناتے ہوئے کہا فی الحال وہ اصل وجہ بتا کر مزید کوئی مسئلہ نہیں چاہتا جبھی جھوٹ بولا۔

''گر گئی یا گرا دی گئی؟'' فواد راشد نے حمدان یوسف کو شکی نظروں سے دیکھا۔

''انکل، فی الحال یہ بات زیادہ اہم ہے کہ آپ کی بیٹی اس وقت خطرے میں ہے اور اسے ہم سب کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے اس لئے پلیز مزنہ کے لئے دعا کیجئے، باقی باتیں ہم بعد

میں بھی کر سکتے ہیں۔'' حمدان یوسف نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
فواد راشد کو اس نے پہلی بار ''انکل'' کہہ کر مخاطب کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ انہیں معاف کر چکا ہے اور ان کی بیٹی کو دل سے قبول کر چکا ہے اسے چاہتا ہے، انہیں صابرہ کی کہی ہوئی باتوں پر یقین آنے لگا اور ان کی بے چینی پر یقین آ گیا کہ وہ ایسے ہی نہیں تھی بے چین نہیں تھیں مزنہ کے لئے آخر ماں تھیں بیٹی کی تکلیف پر دل کا بے چین ہونا تو یقینی تھا۔
''صابرہ ٹھیک ہی پریشان ہو رہی تھی مزنہ کے لئے کہہ رہی تھی وہ کسی تکلیف میں نہ ہو اسے حمدان والا نہیں جانا چاہیے تھا، اس کا خوف سچ نکلا۔'' فواد راشد نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تو فیصل بولا۔
''آپ ابھی انہیں مزنہ بھابھی کے بارے میں مت بتایئے گا ان کی اپنی حالت اچھی نہیں ہے۔''
''کب تک چھپاؤں گا؟ صبح تو پوچھے گی نا کہ مزنہ کیوں نہیں آئے اسے ملنے؟ دل کا دورہ پڑا تھا اسے کوئی معمولی مرض نہیں ہے یہ کہ میں جا کے اسے بتا دوں کے اس کی بیٹی کی زندگی خطرے میں ہے، یہ سب میرے اعمالوں کی سزا ہے، میں نے جو غلط کیا، اس کا خمیازہ میری بیوی اور بیٹی کو بھگتنا پڑ رہا ہے، خاص کر میری اکلوتی بیٹی کو، ساری زندگی بیوی، بیٹی کی پروا نہیں کی، اب جب ان کی محبت نے دل میں قدم رکھا ہے، پروا ہونے لگی ہے تو وہ دونوں ہی مجھے امتحان میں ڈال کر ہسپتال آ بسی ہیں، یہ میرا امتحان ہی ہے، شاید قدرت مجھے ابھی اور سبق سکھانا چاہتی ہے، میرا ظرف، میرا صبر آزمانا چاہتی ہے اسی لئے تو یہ سب ہو رہا ہے۔'' فواد راشد وہ بینچ پر بیٹھے بولتے چلے گئے، حمدان یوسف کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، نسرین پرنم آنکھوں سے مزنہ کی صحت سلامتی کے لئے دعا مانگ رہی تھی، فیصل نے ان کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دے کر حوصلے سے کام لینے کا اشارہ دیا تھا۔

زندگی تجھے جینے کی خاطر میں نے
اتنے ستم جھیل لئے ہیں
کہ اب
سانسیں ہیں گھائل میری

مزنہ کا خون کافی بہہ گیا تھا، اسے خون کی بوتل لگائی گئی تھی اور مزید خون کا انتظام کرنے کے لئے کہا گیا تو فواد راشد فوراً بولے۔
''میں خون دوں گا اپنی بیٹی کو میرا بلڈ گروپ او نیگٹو ہے۔''
''لیکن آپ کی عمر۔'' ڈاکٹر سہیل نے کچھ کہنا چاہا، مگر فواد راشد ان کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔
''آپ میری عمر پر نہ جائیں اتنا بوڑھا نہیں ہوا ہوں کے اپنی بیٹی کو ایک بوتل خون نہ دے سکوں آپ چلیں مجھے اپنی بیٹی کے لئے اپنے جسم سے خون کا قطرہ بھی دینا پڑا تو دوں گا۔''
''ٹھیک ہے، نرس آپ انہیں لے جائیں اور ٹیسٹ کروائیں فوراً۔'' ڈاکٹر سہیل نے اپنے برابر میں کھڑی ہدایت دی اور واپس آپریشن تھیٹر میں چلے گئے جہاں مزنہ کو ایمرجنسی سے منتقل کر دیا گیا تھا، مزنہ مسلسل بے ہوش تھی، اس کے جسم پر کئی جگہ گرنے کی وجہ سے چوٹیں آئی تھیں، اس کی ایک پسلی میں فریکچر ہوا تھا، دایاں ہاتھ چھل گیا تھا، پاؤں کا انگوٹھا زخمی تھا، سر پھٹ جانے کی وجہ سے بہت خون ضائع ہو گیا تھا، حمدان یوسف کے بس میں ہوتا تو وہ یہ سارے زخم، ساری چوٹ اپنے بدن پر سہہ لیتا، اس کا دل رو رہا تھا، دکھ

آنسو بن کر حلق میں پھنس گیا تھا، اس نے اپنے موبائل پر عائشہ خان کو کال ملائی کافی دیر بیل بجنے کے بعد انہوں نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو کہاں ہو تم؟'' عائشہ رضا کی آواز حمدان یوسف کے کان میں آئی۔

''آپ کو نہیں معلوم کہاں ہوں میں؟ آپ نے مزنہ کے ساتھ اچھا نہیں کیا ممی! اگر مزنہ مر گئی نا تو زندہ آپ کا بیٹا بھی نہیں رہے گا، یاد رکھئے گا ممی، مزنہ میری زندگی، خوشی اور میرا عشق ہے اگر اسے کچھ ہوا نا، تو جو کچھ آپ نے آج تک مزنہ کے ساتھ کیا ہے نا، اس کی سزا میں خود آپ کو قانون کے ہاتھ دلواؤں گا، پیسہ چھن جانا اتنی بڑی غلطی ای اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ اس کے بدلے میں کسی کی جان لینے کی کوشش اور سازش کی جائے، آپ نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے اور مزنہ کو گرا کر آپ نے مجھے سولی پر لٹکا دیا ہے، دعا کریں کہ مزنہ کو کچھ نہ ہو ورنہ آپ کو کچھ نہیں ملے گا نہ معافی اور نہ آپ کا بیٹا۔'' حمدان یوسف نے اپنی بات کہہ کر کال منقطع کر دی، فیصل اس کے قریب کھڑا تھا اس نے حمدان یوسف کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی، حمدان یوسف کے ضبط کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔

''ساری غلطی میری ہے، میری وجہ سے، مزنہ اس حال کو پہنچی ہے۔'' حمدان یوسف بھیگتی آواز میں بولا۔

''ایسا کیوں کہہ رہا ہے تو؟''

''ایسا ہی ہے میں ہوں مزنہ کی اس حالت کا ذمے دار نہ میں اس کا ہاتھ چھوڑتا نہ وہ یوں ٹوٹتی، بکھرتی، ممی کی زور آزمائی میں، بہت تکلیف ہو رہی تھی اسے میں نے اسے تکلیف سے بچانے کی خاطر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اور وہ ممی کی بے رحمی کا شکار ہو گئی، مجھے اگر خبر ہوتی کہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر میں اسے بہت بڑی تکلیف کی طرف دھکیل رہا ہوں، تو میں ہرگز اس کا ہاتھ نہ چھوڑتا، بہت بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے۔'' حمدان یوسف نے روتے ہوئے کہا تو فیصل نے دکھی ہو کر اسے اپنے گلے سے لگا لیا اور اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

''حوصلہ کر یار، تیرا کوئی قصور نہیں ہے خود کو بلیم (الزام) مت دے، انشاء اللہ تعالیٰ، مزنہ بھابھی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی، ہم سب کی دعائیں اور محبتیں انہیں زندگی کی طرف ضرور لے آئیں گی، میں نے مزنہ کو بھابھی نہیں دل سے بہن مانا ہے اور میں اپنی بہن کے لئے کتنی شدت سے دعا مانگ رہا ہوں یہ میرا دل جانتا ہے یا میرا رب، مزنہ کو ہم سب کے لئے جینا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں اور ہمارے آنسوؤں کی لاج ضرور رکھیں گے تو دیکھنا تو اپنی مزنہ کا ہاتھ تھام کر اسے یہاں سے لے کر جائے گا، ہنستا مسکراتا ہوا۔''

''انشاء اللہ۔'' حمدان یوسف نے دل سے کہا اور اس سے الگ ہو کر اپنے آنسو صاف کر لئے۔

ادھر عائشہ رضا کو حمدان یوسف کی فون کال نے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا جہاں ضمیر جرح کر رہا تھا، وہی آئینہ دکھا رہا تھا اور دماغ شرمندہ سا دلیلیں پیش کر رہا تھا۔

''مزنہ کے باپ نے جو ہمارے ساتھ کیا میں نے اس کے ردعمل میں مزنہ کو سزا دی ہے۔''

''تم کون ہوتی ہو باپ کے کیے کی سزا اس کی بیٹی کو دینے والی؟ فواد راشد نے تمہیں اور تمہارے بیٹے کو بے گھر نہیں کیا، تم دونوں کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا پھر تم نے اس کی بیٹی کو جان سے مار دینے کا کیسے سوچ لیا؟ مزنہ کو طرح طرح سے ٹارچر کیا، جبکہ اس کا باپ بے حس تھا اسے کوئی

فرق نہیں پڑتا تھا کہ تم اس کی بیٹی کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہو، لیکن اسے بھی ایک بار یہ احساس ہو گیا تھا کے جرم اس نے کیا تھا اور سزا اس کی بیٹی کو دی جا رہی ہے، تمہارا تو ایک ہی بیٹا ہے نا، اگر فواد راشد اسے ٹھکانے لگا دیتا یا اب ایسا کر دے تو کیا کرو گی تم؟ کس کے سہارے جیو گی؟ تم نے اپنے بیٹے کو نا صرف مایوس کیا ہے بلکہ اس سے اس کی خوشی اور محبت کو چھیننے کی کوشش بھی کی ہے، تم اتنی سفاک اور بے رحم ہو گئیں کے مزنہ کو جلا کر مارنے کی کوشش بھی کر ڈالی، مگر دیکھ لو عائشہ بیگم مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔" یہ ان کے ضمیر کی آواز تھی۔

"حمدان اگر میری بات پہلی بار ہی کہنے پر مان جاتا تو میں غصے میں نہ آتی اور نہ یہ سب ہوتا۔" عائشہ رضا با آواز بولیں جیسے ضمیر سن رہا ہو۔

"تم نے اپنی ضد اور انا میں، بدلے اور انتقام میں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی داؤ پر لگا دی، اس کی محبت کو اس سے دور کرنے کی کوشش کی، اس سے اس کی زندگی کو دور کرنا چاہا پھر بھلا وہ کیسے تمہاری بات مان لیتا تم اسے خودکشی پر مجبور کر رہی تھیں، حرام کام کا انجام جانتی ہو نا کیا ہے؟ اب کیا کرو گی؟ تمہارا بیٹا سے سے ناراض ہے، اس کی بیوی کو اگر کچھ ہو گیا تو تم اپنے اکلوتے بیٹے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی، پھر اکیلی اس حمدان ولا پر راج کرنا، اس دولت کے لئے تم نے ایک انسان کی زندگی دکھوں سے بھر دی یہ دولت تمہاری زندگی ہی نہیں تمہاری آخرت کو بھی جہنم بنا دے گی، ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ، مان لو اپنا جرم، مزنہ کو کچھ نہ ہو یہی تمہیں معافی دلوا سکتا ہے، دعا کرو معافی مانگو توبہ کرو، اگر تمہاری انا ان سب کے آڑے آ رہی ہے تو اپنے جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو کیونکہ تمہارا بیٹا خود تمہیں سزا دلوائے گا وہ یہ بات کہہ چکا ہے، اب سوچ لو، تم ایک خود غرض، بے رحم اور سفاک عورت ہو تمہاری اصلیت حالات کے ذرا کروٹ بدلنے پر سامنے آ گئی، آج تک عیش و عشرت اور دولت و آسائش نے تمہارا اصل چہرہ ڈھانپ رکھا تھا اور اصل چہرہ کتنا بھیانک اور مکروہ ہے تم خود دیکھ لو اپنے ضمیر کے آئینے میں۔" ضمیر نے آخری کیل ان کے تابوت میں ٹھونکی اور انہیں بے کل بے چین اور شرمسار کر گیا۔

☆☆☆

"السلام علیکم آنٹی! کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" فیصل، نسرین بی کے ساتھ صابرہ کے کمرے میں داخل ہوا اور انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام، میں ٹھیک ہوں بیٹا، تم کیسے ہو؟" صابرہ نے اسے پہچان لیا تھا مسکرا کر جواب دیتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں آپ بتائیں ہوسپٹل والوں کی مہمانداری سے دل بھرا کے نہیں؟"

"ہوسپٹل میں بھی بھلا کسی کا دل لگا ہے کیا؟ انشاء اللہ کل گھر چلی جاؤں گی۔" صابرہ نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے بیگم صاحبہ!" نسرین نے کہا۔

"ہاں شکر ہے اللہ کا میری وجہ سے مزنہ بھی بہت پریشان اور بے آرام رہی ہے وہ تمہارے ساتھ نہیں آئی، فون آیا تھا کہہ رہی تھی نماز پڑھ کر آؤں گی اب تو کافی دیر ہو گئی آئی ہی نہیں اور اس کے ابو بھی پتا نہیں کہاں رہ گئے؟ دس منٹ کا کہہ کر گئے تھے گھنٹہ ہونے کو آیا ہے کوئی خبر ہی نہیں ہے ان کی۔" صابرہ نے ان دونوں کو دیکھتے

ہوئے کہا۔

''انکل کی طرف سے تو آپ بے فکر ہو جائیں، وہ اس وقت نیکی کمار ہے ہیں ہمیں ملے تھے یہاں ایک ایکسیڈنٹ کیس آیا تھا ایک زخمی کو بلڈ کی ضرورت تھی اس لئے وہ اسے خون دینے کے لئے گئے ہیں کہہ رہے تھے کہ آپ کو بتا دوں اور جب تک انکل آ نہیں جاتے ہم آپ کے پاس ہی رہیں گے، بلکہ انکل بلڈ دینے کے بعد کچھ کمزوری فیل کریں گے تو مجھے تو رات یہاں رکنا ہی ہوگا۔'' فیصل نے کہانی بناتے ہوئے کہا، یہ آدھا سچ بھی تھا۔

''ارے نہیں بیٹا، میں اب ٹھیک ہوں آپ دونوں کیوں میری وجہ سے بے آرام ہوتے ہو۔'' صابرہ بولیں۔

''بیٹا بھی کہہ رہی ہیں اور غیروں جیسی بات بھی کر رہی ہیں۔'' فیصل نے مصنوعی خفگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جیتے رہو بیٹا، خوش رہو، حمدان نہیں آیا اس نے بھی تو آنا تھا مزنہ کے ساتھ۔'' صابرہ نے اسے دعائیں دے کر یاد آنے پر استفسار کیا۔

''آنٹی! اصل میں بات یہ ہے کہ حمدان اور مسز مزنہ حمدان دونوں آپ کے پاس آ رہے تھے کہ اچانک عائشہ آنٹی کی طبیعت خراب ہوگئی، یو نو ان کو شوگر، بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے تو وہ ہی بڑھ گیا شاید لہٰذا وہ دونوں انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گئے اور نسرین بی کو میرے ساتھ بھیج دیا تاکہ آپ کی خدمت کر سکیں۔'' فیصل کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا، اس نے فوراً معقول بہانہ گھڑ کر پوری تفصیل سے سنا دیا۔

''ارے ان کی کیا ضرورت تھی مزنہ کے ابو ہیں تو سہی یہاں۔''

''آنٹی! آپ کو دیکھ بھال کے لئے کسی خاتون کا آپ کے ساتھ ہونا ضروری ہے، حمدان نے تو مزنہ بھابھی سے کہا تھا کہ وہ آپ کے پاس چلی جائیں لیکن وہ کہنے لگیں کے ابھی ممی کے پاس ان کی ضرورت ہے تو ہم دونوں کو آپ کے پاس بھیج دیا، آپ کی بیٹی ہیں بہت سمجھدار، جانتی ہیں کے ساس کی بیماری میں اگر ان کے پاس رہ کر ان کی تیمار داری نہ کی تو وہ مائنڈ کر جائیں گی کہیں گی کے اپنی ماں کی فکر تھی میرا تو خیال ہی نہیں کیا ہونے، اچھا کیا نہ انہوں نے کے ساس کے ساتھ رک گئیں۔'' فیصل تیزی سے بولتا چلا گیا۔

''ہاں مزنہ نے بالکل صحیح کیا، مجھے لگتا تھا میری بیٹی بہت ڈری، سہمی، کمزور ہے اور اعتماد کی دولت سے خالی رہ گئی ہے، لیکن حالات نے میرا خدشہ دور کر دیا، ماشاءاللہ میری بیٹی تو بہت سمجھدار ہے، بہادر اور معاملہ فہم ہے۔'' صابرہ نے فخری لہجے میں کہا تو فیصل مسکراتے ہوئے بولا۔

''بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپ میں نے تو آپ کی بیٹی کو اپنی بہن بنا لیا ہے بس آپ میری پیاری سی بہن کے لئے ڈھیر ساری دعائیں مانگیں کے اللہ پاک مزنہ کو صحت تندرستی والی لمبی زندگی دیں اپنے شوہر کے ساتھ اور وہ ہمیشہ شاد آباد رہے۔''

''آمین!'' صابرہ نے دل سے کہا ساتھ ہی نسرین نے بھی۔

''میرا دل بہت بے چین ہے مزنہ کی طرف سے اللہ کرے کے سب خیر ہی میری بیٹی پر آنچ نہ آئے وہ سدا تندرستی، عزت اور مسرت والی زندگی جیئے، سدا سہاگن رہے، نیک اولاد رب اسے نصیب کرے اور اولاد کی خوشیاں اپنے شوہر حمدان کے سنگ دیکھنا نصیب ہوں میری مزنہ کو۔'' صابرہ نے اپنا آنچل پھیلا کر دل سے دعا

مانگی، جواباً ان دونوں نے دل سے آمین کہا، فیصل نے بہت طریقے سے سمجھداری سے مزنہ کے لئے دعا کروائی تھی ان سے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مزنہ کو اس وقت اپنی ماں کی دعاؤں کی اشد ضرورت تھی۔

☆☆☆

حمدان یوسف آئی سی یو کے باہر کھڑا گلاس ونڈو سے مزنہ کو دیکھ رہا تھا، سر پر سفید پٹی تھی، منہ پر آکسیجن ماسک لگا تھا، مشین پر اس کے دل کی دھڑکن بتدریج کم زیادہ ظاہر ہو رہی تھی، بلڈ لگا ہوا تھا، وہ ساکت وجود کے ساتھ پیشنٹ بیڈ پر لیٹی تھی، اس بات سے بے خبر کہ جیسے وہ بھی دل ہی دل میں چاہنے لگی تھی اس شخص کا دل اس کے لئے رو رہا ہے، گڑگڑا رہا ہے، رب کائنات سے اس کی صحت وسلامتی کی دعائیں مانگ رہا ہے۔

''امی ٹھیک کہتی ہیں سارے مرد میرے باپ دادا جیسے نہیں ہوتے، کچھ مرد حمدان یوسف جیسے بھی ہوتے ہیں، جو کسی کی بھی نفرت کو محبت میں بدلنے کا ہنر جانتے ہیں اور وہ ہنر ہے حسن اخلاق حسن عمل جو کسی کے بھی دل میں اس کی محبت پیدا کر سکتا ہے، جیسے میرے دل میں حمدان یوسف کی محبت پیدا ہو گئی ہے، میں خوش ہوں کے میرا شریک حیات بہت اچھا انسان ہے اور اداس بھی ہوں کہ میں حمدان یوسف کے ساتھ اپنی پوری زندگی نہیں گزار سکی۔'' مزنہ کی ڈائری کا ایک ورق تھا یہ جسے پڑھ کر حمدان یوسف خوشی اور بے کل گیا تھا۔

''کچھ رشتے خوشی سے نہیں بنائے جاتے لیکن خوشی بن جاتے جیسے میرا حمدان یوسف سے رشتہ کل تک میری مجبوری تھا اور آج میری خوشی بن گیا ہے، میں جانتی ہوں یہ رشتہ نہیں چلے گا لیکن فی الحال میں اس لمحے کو انجوائے کرنا چاہتی ہوں کہ میں خوش ہوں، میں پیار کرنے لگی ہوں اپنے شوہر سے۔'' ڈائری کا ایک اور ورق الٹ گیا۔

''ابو نے حمدان یوسف کے والد سے فراڈ کیا، پاور آف اٹارنی حاصل کی اور ان کا سب کچھ ہتھیا لیا، میرا اور امی کا سر شرم سے جھکا دیا ہے، لیکن میں یہ سب حمدان یوسف کو واپس لٹا کے رہوں گی چاہے مجھے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔''

ایک اور جگہ لکھا تھا۔

''میں بری تو نہیں ہوں لیکن بری بن رہی ہوں، بری بننے کے لئے حمدان یوسف کے ساتھ پہلے دن سے بدتمیزی سے پیش آ رہی ہوں تاکہ انہیں یقین آ جائے کہ مزنہ بھی اپنے باپ کی طرح ایک بری لڑکی ہے، بے حس، بدتمیز، لالچی، مغرور اور بد دماغ، اس طرح وہ تنگ آ کر خود ہی مجھے چھوڑیں گے، ورنہ ابو کے جرم کا بار ندامت مجھے تمام عمر ان کے سامنے نظریں جھکائے رہنے پر مجبور رکھے گا اور ایسی زندگی مجھے منظور نہیں ہے۔''

''مجھے مردوں پر اعتبار نہیں تھا کیونکہ میں نے اپنے گھر کے مردوں کو کبھی اپنی ماں کی بیوی کی، بیٹی کی عزت کرتے نہیں دیکھا تھا، لیکن حمدان یوسف نے مجھے اعتبار کی وجہ دے دی، پیار کی وجہ دے دی۔'' حمدان یوسف نے مزنہ کی ڈائری کا ورق ورق پڑھا تھا کئی جگہ وہ بے اختیار رو دیا تھا، اسے مزنہ اور صابرہ کی تکلیف دہ زندگی کا دل سے احساس ہو گیا ہے، اس کے دل میں ان دونوں کے لئے عزت بے پناہ بڑھ گئی تھی اور مزنہ کے لئے، مزنہ کے لئے تو وہ عشق و محبت کی انتہاؤں پر تھا، بزنس ٹوئر پر جاتے ہوئے وہ مزنہ سے نظر بچا کر اس کی کیبنٹ سے ڈائری نکال کر اپنے ساتھ لے گیا تھا اور وہاں اپنے کام سے

فارغ ہو کر اس نے ڈائری پڑھی تھی، دوران سفر بھی وہ ڈائری پڑھتا آیا تھا، ایک بات اس کے لئے اہم تھی کے مزنہ کے دل میں اس کے لئے پیار ہے، اسے مرد ذات پر اعتبار کرنا آ گیا ہے کم از کم وہ حمدان یوسف پر اعتبار کرنے لگی تھی اس کے لئے یہی بہت تھا اور وہ اس اعتبار کو کسی صورت ٹوٹنے نہیں دے گا وہ یہ عہد کر کے واپس لوٹا تھا، مگر یہاں تو سب کچھ ٹوٹ رہا تھا، اس کا دل، اس کی روح، اس کا گھر، اس کی زندگی، وہ اللہ کے حضور سجدے کر رہا تھا، آنسو بہا رہا تھا، مزنہ کی خاطر اپنی محبت کی خاطر، صابرہ کو ہوسپٹل سے ڈسچارج ہوئے دو دن ہو گئے تھے، فواد راشد نے ان کے آرام کی خاطر گھر میں کل وقتی ملازمہ کا انتظام بھی کر لیا تھا، نسرین بھی ان کی دیکھ بھال کر رہی تھی اور فیصل بھی ان کا حال پوچھنے آ رہا تھا، حمدان یوسف اور مزنہ ہی نہیں آئے تھے اور یہ بات صابرہ کو پریشان کر رہی تھی، انہوں نے کئی بار مزنہ کے سیل نمبر پر کال ملائی مگر اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔

''مزنہ میری طبیعت کا پوچھنے نہیں آئی مگر فون تو کر سکتی تھی نا وہ اس کا تو فون بھی بند جا رہا ہے، اللہ خیر کرے میری بچی ضرور کسی مشکل میں ہے۔'' صابرہ نے فیصل اور نسرین کو دیکھتے ہوئے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو دونوں چور بن گئے۔

''دلہن بی بی کا فون تو پانی میں گر گیا تھا خراب ہو گیا تھا نا جبھی آپ کو کال نہیں کر سکی۔'' نسرین نے بہانہ بنایا۔

''ہاں تو حمدان کے موبائل سے کال کر سکتی تھی وہ گھر میں لینڈ لائن نمبر بھی ہے اس سے کال کر لیتی مگر نہیں، میری بیٹی ایسی لاپروا ہرگز نہیں ہے تم لوگ ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو، کچھ ہوا ہے نا؟ میری مزنہ ضرور کسی تکلیف میں ہے تم لوگ بتاتے کیوں نہیں کیا ہوا ہے مزنہ کو؟'' صابرہ نے بے چینی سے کہا۔

''کمال ہے آنٹی! مزنہ جیسی بہادر بیٹی کی ماں ہو کر آپ اتنی کمزور کیسے ہو سکتی ہیں؟ ساری زندگی آپ نے ہمت اور حوصلے سے گزار دی اور بیٹی کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا سن کر آپ کو ہارٹ اٹیک ہو گیا، خدانخواستہ اگر ایسی ویسی کوئی بات ہو گی تو ہم یا مزنہ آپ کو کیوں بتانے لگے؟ پہلے ہی دل کمزور کر لیا آپ نے مزید کچھ برا نہ ہو اس لئے آپ کو اس ڈر سے کوئی کچھ بتائے گا ہی نہیں۔'' فیصل نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

''بیٹا، وہ میرے دکھ تھے میری ذات تک تھیں جو ظلم و زیادتیوں وہ میں نے سہہ لیں، ماں باپ خود پر سب کچھ سہہ لیتے ہیں مگر اپنی اولاد کا دکھ نہیں سہہ سکتے، اولاد کسی دکھ یا پریشانی میں ہو تو یہ ایک ماں کا دل کیسے برداشت کر سکتا ہے؟'' صابرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آپ صحیح کہہ رہی ہیں لیکن اگر آپ ماں ہو کر ہمت نہیں کریں گی تو آپ کی بیٹی کو کون سنبھالے گا؟''

''کیا ہوا ہے میری بیٹی کو؟'' صابرہ نے تڑپ کر پوچھا۔

''پہلے آپ وعدہ کریں کے خود کو سنبھال لیں گی اپنا دل مضبوط رکھنا ہے آپ کو کیونکہ آپ کی بیٹی کو اس وقت آپ کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔'' فیصل نے ان کا ہاتھ تھام کر نرمی سے جواب دیا، ان کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں جیسی ہو رہی تھی۔

''کہاں ہے مزنہ؟'' کانپتی آواز میں پوچھا۔

''آئی سی یو میں ہے دو دن سے سر پر گہری

چوٹ لگی ہے۔'' فیصل نے عائشہ رضا کے ذکر کے بغیر انہیں ساری بات بتادی۔

''یا اللہ، رحم کر پروردگار تو غفور و رحیم ہے، حفیظ ہے میری بیٹی کو صحت والی لمبی زندگی عطا کر دے پروردگار، مزنہ نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا پھر اس کے ساتھ برا کیسے ہوسکتا ہے مالک، مجھے میری بیٹی کا کوئی دکھ نہ دیکھانا اب۔'' صابرہ روتے ہوئے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی۔

☆☆☆

میں زندہ ہوں تو
ایسے ہوں
کوئی خوش ہے، کوئی غصے سے نفرت سے
مجھے دیکھتا دکھائی دے
کسی کی آنکھ کا تارا ہوں میں
کسی کو جان سے پیارا ہوں میں
کسی کے لب پر محبت پھول بن کر کھل رہی ہے
مجھے ماں کی دعایوں زیست بن کر مل رہی ہے
کسی کی نفرتوں نے مات کھا کر
محبت کا بھرم پھر رکھ لیا ہے
کسی کی سازشیں ناکام ہوکر
زمین کی خاک میں یوں
مل گئی ہیں
کہ جیسے مرنے والے کے بدن کو
زمین کی خاک چاٹ لیتی ہے
کسی کی چاہتیں مقبول ہوکر
گلے پھر زندگی سے آملی ہیں
اجل کو مات ہو کے رہ گئی

ماں اور محبت کی دل و جان سے کی گئی دعائیں قبولیت کا شرف پا گئیں تھیں، مزنہ کو پورے پچاس گھنٹے بعد ہوش آ گیا تھا، ادھ کھلی آنکھوں کے سامنے دھندلا سا عکس بن رہا تھا۔

''مزنہ!'' حمدان یوسف نے بے اختیار تڑپ کر پکارا تھا۔

اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں نرمی سے تھامے وہ اس کے چہرے کو بہت بے قراری سے دیکھ رہا تھا۔

''مزنہ! آنکھیں کھولیے پلیز مزنہ، میں آپ کو اس طرح سے نہیں دیکھ سکتا، پل پل مر رہا ہوں میں آپ کو ایسے دیکھ کر، پلیز آنکھیں کھولیں، بات کریں مجھ سے۔'' حمدان یوسف پرنم آواز میں اس سے مخاطب تھا، اس کی سماعتیں دھیرے دھیرے بیدار ہو رہی تھی، حمدان یوسف کی آہستہ آہستہ بینائی بن کر اس کی آنکھوں میں اتر رہی تھی، گلاس ونڈو سے فواد راشد یہ منظر دیکھ کر خوشی سے اشک بہاتے ڈاکٹر کو بلا لائے، ڈاکٹر نے مزنہ کا چیک اپ کیا اس سے بات کرنا چاہی مگر وہ کچھ نہ بولی اس کے لب ساکت تھے۔

''میری بیٹی بات کیوں نہیں کر رہی ڈاکٹر صاحب؟''

''دیکھیے وہ کافی لمبی بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئی ہیں، اس لئے انہیں پوری طرح بیدار اور ایکٹو ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا، شام تک انتظار کرتے ہیں اگر کوئی امپرومنٹ نہ ہوئی تو ہم مس مزنہ کے چند ٹیسٹ کروائیں گے کہ خدانخواستہ کوئی اور مسئلہ تو نہیں ہے، آپ دعا کرتے رہیے، ہم اپنا کام تو کر ہی رہے ہیں باقی صحت شفا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔'' ڈاکٹر سہیل نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

حمدان یوسف نے بھی ان کی بات سنی تھی اور بے بسی سے مزنہ کی صورت کو دیکھا تھا جو سرسوں کی طرح پیلی پڑ گئی تھی۔

مزنہ کو آج تیسرا دن تھا ہوش میں نہیں آیا تھا اسی بات نے عائشہ رضا کو پریشان اور پشیمان ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور شرمندہ سی ہسپتال آنے

پر مجبور ہو گئی تھیں، فیصل اور حمدان یوسف انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

''آپ کیا دیکھنے آئی ہیں؟ یہی نا کہ آپ کا بیٹا زندہ ہے یا مر گیا؟'' حمدان یوسف انہیں دیکھتے ہوئے بہت ضبط سے بولا تھا، وہ شرمندگی سے نظر جھکا کر بولیں۔

''اللہ نہ کرے کہ تمہیں کچھ ہو اور مزنہ کو بھی کچھ نہیں ہوگا وہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''میں شرمندہ ہوں میں نے جو بھی کیا، بہت غلط کیا، مزنہ تو بہت معصوم اور پیار کرنے والی اچھی نیک دل لڑکی تھی میں نے اسے غصے اور انتقام کی آگ میں اندھا ہو کر بہت زیادہ دکھ دیا، تکلیف دی، مجھے معاف کر دو بیٹا، پلیز مجھے معاف کر دو۔'' عائشہ رضا شرمندہ تھیں یا نہیں حمدان یوسف کو اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ صرف مزنہ کے لئے فکر مند اور بے قرار تھا، اس کے لئے دو دن اور دو راتوں سے جاگ رہا تھا، بڑھی ہوئی شیو، سرخ آنکھیں، بکھرے بال، بھوک پیاس سے بے پرواہ وہ اپنی محبت کی سلامتی کے لئے تڑپ رہا تھا دعائیں مانگ رہا تھا۔

''مجھ سے کیوں معافی مانگ رہی ہیں، معافی مانگنی ہے تو مزنہ سے مانگیں جس نے بمشکل ابھی آنکھ کھولی ہے جو آپ کی وجہ سے پچاس گھنٹے بے ہوش رہی ہے، اگر وہ آپ کو معاف کر دے گی تو میں بھی آپ کو معاف کر دوں گا، معافی مانگنی ہے تو اللہ سے مانگیں، توبہ کریں اللہ کے حضور، کیونکہ یہ مال و دولت یہ سب آپ کی کمائی نہیں تھی ممی، یہ اللہ کی عطا تھی جس کے چھننے کے خیال نے آپ کو اتنا پاگل کر دیا کہ آپ نے اپنے مقام کو بھلا دیا، خود کو انسانیت کی توہین کرنے پر آمادہ کر لیا، یہ جو کچھ ہے نا آپ کے پاس دولت، گھر، پراپرٹی یہ سب آپ یا میں اپنے ساتھ قبر میں نہیں لے جا سکتے، یہ سب یہیں اسی دنیا میں دھرا رہ جائے گا۔'' حمدان یوسف تو جیسے بھرا ہوا تھا ان کی بات کے جواب میں پھٹ پڑا، فیصل نے اس کا شانہ تھپکا، اسے خاموش رہنے کو کہا۔

''آنٹی! آپ دعا کریں مزنہ کو آپ کی معافی کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے وہ مکمل تندرست ہو گئیں نا تو سمجھئے گا کہ اللہ نے بھی آپ کو معاف کر دیا ہے۔'' فیصل نے نرمی سے کہا تو وہ پرنم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر وہیں ایک بینچ پر بیٹھ گئیں اور پورے دل سے اللہ سے معافی اور مزنہ کی صحت یابی دعائیں مانگنے لگیں۔

مزنہ اب پوری طرح ہوش میں آ گئی تھی، سب کو دیکھ رہی تھی، سن رہی تھی، سب کے چہروں سے، ان کے اپنے لئے فکر و محبت کا اندازہ لگا سکتی تھی وہ، حمدان یوسف کی محبت پر اسے کامل یقین تھا اور جانتی تھی کے وہ کتنے دکھ اور پریشانی میں رہا ہوگا اس کی اس حالت کی وجہ سے، اس کے ٹیسٹ تمام کلیئر تھے، کمزور بہت زیادہ تھی، زخم بھرنے میں کچھ دن تو لگنے تھے، ابھی دوا، غذا، ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق دی جا رہی تھیں، صابرہ بھی اس کے پاس کئی بار آ چکی تھیں لیکن وہ خاموش تھی کمزوری بہت تھی یا شائد اتنی تھکن تھی اس کے اندر کے وہ بولنے کی بھی تاب نہ لا رہی تھی، اس کی خاموشی حمدان یوسف کے لئے سوہان روح تھی۔

''مزنہ! آپ اتنی خاموش کیوں ہیں؟ پلیز کچھ تو کہیے۔'' حمدان یوسف نے اس کا ہاتھ تھام کر ملتجی لہجے میں کہا تو وہ اس کے چہرے پر پھیلی ویرانی، پریشانی اور پژمردگی دیکھتے ہوئے بہت مدھم آواز میں بولی۔

''آپ گھر جا کر آرام کریں، نیند پوری

کریں پھر فریش ہو کر یہاں آئیں، ایسی اجڑی صورت دیکھ کر میں کیسے ٹھیک ہوں گی الٹا اس گلٹ میں رہوں گی کے میری وجہ سے آپ کی یہ حالت ہے۔"

"شکر الحمدللہ، آپ نے بات تو کی اور میری جان اپنی اجڑی صورت کی کسے فکر تھی مجھے تو آپ کی فکر تھی گھر جا ہی نہیں پایا اس ڈر سے کے کہیں، آپ مجھے چھوڑ کر نہ چلی جائیں۔" حمدان یوسف نے اس کی آواز سن کر خوشی سے مسکرا کر کہا۔

"آپ نے جانے ہی نہیں دیا، اتنی آوازیں دیں کے مجھے لوٹنا ہی پڑا۔" مزنہ نے دھیمی آواز میں کہا تو وہ خوشدلی سے مسکرا دیا۔

"اس نعمت و احسان کے لئے میں اللہ تعالیٰ کا تمام عمر بھی شکر ادا کرتا رہوں تب بھی حق ادا نہ ہو گا مزنہ، آئی لو یو رئیلی لو یو مجھے عشق ہے تم سے۔" وہ اس کا ہاتھ چوم کر دل سے بولا۔

مزنہ کے وجود میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ہو جیسے اس کے لمس نے اس کے پیار بھرے اظہار نے وہ حقیقتاً پھر سے جی اٹھی تھی اور سب تلخیاں بھلا کر اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی تھی۔

"مجھے معلوم ہے شروع دن سے۔" وہ بولی۔

"معلوم تھا پھر بھی ترس نہیں آیا مجھ پر۔"

"نہیں۔" وہ شریر انداز میں مسکرائی۔

"ظالم۔" حمدان یوسف نے اسے پیار بھری خفگی سے دیکھا تو وہ دھیرے سے ہنس دی اور اس کی ہنسی نے حمدان یوسف کو روح تک سے سرشار و شاد کر دیا۔

☆☆☆

دو ہفتے بعد آج مزنہ کو ہوسپٹل سے چھٹی مل رہی تھی اور وہ صابرہ کے ساتھ جانا چاہتی تھی اپنے پرانے گھر، اپنے میکے حمدان یوسف کو پتا چلا تو فوراً مچل کر بولا۔

"ہرگز نہیں، آپ میرے ساتھ جائیں گی اپنے گھر۔"

"لیکن۔"

"کوئی لیکن ویکن نہیں، امی کی صحت پہلے ہی اچھی نہیں ہے آپ ان کے گھر جا کر ان سے خدمت کروائیں گی کتنی بری بات ہے نا۔" حمدان یوسف نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو مزنہ نے صابرہ کی طرف دیکھا وہ حمدان یوسف کی محبت اور پرواپر مسکرا رہی تھیں۔

"امی آپ ہی کہیں نا ان سے مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔" مزنہ نے صابرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ پیار سے کہنے لگیں۔

"مزنہ بیٹی، اب تمہیں اپنے شوہر کے ساتھ ہی جانا ہے جہاں بھی جانا ہے، اللہ نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھ نصیب کیا ہے اس کا شکر ادا کرو اور ہنسی خوشی ایک دوجے کے ساتھ زندگی بسر کرو میری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔"

"اور میری بھی۔" فواد راشد نے مزنہ کے سر پر دست شفقت رکھا۔

"بس تو پھر آپ اپنی بیوی کا خیال رکھیں میں اپنی بیوی کا خیال رکھتا ہوں، کیوں بیگم صاحبہ، اب گھر چلیں۔" حمدان یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی جانب اپنا دایاں ہاتھ بڑھا دیا، صابرہ اور فواد راشد اپنے داماد کی بیٹی سے محبت دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

"چلیں۔" مزنہ نے حمدان یوسف کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جسے حمدان یوسف نے مسکراتے ہوئے مضبوطی سے تھام لیا۔

حمدان یوسف کا ہاتھ تھامے وہ حمدان ولا

میں داخل ہوئی تو حیا سے مسکرا دی۔
گھر کے ملازمین ہار پھول لئے اس کے استقبال کو کھڑے تھے، دو کالے بکرے صدقے کے لئے منگوائے گئے تھے، حمدان یوسف کے کہنے پر مزنہ نے بکروں پر ہاتھ پھیرا، عائشہ رضا نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ مزنہ اور حمدان یوسف کے سر سے وار کر ملازم کو دیئے کے کسی ضرورت مند کو دے دیں، مزنہ کو اتنے اچھے ویلکم کی ہرگز توقع نہیں تھی، عائشہ رضا پہلے ہی اس سے اپنے کیے کی معافی مانگ چکی تھیں، اور وہ حمدان یوسف کی محبت کی خاطر سب بھلانے کو تیار ہو گئی تھی، فواد راشد کو بھی اس نے احساس دلا دیا تھا کہ زندگی دولت کے بنا تو گزاری جا سکتی ہے مگر زندگی پرخلوص رشتوں کے بغیر صرف ہاری جا سکتی ہے، زندگی جینے کے لئے رشتوں کا ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔
گلابی لباس میں وہ کھلتا گلاب لگ رہی تھی، چہرے کی رونق اور چمک صرف حمدان یوسف کی محبت کا کرشمہ تھی اور اپنے ابو کا ایک اچھے انسان کا عہد تھا جس نے اسے اپنی ماں کی طرف سے کافی حد تک اطمینان بخشا تھا، حمدان یوسف اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اوپر بیڈ روم میں لے آیا جو دو ہفتے میں بالکل بدل گیا تھا نیا پینٹ، نیا فرنیچر، پردے، قالین، سینری، صوفے، ایل ای ڈی ٹی وی گو کہ ہر چیز نئی اور شاندار تھی، جہازی سائز کے ڈبل بیڈ پر سرخ گلاب کی پتیوں ''آئی ایم سوری'' اینڈ ''آئی لو یو'' لکھا ہوا تھا، پھولوں کی پتیوں سے بنے بڑے سے دل میں لکھے یہ منفرد اظہار یہ الفاظ مزنہ کے دل کو چھو گئے۔
کمرے کی ایک ایک چیز سیٹنگ، سجاوٹ میں حمدان یوسف کی محبت جھانک رہی تھی، حمدان یوسف نے اسے بہت احتیاط و آرام سے بیڈ پر بیٹھا دیا، کمرہ تازہ گلابوں کی خوشبو سے معطر تھا، مزنہ کی حیرت و مسرت سوا تھی۔
''درد تو نہیں ہو رہا؟'' حمدان یوسف نے اس کی کمر کے پیچھے تکیہ لگاتے ہوئے بہت پیار سے پوچھا۔
''نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔
''شکر الحمدللہ لیں جوس پئیں۔'' حمدان یوسف نے شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر سے جوس کا گلاس کور ہٹا کر اس کی جانب بڑھایا۔
''بس۔'' مزنہ نے دو گھونٹ پی کر کہا۔
''تھوڑا سا تو اور پئیں۔'' حمدان یوسف نے اتنے پیار سے کہا کے اسے دو گھونٹ مزید پینا پڑے۔
''حمدان!'' مزنہ نے دل سے اس کا نام لیا تھا اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا، جیسے زندگی نے اسے پکارا ہو۔
''جی میری جان۔'' حمدان یوسف نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو حمائل کر لیا، وہ حیا سے سمٹ گئی۔
''ایک بات پوچھوں آپ سے؟''
''جی ضرور۔''
''جو بھی کچھ ہوا جو ممی نے کہا آپ اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کریں گی۔'' مزنہ نے اپنے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''نہیں۔'' وہ بولا۔
''کیوں؟'' مزنہ نے گھنی پلکیں اٹھا کر اس کے حسین چہرے کو دیکھا۔
''کیونکہ میں جانتا ہوں کے میری مزنہ ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتیں۔'' حمدان یوسف کے حد درجہ یقین اور اعتبار پر اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''آئی ایم سوری، میں نے آپ کو ہرٹ کیا ہے۔''

''نہیں تم نے مجھے ہرٹ نہیں کیا بلکہ خوش کیا ہے زندگی میں محبت کا احساس دلایا ہے، جینے کا مقصد سمجھایا ہے، تم نے بہت درد سہا ہے، بہت تکلیف برداشت کی ہے بہت جھیلا ہے ممی کے برے سلوک کو، پلیز جان میری محبت کی خاطر ممی کو معاف کر دو، میں نے تمہارے ابو کو معاف کر دیا ہے، تم بھی میری ممی کو معاف کر دو، سچ پوچھو تو تمہارے ابو کا جرم اتنا بڑا نہیں تھا جتنا بڑا درد تم نے ممی کے ہاتھوں جھیلا ہے، بہت شرمندہ ہوں میں خود سے کہ میں اپنی محبت کی حفاظت نہیں کر سکا، اس کا خیال نہیں رکھ سکا، اس لئے مجھے اور ممی کو معاف کر دو پلیز، کر دو گی نا معاف؟'' حمدان یوسف نرمی سے کہتے ہوئے اس کی صورت کو پر امید نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے تو ممی کو کب کا معاف کر دیا، رہی بات آپ کی تو مجھے آپ سے کبھی بھی کوئی شکایت نہیں رہی، آپ تو بہت اچھے ہیں۔'' مزنہ نے دھیمے پن سے دل سے جواب دیا۔

''تھینک یو مزنہ، تھینک یو سو مچ، انشاء اللہ تعالیٰ اب سب اچھا ہو گا، یہ پھول پسند آئے ہماری زندگی کو؟'' حمدان یوسف نے اس کی پیشانی چوم کر محبت سے کہا۔

''جی مگر، یہ سوری کیوں لکھا؟'' مزنہ پھولوں کی پتیوں سے لکھے، آئی ایم سوری کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سوری ہر اس بات کے لئے ہے جو اس گھر میں کسی بھی طرح آپ کو تکلیف اور دل آزاری کا، دکھ کا باعث بنی ہے۔'' حمدان یوسف نے جواب دیا۔

''میں اتنی اچھی تو نہیں ہوں کے مجھے ایسے سوری لکھا جائے۔''

''تم کتنی اچھی ہو یہ میرے دل سے پوچھو'' وہ اس کی کلائی میں سونے کے کنگن پہناتے ہوئے پیار سے بولا۔

''میں تو تمہارے عشق میں ڈوب چکا تھا اور جب سے تمہاری ڈائری پڑھی ہے تب سے۔''

''ڈائری۔'' وہ ڈائری کا سن کر چونکی۔

''یہ سوری اس بات کے لئے بھی ہے کہ میں بزنس ٹور پر جاتے ہوئے تمہاری ڈائری بھی ساتھ لے گیا تھا اور اس ڈائری کے ایک ایک لفظ نے مجھے تڑپایا ہے رلایا ہے، تم نے اور آنٹی نے بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک زندگی گزاری ہے مگر اچھی بات یہ ہے کہ فواد راشد صاحب کو بھی ہدایت مل گئی ہے اپنی کے ذریعے ہی ان کو اپنی زیادتیوں کا احساس ہو گیا ہے، دکھوں کی کالی رات کے بعد سکھوں کی روشن صبح نے آنکھ کھول دی ہے اور......''

''اور کیا؟'' مزنہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''ڈائری پڑھنے کے بعد مجھے اپنی پسند اور محبت پر فخر ہونے لگا ہے، میرے دل میں تمہارا مقام تمہارا عشق بے پناہ ہے اتنا کہ میں خود بھی بیان نہیں کر سکتا، میں واقعی بہت خوش نصیب ہوں کے میری زندگی میں تم ہو، اور جانتی ہو ڈائری میں لکھی وہ بات جسے پڑھ کر میں ہواؤں میں اڑنے لگا تھا، وہ کیا تھی؟''

''کیا تھی؟''

''وہ یہ تھی کہ میری مزنہ بھی مجھ سے پیار کرتی ہے۔'' حمدان یوسف نے اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی مس کرتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بتایا تو وہ حیا سے سرخ ہو گئی۔

''جی نہیں۔'' وہ فوراً مکر گئی۔

''میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کے تمہیں

مجھ سے پیار نہیں ہے کھاؤ قسم۔'' حمدان یوسف نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔
''میں جھوٹی قسم نہیں کھاتی۔'' مزنہ نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا، کتنا خوبصورت اقرار محبت تھا حمدان یوسف تو دل و جان سے اس پر فدا ہو گیا۔
''یہ سب خوبصورت ہیں۔'' مزنہ نے کلائی میں پہنائے گئے کنگن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
''یہ آپ کی رونمائی کا تحفہ ہے۔''
''پھر سے۔'' وہ حیران ہوئی۔
''جی ہاں پہلے تو بس نکاح کی رسم ہی ادا ہوئی تھی باقی رسمیں تو ابھی ادا ہونا ہے میری جان۔'' حمدان یوسف نے پھولوں کی پتیاں اٹھا اٹھا کر اس کے چہرے پر پھینکتے ہوئے کہا۔
''باقی رسمیں؟'' مزنہ نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے شرارت سے بولا۔
''جی ہاں نکاح کے بعد سہاگ رات ہوتی ہے ولیمہ ہوتا ہے اس کے بعد دولہا دلہن ہنی مون منانے جاتے ہیں تو یہ سب رسمیں ہم اب پوری کریں گے کیا خیال ہے؟''
''کیا مطلب؟ ابھی نہیں پلیز ابھی میں مکمل تندرست نہیں ہوئی ہوں پتا ہے نا ڈاکٹر نے مجھے ریسٹ کرنے کے لئے کہا ہے؟'' مزنہ ایکدم سے بوکھلاتے ہوئے بولی اور حمدان یوسف اس کی حالت و کیفیت سے محظوظ ہو کر ہنس پڑا۔
''مزنہ میری جان ڈونٹ وری، آپ کی صحت میرے لئے سب سے اہم ہے جتنا ریسٹ آپ کو ڈاکٹر نے بتایا ہے اس سے دوگنا ریسٹ میں آپ کو کرواؤں گا، آپ میرے ساتھ ہیں، میرے پاس ہیں، میری زندگی کا حصہ ہیں مجھے

اور کیا چاہیے، زندگی ہونی چاہیے صحت و محبت بھرا ساتھ ہو تو رسمیں کبھی بھی ادا ہو سکتی ہیں۔'' حمدان یوسف نے اس کے مقابل بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر بہت محبت سے کہا تو وہ حیران رہ گئی، حمدان یوسف جیسے مرد بھی ہوتے ہیں دنیا میں اتنے لونگ، کیئرنگ، اتنی عزت دینے والے، عورت کا احترام کرنے والے، اور بہت خوش نصیب تھی کے اسے حمدان یوسف جیسا مہذب، نیک، سیرت، لونگ، کیئرنگ شریک زندگی ملا تھا، اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہنے لگے۔

''حمدان آپ نے میرے دل سے سارے ڈر دور کر دیئے ہیں آپ آج کی دنیا کے سب سے بہترین مرد ہیں۔''

''بٹرنگ؟'' حمدان یوسف مسکراتے ہوئے بولا۔

''نہیں سچ ایک اور سچ بتاؤں آپ کو؟''

''بتاؤ۔'' اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''مجھے عشق ہے آپ سے، آپ کی ہر بات سے، آپ کی ذات سے، مجھے عشق ہے۔'' مزنہ نے اس کے چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے دل سے اپنی محبت کا اقرار کیا تو چند لمحے حمدان یوسف اس کو حیرت و مسرت سے دیکھتا رہا پھر ایکدم سے اس کے سامنے بے ہوش ہونے والے انداز میں گر گیا، مزنہ گھبرا گئی۔

''حمدان...... حمدان!'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لئے اسے پکارتی بے حد پریشان لگ رہی تھی۔

''جی حمدان کی جان۔'' حمدان یوسف مسکراتا ہوا آنکھیں کھول کر بولا۔

''یہ کیا تھا؟'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

''ہزار والٹ کا کرنٹ تھا جو آپ کے اظہار عشق نے لگایا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

''میں ڈر گئی تھی۔'' مزنہ نے اس کے سینے پر ہلکا سا مکہ مارا۔

''روز روز کہاں کریں ناں پھر ایسے نہیں ہو گا؟''

''کیا؟''

''مجھے عشق ہے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''ہاں ہے تو اب کیا مزنہ کی جان لیں گے آپ؟'' وہ پیار بھری خفگی سے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

''ایسا ہو سکتا ہے کیا؟ مزنہ تو میری جان ہے۔'' حمدان یوسف نے اس کے چاند چہرے کو اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر بہت پیار سے کہا تو اس نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے پھولوں سے لکھے آئی لو یو کی پتیاں دونوں ہاتھوں میں جمع کیں اور حمدان یوسف پر نچھاور کر دیں پیار کے اظہار کے اس خوبصورت انداز پر حمدان یوسف خوشی سے کھل اٹھا اور مزنہ نے شرما کر اس کے محبت بھرے سینے پر اپنا سر رکھ دیا، جہاں وہ اس کے دل کی دھڑکنیں تک سن سکتی تھی اور حمدان یوسف کی دھڑکنوں سے بھی ایک ہی آواز آ رہی تھی۔

مجھے عشق ہے
مجھے عشق ہے

☆☆☆

شادی مبارک
سندس جبیں

باجی تسلیمہ کی شادی اس ٹرک کی مانند ثابت ہوئی جس نے اپنے پیچھے کی ساری ٹریفک روک رکھی ہوتی ہے، اس کی شادی بھی ایک مسئلہ، سارے خاندان کی سب سے حسین اور نک چڑھی لڑکی جسے کوئی پسند ہی نہ آتا تھا، ان وقتوں کی بی اے پاس جن زمانوں میں کوئی میٹرک تک بھی بمشکل پہنچتا تھا، وہ کالج جاتی تو گویا سارے خاندان کے سینے پہ مونگ دلتی ہوئی جاتی تھی، کالج بھی قیامت ڈھاتی، آدھا کالج اس کی نزاکت اور خوبصورتی پہ مرتا تھا باقی حسد کا شکار تھا ورنہ مرتا تو وہ بھی تھا، باجی تسلیمہ تھی بھی بڑی ذہین و فطین، ساری ٹیچرز بھی اس کے مداحوں میں شامل تھیں، یوں ہر طرف سے ملی اہمیت نے اس کا ایسا دماغ خراب کیا تھا کہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہ تھی، اماں نے بی اے کرنے کے بعد اسے سلائی سیکھنے بٹھایا تو جھگڑ کے گھر آ گئی کہ سلائی والی آنٹی بس شلواریں سلوائی جاتی ہیں یا پھر قمیضوں کی ترپائی کروائی ہے، سکھاتی وکھاتی کچھ بھی نہیں، اماں نے لاکھ سر پیٹا کہ کسی طرح وہ دوبارہ جانے پہ آمادہ ہو جائے مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک ڈھیٹ تھی جا کر نہ دی، اماں بھی تھک ہار کر چپ ہو رہی، گھر رہنے کے طور طریقے بھی اس کے عجیب تر تھے، ہر وقت چھوٹے بہن بھائیوں پہ رعب ڈالنا اور ڈانٹ کر اپنا کام نکلوانا اس کا من پسند مشغلہ تھا، اماں کو اس کے طور طریقے بڑا ہولایا کرتے تھے، فٹ رشتے والیوں کو بلا بھیجا، سوچا کہ اب عمر ہو چلی ہے اس کی شادی کی فکر کرنی چاہیے، یہ بوجھ سینے سے ہٹے تو دوسری اولاد کا بھی سوچیں گی، بس پھر تو گھر میں ایک نیا کٹا کھل گیا، ہر وقت یہی فکر کہ کوئی اچھا بر مل جاتے تو وہ اس کے فرض سے فارغ ہوں، جب بھی کوئی رشتہ دیکھنے آتا تو اماں بچھ بچھ جاتیں، ڈھیروں اہتمام کرتیں مگر اللہ کو جانے کیا منظور تھا، اچھے بھلے رشتے آتے، لڑکی بھی پسند آ جاتی، گھر گھرانہ بھی من بھاتا، پھر نجانے کیا ہوتا کہ انکار ہو جاتا، اماں دن رات پریشان رہنے لگیں، کچھ لوگوں کے مطالبات اور کچھ بیٹی کی فرمائشیں کہ لڑکا ایسا ہو ویسا ہو، اماں تو مکمل طور پر عاجز آ چکی تھیں، عاجز تو باجی تسلیمہ بھی آ چکی تھی، کہ آگے دو بہنیں مزید محو انتظار تھیں شادی کے لئے اور ایک اس کے نام کے پتھر تھا کہ سرک ہی نہ رہا تھا، اماں نے اسے بی اے کروانے کے بعد آگے کسی کو ایف اے سے زیادہ نہ پڑھنے دیا تھا، وہ سمجھتی تھیں بڑی کو پڑھا کر جو تیر مارنا تھا وہ مار چکیں اب مزید کسی کے تیر مارنے کی ضرورت تھی، نہ گنجائش۔

اسی طرح جب رشتہ ڈھونڈتے دو سال گزر گئے تو اماں کو مانو چپ سی لگ گئی، باجی کے مطالبات اب گھٹ چکے تھے، ایک دن کسی لڑکے کا رشتہ آیا جو چار بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا، چاروں بھائی مل کر چاول کا کارخانہ چلاتے تھے، اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ تھے، مگر مصیبت یہ تھی کہ لڑکا میٹرک فیل تھا، (فیل ہونے کا بھی ان کے کسی عزیز نے راز کھولا تھا) ورنہ ان کو تو یہی تھا کہ لڑکا میٹرک پاس تھا، شکل وصورت میں بھی ٹھیک تھا، باجی تسلیمہ کو بڑا اعتراض تھا کہ صرف میٹرک؟ مگر اس بار اماں نے اس کی ایک نہ چلنے دی، اور یوں رشتہ پکا ہو گیا، خاندان والوں نے بھی شکر کیا کہ چلو کسی ٹھکانے لگی اماں کی لاڈلی ورنہ تو وہ کسی کے قابو آنے والی نہ تھی، مگر یہ تو ان کی بھول تھی، دو ماہ بعد جب شادی ہوئی تو اصل مژدہ کھلا۔

پہلا دھماکہ، لڑکا میٹرک فیل تھا اور یہ باجی تسلیمہ نے خود اس کے کاغذات میں دسویں کے

رزلٹ کارڈ پہ دیکھا تھا، پہلا غرور چھناک سے تب ٹوٹا جب مجازی خدا نے اس کے بی اے پاس ہونے کی کوئی گھاس نہ ڈالی، بلکہ الٹا مذاق اڑایا کہ لڑکی ذات ہو کر اتنا پڑھنا لکھنا چہ معنی دارد؟ کوئی افسری کرنی تھی کیا؟ دوسرا دھماکہ، لڑکا بھائیوں کے ساتھ کارخانے میں کوئی کام نہ کرتا تھا بلکہ یونہی چند گھڑیاں بیٹھ کر بھائیوں سے جیب خرچ کے نام سے پیسے اینٹھ کر عیاشی کرتا تھا، گھر اور ذمہ داری سے اس کا دور کا بھی کوئی تعلق نہ تھا، باجی تسلیمہ کی تو مانو کسی نے کمر ہی توڑ کر رکھ دی کہاں وہ ہر جمعہ نیا جوڑا زیب تن کرنے والی اور کہاں یہ درماندگی کہ۔

مہینوں بعد بھی نیا جوڑا نصیب نہ تھا، چلو یہ بھی کسی نہ کسی طرح کڑوا گھونٹ یا نصیب کی بدبختی جان کر وہ پی جاتی مگر تیسرا دھماکہ اف؟ تیسرا دھماکہ باجی کے ساس سسر نہیں تھے اور یہی تو وہ چاہتی تھی، سارے خاندان کی لڑکیوں کے درمیان بیٹھ کر اس نے کس نخوت اور بےزاری سے کہا تھا کہ وہ وہاں شادی کروائے گی جہاں ساس سسر کا جھنجھٹ ہی نہ ہو، ایسا کوئی قبولیت کا وقت تھا کہ ساس سسر تو واقعی نہیں تھے مگر شومئی قسمت کہ تین عدد جیٹھ تھے جن کی بیویاں بہنیں تھیں، منہ بولی نہیں بلکہ سگی بہنیں، مطلب تین جیٹھانیاں بمعہ سگی بہنیں، باجی کو انہوں نے دو مہینوں میں ناک آؤٹ کر دیا، سارا طنطنہ اور کروفر ختم شد۔

پہلے پہل تو باجی نے مقابلہ کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر انہوں نے ایک نہ چلنے دی آخر کو وہ تین تھیں اور باجی اکیلی اور ویسے بھی وہ انگریزی کا محاورہ ہے ناں "مجورٹی از اتھارٹی" تو بس وہی ہوا، الٹا سارے خاندان کے آگے بھی باجی کو بمعہ ان کی بی اے کی ڈگری کے خوب ذلیل کیا،

سب سے بڑی وجہ قینچی کی طرح چلتی زبان قصور وار ٹھہرائی گئی۔

باجی روتی ہوئی گھر آئی تو یہ شرط رکھی کہ واپس تب جائے گی جب شوہر صاحب الگ گھر لے کر دیں گے، شوہر نے جب مطالبہ بھائیوں کے آگے رکھا تو انہوں نے اپنی بیویوں سے مشورہ لیا وہ تو مانو اسی انتظار میں تھیں، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کے مصداق جھٹ سے ہاں کر دی، انہیں اپنی راج دھانی میں ویسے بھی کوئی چوتھا کہاں منظور تھا، برا ہوا اماں کا جنہوں نے بس تین بیٹیاں پیدا کی تھیں، ورنہ تو مسئلہ ہی کوئی نہ تھا۔

خیر باجی واپس گئیں تو اپنے الگ گھر میں ہی گئیں، مگر صرف سر پر چھت ہونا لازمی تو نہ تھا، تن پہ کپڑا اور پیٹ میں روٹی بھی چاہیے تھی، بالائے ستم یہ کہ شوہر کچھ کرتا نہ تھا، ایک کے بعد ایک تین بچے پیدا ہوئے تو زندگی کی گاڑی کھینچنا اور بھی کٹھن مرحلہ بنتا چلا گیا، اب یوں ہوتا کہ ہر دوسرے ہفتے وہ بچوں کو اٹھائے رکشہ لے کر سیدھا ماں کے گھر سدھارتی، چھوٹی بہنیں، اسے دیکھ دیکھ شادی سے ہی نفرت کرنے لگی تھیں۔

تسلیمہ سے چھوٹی نسیمہ تھی، ایف اے پاس نسیمہ جس نے باجی کو دیکھ کر سارے گر ماں کے گھر سے ہی سیکھ لئے تھے، سلائی کڑھائی میں ایسی طاق کہ جس کپڑے کو سیتی مانو جان ڈال دیتی، اپنے جہیز کی بیڈ شیٹوں پہ ایسے خوبصورت پھول کاڑھے کہ دیکھنے والے اش اش کر اٹھتے، کھانا پکاتی تو ایسا کہ انگلیاں چاٹتے رہ جاتے، سارا خاندان اس کی خوبیوں کا معترف تھا، اماں نے اس کا رشتہ جاننے والوں میں کر دیا تھا، شکل و صورت کی نسیمہ بھی پیاری تھی مگر اماں باجی تسلیمہ کا انجام دیکھ چکی تھی اس لئے ذرا دیر نہ کی، لڑکے کی شکل و صورت نہایت عام سی تھی مگر تب تک اماں کا ذہن بدل چکا تھا ان کا خیال تھا کہ لڑکا بس اچھا کماتا ہونا چاہیے، باجی کے شوہر کی طرح نکھٹو نہ ہو، تو انہوں نے شادی کی تاریخ دینے والی کی منگنی وغیرہ کا بکھیڑا بھی نہ کیا، کہ فضول رسموں کی کیا ضرورت تھی بھلا۔

نسیمہ کی ساس اور سسر دونوں حیات تھے، ساس تو صدقے واری جاتی تھی، خوب ارمانوں سے بیاہ کر لے کر گئی، نسیمہ کی بری ایسی بنائی کہ لوگ دیکھتے رہ گئے، کمرہ ایسا سجایا کہ آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں، سب کو لگا کہ بس نسیمہ کا نصیب تو چمک اٹھا، نسیمہ جب بھی آتی، خوب تیار شیار ہو کر بری کے زرق برق جوڑے چڑھا کر لشکتی چمکتی آتی اور تسلیمہ کو احساس کمتری کا شکار کر جاتی، وہ سوچتی کہاں یہ ایف اے مر کے پاس کرنے والی نسیمہ جو شکل و صورت میں اس سے کمتر بھی تھی کیسے راج کر رہی تھی اپنے گھر۔

مگر یہ تو آغاز کے حسین دنوں کا قصہ تھا، رفتہ رفتہ معاملات بگڑنے لگے، پتا چلا کہ نسیمہ کی بیاہتا نند وجہ فساد تھی جس کا گھر میں ضرورت سے زیادہ عمل دخل تھا وہ اس کے سسرالی گھر سے دو گلیاں چھوڑ کر رہتی تھی اور اکثر و بیشتر انہی کی طرف پائی جاتی تھی، وہ ان کے ہر گھریلو معاملے میں مداخلت کرتی تھی، ساس مکمل طور پر اس کے قابو میں تھیں عملی طور پر گھر میں حکومت نند کی ہی تھی، نسیمہ نے بے انتہا کوشش کی کہ معاملات اس کے قابو میں رہیں، وہ ہر وقت گدھوں کی طرح مشقت کرتی رہتی، نت نئے کھانے گھر کی صفائی ستھرائی، کپڑوں کو سینا پرونا، مگر اس کے باوجود کوئی خوش ہی نہ ہوتا تھا ہر وقت نکتہ چینی کے ماحول نے رفتہ رفتہ خوش طبع نسیمہ کو بدمزاج کر دیا، وہ اب دوبدو جواب دینے لگی، آخر تھی تو وہ بھی تسلیمہ کی بہن، زبان چلانا خوب جانتی تھی،

ساس اور نند نے جو زبان کے جوہر دیکھے تو گلے پیٹ لئے اب پھر وہی مسئلہ ہونے لگا آئے روز جھگڑے اور لڑائیاں، مگر نسیمہ باجی تسلیمہ کی طرح بے وقوف نہ تھی کہ منہ اٹھا کر ماں کے گھر چل پڑتی اس نے مورچے پہ رہ کر جنگ لڑنے کو ترجیح دی، اس نے تسلیمہ کی طرح ماں کے گھر روز روز منہ اٹھا کر آنا مناسب نہ سمجھا، یوں لوگوں کی باتوں سے بچ گئی اور گھر والوں کے لئے بھی پریشانی کا باعث نہ بنی، ہاں رہی بات جھگڑوں کی تو وہ تو جی ہر گھر میں ہوتے ہیں، کہاں نہیں ہوتے، کمال تو یہ ہے کہ انسان گھر بسانا سیکھے جو کہ اس نے بسا لیا، روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر ساس نے اس اوپر والے پورشن میں علیحدہ کر دیا تھا، کھانا پکانا الگ، رولا مکا، جان چھٹی۔

پھر سنا کہ وہ چھوٹے بھائی کی شادی کی تیاریاں کر رہے تھے، نسیمہ کو رتی بھر دلچسپی نہ ہوتی مگر سنا تھا کہ بری بڑی شاندار بنا رہی تھی اس کی نند، آخر کو چھوٹی بھاوج جو تھی، نسیمہ کو پتا چلا تو قہقہے مار مار کر ہنستی رہی اور شوہر کا خوب دل جلاتی رہی یہ کہہ کر کہ ابھی تمہاری ناگن جیسی بہن یہ چونچلے کرے گی اور بعد میں ایک ایک سوٹ کی قیمت وصولے گی۔

نسیمہ سے چھوٹی ثمینہ کا حال سنیئے۔

اماں نے جب بڑی تسلیمہ اور نسیمہ کا حال دیکھا تو چھوٹی کو بیاہنے سے ڈرنے لگی، وہ دونوں لڑکیوں کے معاملات سن سن کر تھک گئیں تھیں، جبھی سوچا ثمینہ تو ابھی بس بیس سال کی ہے پچیس کی ہوگی تو بیاہنے کا سوچیں گی۔

ثمینہ نے فرصت میں چغلیاں کرنے اور سننے سے بہتر جانا کہ پرائیوٹ کسی مضمون میں ایم اے کر لے، اس نے اپنے تئیں آسان سمجھ کر اردو

کا چناؤ کرلیا اور لگی سب سے بھاری بھرکم اردو میں بات کرنے اور لکھنوی آداب اپنانے، اماں نے سر پیٹ لیا کہ وہ اچھی بھلی لڑکی نمونہ بن گئی تھی، اس کے ادب آداب، اٹھنا بیٹھنا سب بدل گیا۔

باجی تسلیم کو طنز کرنے کا ایک اور شکار مل گیا مگر ثمینہ بڑی عجیب تھی اسے فرق ہی نہ پڑتا تھا، ویسے بھی وہ دونوں بہنوں سے کم صورت تھی اور گن کے نام پہ خاک چھاننا بھی نہ آتی تھی اسے، سوا سے یقین تھا کہ نہ اسے کوئی شہزادہ ملے گا نہ ولن، وہ دونوں بہنوں کے جھگڑے دیکھ دیکھ کر شادی نامی چیز سے متنفر ہو چکی تھی، اگر اماں کا ڈر نہ ہوتا تو بیانگ دہل کبھی شادی نہ کرنے کا اعلان کرتی مگر اماں کی مار کا ڈر تھا جو اسے ایسی کوئی بھی بات کرنے سے روکتا تھا۔

اس کا ایم اے اردو مکمل ہوا تو اماں نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لئے رشتے دیکھنے بیٹھ گئیں، بیٹی کی ماں تھیں، رشتہ آیا بھائی دو بہنیں تھے ایک بھائی اور بہن بیاہے جا چکے تھے اور دو کنوارے تھے، دوسرے بھائی کو ثمینہ کے لئے پسند کیا گیا، وہ ایک کمپنی میں ملازم تھا اور بڑی معمولی سی تنخواہ لیتا تھا، مگر ابا اور بڑے بھائی کا جوتوں کا شوروم تھا جو اچھا خاصا چلتا تھا، اس لئے اماں نے ہاں کر دی، ویسے بھی وہ کون سا حور پری تھی جو اس کے لئے بر آتے، اماں تسلیمہ کی طرح ہر روز گھر میں رشتے دیکھنے والوں کو بلا کر خاطر مدارت کرنے کی سکت نہ رکھتی تھیں، اس لئے چپ کر کے رشتہ کر دیا، ثمینہ کا اگرچہ دل تو نہ مانتا تھا مگر پہلے ہی ماں اتنی دکھی تھی کہ وہ مزید تکلیف نہ سہہ سکتی تھی، جبھی چپ کر کے سر جھکا دیا۔

کچھ مہینوں بعد شادی رکھ دی گئی، سونے کی کوئی چیز سسرال والوں کی طرف سے نہ پہنائی گئی اور بری میں بھی گنتی کے چند جوڑے تھے باجی نے تو طوفان مچا دیا، مکلاوے پہ آئی ثمینہ کے آگے چیخ چیخ کر اس کے سسرال والوں کو برا بھلا کہا، ثمینہ خاموشی سے سنتی رہی، نسیمہ کے بھی کچھ یہی اعتراض تھے کہ جن سسرال والوں نے بہو کو سونا نہ پہنایا وہ تو اسے کوئی اہمیت ہی نہ دیں گے، دونوں بہنوں کو بڑا قلق تھا کہ ماں نے تیسری بہن کے لئے کیسے بھوکے ننگے لوگ منتخب کر لئے تھے جو کہ اتنی حیثیت بھی نہ رکھتے تھے کہ بہو کو چار اچھے جوڑے ہی پہنا دیتے۔

مگر بہو صاحبہ کو کیا فرق پڑتا تھا، اس کی جانے بلا، وہ ہر بات سے بے پرواہ اس چاندی کی انگوٹھی کو دیکھتی جاتی تھی جس میں ایک سیاہ نگینہ جڑا تھا، جو اس کے شوہر نے اس کے لئے اپنے پیسوں سے خریدی تھی اس وعدے کے ساتھ کہ وہ اسے ضرور سونے کی انگوٹھی بھی بنوا کے دے گا۔

خیر زندگی کا پہیہ ایک بار پھر چل پڑا اور وہ دونوں بہنیں جو کہ اس امید پہ بیٹھی تھیں کہ بس ثمینہ کی نند اور جیٹھانی اپنی اصلیت دکھائیں اور وہ ثمینہ کو اپنے نادر و نایاب قسم کے مشوروں سے نوازیں اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

ثمینہ تو ایسی گھنی میسنی نکلی کہ خدا کی پناہ، جانے کیا جادو چلایا اس نے اپنے سسرال پہ کہ ساس سے لے کر چھوٹے دیور تک، تب اس کے کلمے پڑھتے تھے، ساس تو جھولی بھر بھر دعائیں دیتی اس کی ماں کو جس نے ایسی تربیت کی تھی۔

بہنیں تو دور اماں کو خود یقین نہ آتا کہ ان کی کم عقل و کم شکل بیٹی ان کا یوں نام روشن کرے گی، تینوں ماں بیٹیاں راز جاننے کو بے قرار تھیں مگر راز کھلتا بھی تو سہی۔

یونہی ایک دن موقعہ پا کر دونوں اس کے

سسرال چلی گئیں کہ ذرا اس کا طور طریقہ تو دیکھیں کہ آخر ایسی کونسی بات تھی جس کی بنا پر اس کا سارا سسرال اس کا عقیدت مند ہوا پھرتا تھا۔

وہاں جانے پہ پتا چلا کہ ثمینہ تو ساس کے ساتھ بازار گئی تھی جب کہ اس کی بیاہتا نند اور جیٹھانی موجود تھیں، چائے اور دیگر لوازمات پیش کرنے کے بعد دونوں بڑی خوشدلی سے ان سے پیش آئیں یونہی نسیمہ نے باتوں میں بڑی ہوشیاری سے پوچھا۔

''آپ کو ثمینہ کی کون سی عادت سب سے اچھی لگتی ہے؟'' نند اور جیٹھانی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہنس پڑیں۔

''کوئی ایک ہو تو بتائیں۔'' جیٹھانی نے کہا۔

''ہماری بھابھی تو شہزادی ہے، لاکھوں میں ایک۔'' نند بڑے فخر سے کہہ رہی تھی۔

شہزادی کا لفظ سن کر تسلیمہ جل بھن گئی یہ جسے اپنے حسن پہ بڑا غرور تھا۔

''کوئی ایک خوبی ہو تو بتائیں۔'' نند تو گویا موقع کی تلاش میں تھی لگی ثمینہ کے قصیدے پڑھنے۔

اور خوبی کا لفظ سن کر نسیمہ کو اپنی ساری خوبیاں خاک میں ملتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں، لو بھلا اس پھوہڑ میں کون سی خوبی؟ کیسی خوبی؟ نسیمہ کو حیرت نے آن گھیرا۔

''چلیں آپ ایک دو خوبیاں ہی بتا دیں تا کہ ہمیں بھی پتا چلے کہ آخر ایسا کیا اچھا لگا ہو گا آپ سب کو؟'' باجی تسلیمہ نے تجسس سے بے حال ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہماری بھابھی کی سب سے بڑی خوبی ان کی مہذب اور میٹھی زبان ہے، وہ اتنا پیارا بولتی ہیں کہ دل کرتا ہے کہ وہ بولتی رہیں اور بندہ سامنے بیٹھ کے سنتا رہے۔'' نند بھابھی کی تعریفوں میں رطب اللسان تھی اور دھڑ دھڑ باجی تسلیمہ کے سر پہ جیسے دھماکہ ہوا، وہ پرلے درجے کی کوجی، کم صورت بہن جسے آج تک انہوں نے کچھ سمجھا نہ تھا، وہ اپنی زبان کے سر پہ بازی مار گئی تھی، انہیں اپنی بدزبانی کے سارے قصے یاد آئے تھے دل جیسے ڈوب سا گیا تھا اور یاد تو نسیمہ کو بھی آیا تھا کہ جھگڑے تب شروع ہوئے تھے جب اس نے باجی تسلیمہ کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے زبان درازی شروع کی تھی۔

''آپ یقین کریں ایسا نہیں ہے کہ ہمارے گھر میں معاملات خراب نہیں ہوتے، ہوتے ہیں مگر ان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کی خوبصورتی سے کبھی معاملات خراب نہیں ہوتے۔'' نند کی تعریفیں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

اور دونوں بہنیں سکتہ زدہ سی اس ''اسم اعظم'' کو دیکھ رہی تھیں جس نے ان کی خوبصورتی اور خوبیوں دونوں کو گہنا دیا تھا۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

چودھویں قسط کا خلاصہ

نعمان نے پرانے کاغذات میں سارنگ کی تصاویر دیکھی اور سارنگ سے بات کی کہ اگر وہ شفیعت کو چھوڑ دے تو کیا وہ اسے اپنا سکتا ہے۔

پربھات کو حبیب اور شمع کے ناکام تعلق کا پتا چلتا ہے۔

سکھاں نے پربھات کے باپ کی حمایت میں بات کی ہے، شمع اور حبیب کی شادی ابتدا میں ہی ٹوٹ جانے کا بتا کر وہ دلگرفتہ ہے۔

سکھاں نے بلند آواز میں کہا ہے میں نے حبیب کو معاف کیا۔

حبیب نے مراقبے کے دوران سکھاں کے احساس کو نہیں محسوس نہیں کیا ہے۔

چیزل اور پربھات کی پہلی بار کھل کر تفصیل سے بات ہوئی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

پندرھویں قسط

''معافی کا مطلب ہوتا ہے چھوڑ دینا، دستبرداری، قطع کرنا، وہ مجھے چھوڑ رہی ہے، وہ مجھ سے دستبردار ہو رہی ہے، میرے عشق سے، دستبردار ہو رہی ہے، اسے آزادی چاہیے پربھات۔'' آواز اور لہجہ گلوگیر تھا۔

''وہ تھک گئی ہونگی، وہ بھی ایک انسان ہیں، نباہتے نباہتے بے زار ہوگئیں، ایک ایسا بے نام عشق جسے چھپا کر بھی رکھنا تھا اور وہ اس عشق کی بربادی اور رسوائی لے کر پھرتی رہیں۔''

''وہ عشق ہی لے کر پھرتی رہیں اور کچھ نہ ملا انہیں، سوائے عشق کے، کچھ اور ہاتھ نہ لگا ان کے، سوائے بربادی کے، نہ عشق والا کبھی ملا، اور نہ ہی عشق کا سکون، صرف اور صرف ہجر ان کا نصیب ہوا۔''

''اور میں...... میں تمہیں کہاں سے مکمل لگ رہا ہوں، کیا میرے اندر تم نے توڑ پھوڑ نہیں دیکھی پربھات۔''

''دیکھی ہے، لیکن انہوں نے بہت جھیلا ہے، ایک عورت کا آخر کیا قصور ہے، کہ وہ صرف جھیلے...... وہ ساری عمر روگ لگا کر بیٹھی رہے تو عشق ہے ورنہ بے وفائی۔''

''میں نے اس سے وفا کی سند نہیں لی، نہ ہی اسے روگ لگا کر بیٹھنے کو کہا، میں تو خود چاہتا تھا کہ وہ بس جائے، وہ اپنا گھر اور دل بسائے۔''

''یہی تو مسئلہ ہے ابا جی کہ مرد اجڑے تو سنور بھی جاتا ہے عورت اجڑے تو بس نہیں پاتی، وہ بسے بھی تو دوہری چکی میں پستی ہے، ایک الزام اس کی ساری زندگی کا سکون لے لیتا ہے، خدا جانے انہوں نے آسانی پر ہجر کو کیوں فوقیت دی، لیکن جھیلا بہت ہے، آپ سے دوگنا، ان کے سامنے تو آپ کی صفائی دے آئی ہوں، لیکن سچ یہ ہے کہ انہیں بہت فرق پڑا، ان کی زندگی متاثر ہوئی، کچھ بھی تو نہیں رہا ہے ان کے پاس، کچھ بھی نہیں، تمہیں دکھ ہے ناں پربھات۔'' ان کی گیلی آنکھیں مزید بھر آئیں۔

''بہت دکھ ہے ابا، بہت زیادہ، محبت جسے انتظار کروائے، دکھ ہوتا ہے، ہجر عمریں کھا جاتا ہے، سب کچھ کھا جاتا ہے، ہجر کچھ نہیں چھوڑتا، خالی کر دیتا ہے بندے کو اندر سے بھی باہر سے بھی اور پھر ہجر اگر تمام عمر پر بھاری ہو تو ہجر جھیلنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔''

''عمر تو بیت گئی چار لمحے، چار مہینے زیادہ سے زیادہ کوئی چار سال ہی تو بچے ہونگے۔''

''کیوں پربھات ایسا تو مت کہو یار، لوگ سو سو سال جیتے ہیں۔''

''لوگ جیتے ہونگے ابا ہجر والے ختم ہو جاتے ہیں، ڈھیر ہو جاتے ہیں، ہجر والے، رہا کر دیں ناں تاکہ وہ یہ چار سال چار مہینے آرام سے نکال نہ سکیں، چار لمحے نہ کہہ سکی۔''

''اللہ سوہنڑا اس کی عمر دراز کرے میں نے اسے معاف کیا، میں نے اسے معاف کیا۔'' وہ کہتے ہوئے رو پڑے تھے۔

اور دوسری طرف سکھاں کی گہری نیند میں بھی بند مٹھی کھل گئی تھی، جیسے کوئی عہد پیمان گر گیا ہو ہاتھ کی انگلیاں ڈھلک گئیں اور انہوں نے آنکھیں کھول کر خالی ہاتھ کو دیکھا تو ڈبڈبایا ہوا منظر پایا اور ایک جملہ انہوں نے سارنگ کی موجودگی میں کہا تھا، جو اس کے کانوں نے بھی سنا۔

''اس نے مجھے معاف کر دیا، میں اب آزاد ہوں۔'' ساتھ ہی آنسوؤں کا گولہ اٹک گیا گلے میں اور خالی آنکھوں سے نمی قطرہ بن کر ٹپک گئی، ٹپک کر بہہ گئی اور بہہ کر ضائع ہو گئی اور جو رہ گیا وہ چلچلاتا ہوا کرب تھا۔

تکلیف کی انتہا تھی، یا پھر ختم ہونے کی، تکلیف ختم ہونے کی، ایک ملال تھا جو گزرے ہجر کی منادی کرنے لگا تھا، دوسری جانب ادھوری صورت والے بت کی نسوانی آنکھوں میں مٹی کی لہر درد بن کر دوڑنے لگی تھی، احساسات کہیں سے کہیں سفر کرنے لگ گئے تھے۔

جیجی کی بات یاد آئی کہ حبیب شاہ بت اگر بناؤ بھی تو آنکھیں مت بنانا، بنا بھی لو تو آنکھیں جھکا کر رکھنا اور اگر اٹھ بھی جائیں تو ان پتھریلی نظروں کا اثر مت لینا۔

''آنکھیں مل جائیں تو حبیب شاہ پتھر بت بن جاتے ہیں اور بت بشر بننے لگ جاتے ہیں، بس ایک سانس نہیں لے سکتے، باقی سارا کچھ کہہ دیتے ہیں، جو آپ کے اندر ہوتا ہے اور باہر بھی، آنکھیں کہانیاں کہتی ہیں، پھر وہ چاہے بندوں کی ہوں، یا پھر بتوں کی ہی۔''

☆☆☆

گھر لوٹنے پر دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''تم؟'' وہ سامنے کھڑا تھا۔

''ہاں کیوں؟ میں گھر نہیں آ سکتی۔''

''نہیں میں نے سوچا تم شاید مزید وہاں رکو گی؟''

''ہاں میں نے بھی یہی سوچا تھا لیکن سوچا کہ اتنا بھی ضروری نہیں ہے رکنا۔''

''ٹھیک کہتی ہو...... آ جاؤ۔'' وہ نظریں چرا رہا تھا۔

''کیسے ہو تم۔'' یہ اچانک سوال تھا، وہ چونکا۔

''ٹھیک ہوں، اور تم کہنے سے پہلے خود کو روکا کہ کیا بچپنا ہے یہ۔''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔''

''اچھا ہے، اندر آ جاؤ۔''

''کھانا کھایا ہے۔''

''ضرورت نہیں ہے۔''

''کھانے کی۔''

''ہاں شاید۔''

''اور کس کس شے کی ضرورت نہیں؟'' سوال یہ بھی اچانک تھا، وہ رک کر نعمان کو حیرت سے دیکھنا چھوڑ چکی تھی۔

''چھوڑنا چاہتے ہو مجھے۔''

''نہیں......خود......کو۔'' وہ سر جھکا اٹھا نہ سکا۔

''تشفی ہو گی اس سے تمہاری؟'' شفیعت کا لہجہ نرم تھا۔

''نہیں تمہاری۔'' وہ ہنس پڑی۔

''میری تشفی تو اب شاید ہی ہو۔''

''کیا سمجھا ہے تم نے مجھے بے غیرت؟''

''ایسا کیوں کر رہی ہو؟ میں ایسا سوچ سکتا ہوں کیا یہ سوچا تو یہی ہے تم نے کہ مجھے چھوڑ دو گے اور پھر میں جا کر دوسری شادی کر لوں گی، وہ بھی سارنگ جیسے مجبور انسان کے ساتھ، تف ہے تم پر۔''

''اور تمہیں کیا لگتا ہے وہ ایسا کرے گا؟'' نعمان کو توقع نہ تھی کہ وہ اتنی جلدی کھل کر بات کرے گی۔

''تم اس سے محبت کرتی ہو ناں؟'' لہجہ کمزور تھا۔

''نہیں...... تم نے دیکھا ہے کہ کبھی راتوں کو اٹھ کر میں کبھی روئی ہوں۔''

''نہیں...... لیکن تم اچانک رات کو اٹھ کر میرے کمرے سے نکل جاتی ہو، تم اکثر اوقات میرے ساتھ رہتے ہوئے میرے ساتھ نہیں ہوتیں، تم اکثر میرے ساتھ اوب جاتی ہو، وہ اس لئے ہے میرے دل میں کچھ نہیں ہوتا۔''

''سارنگ میرے ماضی میں آیا تھا، اس نے میری توجہ کھینچی تھی، مجھے اس سے انسیت تھی، لیکن، نعمان ڈرے ہوئے کمزور مردوں پر آپ اتنی تو ذمہ داری نہیں ڈالتے ناں۔''

''تم اسے کمزور کہہ رہی ہو، وہ اپنے دور کا دلیر کامدیڈ مشہور ہے۔''

''ہاں وہ بہادری اور طرح کی ہے، یہ اور طرح کی۔''

''میں کیا ہوں شفیعت تمہاری نظر میں۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر ہنس دی۔

''مذاق اڑا رہی ہو میرے سوال کا۔''

''نہیں نعمان، مذاق نہیں اڑا رہی، ہنس رہی ہوں۔''

''مجھ پر ہنس رہی ہو؟''

''نہیں بس حالات پر ہنس رہی ہوں۔''

''میرے سوال کا جواب نہیں دو گی۔''

''نہیں، بہت بے تکا سوال ہے، جب تمہیں خود نہیں پتا کہ تم میرے سامنے کیا ہو، میں کیا ہوں، ہمارا رشتہ کیا ہے، کیا جھوٹ موٹ کا مسکرانا، کیا صرف بہلانا، کیا سیر سپاٹے کرنا، ہلا گلہ، مذاق مسخری، یہی ہے سب؟ یہ کروں تو میں تمہیں سمجھتی ہوں، تمہارے ساتھ خوش ہوں۔''

''یہ نہ کروں تو میں خوش نہیں ہوں۔''

''کسی مرد کے ساتھ تھوڑی بات چیت کیا کر لوں، تم خوف زدہ ہو جاتے ہو۔''

''تم اس کے لئے نرم ہو جاتی ہو شفیعت۔''

''تمہارے لئے بھی تو ہوتی ہوں۔''

''میں تو تمہارا شوہر ہوں یار۔'' وہ چپ ہو گئی۔

''تم اسے دیکھ کر ٹھہرتی ہو۔''

''تم اس سے بات کر کے خوش ہوتی ہو۔''

''بہت اچھے نعمان...... پھر؟''
''میں نے وہ فائل دیکھی۔''
''ہاں، مجھے اندازہ تھا، حالانکہ پربھات نے مجھ سے جھوٹ بولا، لیکن مجھے پتا تھا جس طرح سے وہ جھوٹ بول رہی ہے، جھوٹ خود کہتا ہے کہ میں جھوٹ ہوں، مجھے اندازہ تھا کہ وہ فائل تم نے دیکھی ہوگی، وہ اہمیت رکھتا ہے تمہاری نظر میں۔''
''میں نے اسے بتایا کہ تم اس سے محبت کرتی ہو اور جب بتایا تو وہ رو پڑا۔'' شفیعت کا دل چاہا ایک زوردار تھپڑ اسے جڑ دے لیکن ایسا کر نہ سکی۔
''یہ پوچھو کہ محبت کرتے ہو تب بھی روتا ہے، یہ بتاؤ وہ کرتی ہے تب بھی روتا ہے، عجیب انسان ہے وہ۔''
''عجیب ہو تم سالوں سے چھپا رہی ہو۔''
''اور سب سے زیادہ عجیب تو میں ہی ہوں کہ جسے یہ پتا ہے کہ اس کی بیوی اس سے محبت نہیں کرتی تب بھی وہ اسے زبردستی ساتھ رکھے ہوئے ہے۔''
''تم نے مجھ سے ساتھ مانگا ہے نعمان، ساتھ تو دیا ہے میں نے تمہیں، مجھے میری نظروں میں تو مت گراؤ۔''
''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، تم ٹھیک کہتی ہو۔''
''کتنی بار جرح کی ہے تو نے میرے ساتھ، کتنی بار میں نے تمہیں سمجھایا ہے، اب اگر میں تمہیں مطمئن نہیں کر پائی تو ٹھیک ہے، تم الگ کر دو راستہ۔''
''لیکن کم از کم نعمان مجھے کسی اور مرد کا لالچ دے کر مجھے غصہ مت دلاؤ، سارنگ سے شادی کرنی ہوتی تو کبھی کر چکی ہوتی میں۔''
''اور جو تم محبت کرتی ہو؟''
''وہ دوسرا مسئلہ ہے۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں ساتھ نعمان کی چھلک پڑیں۔
''مطلب کرتی ہو ناں۔'' وہ بڑبڑایا سر جھٹک کر آنسو پوچھ کر۔
''تم میرے آقا تو نہیں ہو، کیوں کرتے ہو یہ سوال مجھ سے میں تمہاری غلام تو نہیں ہوں کہ ہر گزرے کل کا تمہیں جواب دوں۔''
''شفیعت تم مجھے خلع کا نوٹس بھیجو۔'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
''میں تمہیں خود نہیں چھوڑ پاؤں گا، تم مجھے چھوڑ دو۔''
''تم انسان نہیں ہو۔'' وہ شدید دکھ اور غصے میں آ گئی تھی، اتنا کہہ کر کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر دیا اندر سے۔
وہ ہارے ہوئے انسان کی طرح بیٹھا رہا، اسے لگا اس کے سامنے کسی بھی کیس کو جیتنا بڑا مشکل ہے، ہار کر اسے جیت لینا یا پھر جیت کر فتح کر لینا۔
نہ پوری طرح وہ خود پر قابض ہونے دیتی ہے اور نہ ہی خود حکومت کرنا چاہتی ہے۔
اس کے ساتھ کا یہ عالم تھا کہ، نہ وہ چھوڑتی ہے، نہ ہی تھام کر قریب رکھتی ہے۔

اس کے ساتھ بیٹھے رہو، وہ سیٹ سے نہیں ہٹائے گی، کبھی کبھار مسکرا کر دیکھ لے گی، بات کرو تو جواب دے گی لیکن آنکھوں میں جھانک کر کوئی ایسا سوال نہیں کرے گی جس سے وہ آپ کو جھنجھوڑ کر آپ کا جرم بتا دے یا پھر آپ کو معاف کر کے دل سے لگا دے۔
ایک پھانس، ایک فاصلہ، ایک رکھ رکھاؤ، ایک کانٹا، ہمیشہ موجود ہوتا ہے جو یکجائی کا دشمن رہتا ہے۔
عجیب ساتھ تھا، جسے نہ وہ کھونا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے پورا کبھی حاصل کر پایا۔
ایک جنگ تھی جو مدھم شعلے کی طرح جل بجھ رہی تھی، سلگتی ہوئی، بے نام سی، جسے نام تو مل گیا، لیکن اس کا انجام کرو تو بس تباہی دکھتی تھی۔

☆☆☆

''کیسی عورت ہے تو سبیل خاتون، ایک تو ماں سے چھپاتی ہے، دوسرا دکھ بانٹنے بھی نہیں جاتی۔'' وہ چادر سر سے اتار کر ماں کو دیکھنے لگی۔
''کیا چھپاتی ہوں میں بتا تجھ سے۔''
''سب چھپاتی ہے پر ماں سے کب چھپتا ہے کچھ، چری چھوکری، تجھے چلنا تھا سارنگ کے گھر۔''
''نہ اماں، میری ہمت نہیں پڑتی۔'' وہ سر پہ بازو رکھے بولی۔
''سبیل جو دکھ میں کام نہ آئے وہ کبھی دکھ سکھ کا ساتھی نہیں بن سکتا چری، جیجی کہتی تھیں دکھ میں اپنوں کی پہچان ہوتی ہے، جو دکھ میں کام آئے، وہ دکھ کا ساتھی اور جو دکھ میں چھوڑے سکھ میں بھی اس کی طلب نہیں رہتی کسی کو۔''
''اماں اسے تو میری طلب سرے سے نہیں ہے، لکھ لے تو۔''
''سبیل تجھے تو ہے ناں؟''
''طلب نہیں ہے ماں، چاہ ہے۔''
''چاہ تو ہے ناں، طلب بھی تو اسے کہتے ہونگے۔''
''پڑھی لکھی تو نہیں ہے تیری ماں، پر سمجھ تو مٹھے رب نے دی ہے ناں سب کو۔''
''ٹھیک کہتی ہے اماں، پر جا کر اس کی دلجوئی کرنے کا مقصد ہوگا کہ میں اپنا مطلب ڈالنا چاہتی ہوں۔''
''چاہ رکھنے کا یہ تھوڑا ہی مطلب ہے کہ ڈورے ڈالے جائیں برا لگتا ہے ناں اماں۔''
''تو بھی ٹھیک ہے سبیل، پر غلط میں بھی نہیں، چل بیچ میں چکر لگے گا تو چلنا، سندس اور چاچی مہراب کا تو تو خیال کر لے کچھ۔''
''اچھا، چلوں گی اماں، پر ڈورے نہیں ڈالوں گی، سارنگ کے کمرے میں نہیں جاؤں گی۔''
''لے چری پھر تو وہ لوگ شک میں پڑ جائیں گے بس ایسی بات ہے تو پھر جاؤں گی ہی نہیں۔''
''یہ لے پھر شک یقین میں ڈھل جائے گا، پہلی واری اتفاق سمجھ لئے، دوسری واری نہ چلی تو

کوئی نہ کوئی کھٹک ہوگی، پھر ابھی موقع نہیں ملا ہوگا پر بھات کو بات کرنے کا۔''

''اماں تو نے اسے کیوں کہا۔''

''چری، وہ ماں کہہ رہی تھی مجھے، بیٹی بن کر پوچھنے لگی تو میں نے بھی ماں بن کر بتا دیا اسے۔''

''پر اماں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''پر کچھ نہیں سبیل خاتون، راستہ کھولا جاتا ہے، بندہ آواز تو دیتا ہے ناں چری، اب روٹی پکائیں گے نہیں تو خود چل کر منہ میں آئے گی کیا۔''

''تو بھی حد کرتی ہے اماں۔''

''چل چھڈ، تو بس دعا کر، دعا کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں چری۔''

اسے یاد آیا کہ ماں اس کے بچپن میں کہا کرتی کہ سبیل دعا کر، جب ابا نہ رہا تب بھی کہتیں سبیل دعا کر، جیجی ماں کہتی ہیں کہ دعا کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں۔

''اماں یہ جیجی جیسا کوئی اور کیوں نہیں ہے ان کے خاندان میں۔''

''چری، ہر بندہ ایک ہی باری پیدا ہوتا ہے، پر ان کی سمجھ نسلوں تک جاتی ہے۔''

''اماں شمع بی بی بھی ایسی ہیں؟''

''پتا نہیں دھی، پر شمع بی بی بھی بھلے لوگوں کی اولاد ہے، بھلی ہوگی۔''

''اماں کیا بھلے لوگوں کی رب سنتا ہے؟''

''چری رب تو سب کا ہے، سب کی سنتا ہے۔''

''پھر یہ لوگ بھلے کیوں ہیں؟''

''چری دنیا بھلا کہتی ہے، پر اصل بھلا وہ ہے جو اپنے رب کا ہوا۔'' اس کے بندوں کا نہیں۔

''جیجی لگتا تھا کہ رب کی ہے، وہ رب سائیں کی باتیں کرتی تھی۔''

جیجی ایسی بات کرتی تھی جو دل پر لگتی تھی۔

''جو رب کی باتیں کرے، اس کی ساری باتوں میں حکمت آجاتی ہے۔''

''اماں تو میرے لئے دعا کرنہ؟'' وہ ان کی گود میں لیٹ گئی سر رکھ کر۔

''تیرے لئے دعائیں میں ہی کروں کیا، تو خود بھی کر۔''

''اماں...... بندہ چاہ کیوں رکھتا ہے۔''

''بندہ چاہ رکھنے کے لئے جنا گیا ہے۔''

''پہلے بندے کی، پھر رب کی، ایک دن ایسا آتا ہے کہ جب رب کی رکھتا ہے۔''

''پہلے رب کی کیوں نہیں رکھتا اماں؟''

''بندہ پاک صاف نہیں ہوتا ناں، پہلے پاک صاف ہوتا ہے بندے کی چاہ رکھ کر، پھر اسے پتا چلا جاتا ہے کہ چاہ کیا ہوتی ہے۔''

''اماں۔'' نیند آرہی ہے، اسے بہت دنوں بعد سکون ملا تھا۔

''سوجا، وہ ذکر پڑھنے لگیں سوہنڑے رب کا۔'' اور سبیل خاتون نیند کی حسین وادیوں میں اترنے لگی۔

☆☆☆

''تو بات نہیں کرتی اس کے ساتھ۔''

وہ آتا ہے گھر، پہلے دن بھر نہیں آتا تھا، اب دوبار آتا ہے، وقت ہوا تو بار بار آئے گا۔

''چاہتی ہوں وہ وقت آئے کہ فیروز گھر سے نکلے ہی نہ، گھر بیٹھا رہے، تو اسے چاہ دے۔''

''کیسے دوں۔'' وہ گھٹنوں کے نزدیک بازو لپیٹ کر اں کے سامنے بیٹھی تھی۔

وہ لیٹی ہوئیں تخت پر اسے سمجھا رہی تھیں۔

''بات کر اس سے، خیال رکھ اس کا اور کس طرح۔''

''کس زبان میں بات کروں اس سے، میری زبان اسے اچھی نہیں لگتی ہوگی، اس کی زبان میرے منہ پر نہیں چڑھتی۔''

''رباعی تکبر کسی کام کا نہیں ہوتا دھی، مرد کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، ایک بار جھک جا، پھر جھکاتی جانا۔''

''نہ جھکنے کا شوق ہے نہ جھکانے کا۔''

''بندہ رب کے سامنے جھکے تو بندہ، بندے کے سامنے جھکے تو کافر کہلاتا ہے۔''

''میں اگر اچھی مسلمان نہ بھی بنی تو بھی کافر بن کر تو کوئی بھی مرنا نہیں چاہے گا ناں۔''

''ٹھیک کہتی ہے تو، چل جھک تو، مڑ تو سہی نگاہ تو کر، اسے اپنا تو سمجھ، چری ماں باپ کی بھی تو بندہ سن لیتا ہے ناں، تجھے اس لئے کہہ رہی ہوں کہ چاہتی ہوں تجھے پچھتانا نہ پڑے۔''

''مجھے پتا ہے یہ رشتہ بے جوڑ ہے، تو سمجھ والی ہے، فیروز چریا نکما ہے، پر تو اسے موقع تو دے، تھوڑی اچھی ہے تو زیادہ اچھی بن جا، زیادہ ہے تو اور زیادہ بن، بہت ہے تو حد کر دے، پر کر تو سہی، تو آگے بڑھ، رباعی تو آگے بڑھ، تجھے چار چاند لگ جانے ہیں، تو آگے تو بڑھ، ایک قدم بڑھا، اس کا سہی اس کی چیزوں کا خیال رکھ، اس کے کپڑے اس کا کھانا پینا پھر یہ تو تیرا فرض ہے پگلی۔''

''وہ نبا ہے نہ نبا ہے، تو نباہ کر، تو آگے بڑھ، تو آگے بڑھ، تجھے اجر ملے گا، اجر سارا تیرے نام لکھا جائے گا، دیکھنا۔''

''مجھے اجر کی پرواہ نہیں ہے۔'' اس کی آواز نرم تھی لیکن ایک ہٹ دھرمی نے جگہ لے لی تھی۔

''تو پھر کس کی پرواہ ہے تجھے، ہاں بول، کس کی پرواہ۔''

''پتا نہیں۔''

''جیجی بولتی تھی تو اثر ہوتا تھا، میں بولوں تو بہہ جاتا ہے۔'' وہ افسوس سے خود سے ہی کہنے لگیں۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ اثر ہوا ہے، لیکن کہہ نہیں سکی، اس کی انا نے کہنے نہ دیا، گھٹنوں کے گرد بازو دیئے بیٹھی رہی۔

''اس سے اچھا تو بغاوت کرنے والے کرتے ہیں۔''

''تو نے شادی بھی کی اور انا سے بھی نہیں ہٹی، ایسی شادی تو نہ ہی کرتی تو اچھا تھا۔''

''زندہ گاڑ دیا جاتا مجھے۔'' وہ تلخی سے بولی۔
''وہ زمانے گئی، حویلی میں بڑی بڑی بغاوتیں ہوتیں کسی نے کسی کو زندہ نہیں گاڑا۔''
''منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا، اسی سے ڈرتی تھی کہ کہیں میرے ماں باپ منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں تو مجھے کوسیں گے، آخرت برباد ہو جائے گی میری۔''
''آخرت بچانے کے لئے تو نے زندگی پر جوا کھیلا، چل اچھا کیا پر اب قبول تو کر۔''
''کیا تو ہے، وہ بھی تو سیدھا بنے۔''
''وہ نہیں بنے گا تو کیا تو بھی نہیں بنے گی۔''
''سیانی ہے تو تو۔''
''اس کے قدموں میں گر جاؤں کیا؟ شمع بی بی۔''
''مجھے ماں کہتے تیرے ہونٹ نہیں چپکیں گے۔''
''ماں کہہ دے تو سمجھوں گی ماں سمجھتی بھی ہے، جب دل کرے گا تو کہہ دوں گی، عزت تو کرتی ہوں آپ کی میں۔''
''اچھا۔'' وہ ہنس پڑیں، وہ اٹھ کر پانی لے آئی، انہیں سہارا دیا، پانی پلایا، اور پھر گلاس رکھا۔
''چل اور کچھ نہ کر، بس اتنا کر رباعی کہ اگر وہ کھانسے تو اسے پانی دینا۔''
''بھوکا ہو تو کھانا دینا۔''
''گھر آئے تو کپڑے استری کر کے رکھنا۔''
''بات نہ ہی کر، پر اتنا تو کرے گی ناں۔''
''میں بھی تو تیری ماں برابر ہوں، ماں نہ سہی، ماں برابر سہی، ہوں تو سہی ناں۔''
''تو نے اتنا بھی نہ کیا تو میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی رانی۔''
''اتنا کر لوں گی، آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے جیسے کسی حد تک ہار مانی ہو۔
''لیکن بس اتنا ہی کروں گی۔''
''ٹھیک ہے۔''
''بات کرے گا تو چپ رہوں گی۔''
''چل ٹھیک ہے، اللہ کرے اتنا بھی ہو رہے۔''
''یا رب سائیں میرے فیروز کو ہدایت دے، میرے فیروز کے منہ پہ مہر لگا۔'' کہتے رو پڑیں، مہر لگانے کا مطلب چپ لگانا تھا۔
''آپ رو کیوں رہی ہیں؟''
''تو سیانی ہے، تجھے پتا ہے ماں اگر بچے کے لئے یہ دعا کرے تو کتنی بے بس ہو گی وہ ماں۔''
رباعی کے ہاتھ کانپے چادر درست کرتے ہوئے اسے یاد تھا ایک بار اسے بھی ماں نے کہا تھا کہ۔
''رباعی شالا تیرے منہ پر تالا ہو، تیزی زبان کو مہر لگے۔'' اور کہنے کے بعد تنہائی میں جا کر رو پڑی تھیں۔
اس نے تب ماں سے کہا تھا کہ۔

''پہلے بد دعائیں دیتی ہیں پھر روتی کیوں ہیں۔''

''کہنے لگی چری ماں بچے کو اول تو بد دعا دیتی نہیں فرض اگر دے بھی دے تو رو دیتی ہے اور اندر ہی اندر کہتی ہے کہ کاش یہ دعا نہ سنی جائے۔''

''آپ فکر نہ کریں اپنا دھیان رکھیں، دوا لے لیں۔'' اس نے دوائیں نکالیں۔

''یہ گولیاں، نئی ہیں۔''

''ہاں، میں نے مہنگائی ہیں۔''

''تجھے کیسے پتا لا کہ کون سی منگوانی ہیں۔''

پربھات نے ڈاکٹر سے بات کر کے نسخہ بھیجا وہی ملازمہ کو پیسے دے کر کہا کہ آج ہی سے کہو شہر سے لا دے۔

''پربھات، حبیب کی بیٹی۔''

''ہاں، حبیب کی بیٹی۔''

''وہ اتنی اچھی کیوں ہے؟''

''اس کا باپ بھی اچھا ہے، باغی ہے تو کیا ہوا۔''

''اس کی ماں کیسی تھی؟''

''وہ تب ہی شاید گزر گئیں، جب پربھات کم سن تھی اسے باپ نے پالا ہے، اس پر باپ کا اثر ہے، قہر ہے اس کی۔''

''آئندہ اسے نسخہ مت دکھانا رباعی، اس پر اس کے باپ کی مہر ہے اور اس کے باپ کا میں نے کبھی احسان نہیں لیا، تو بیٹی کا کیسے لوں گی، وہ رشتے نباہنے میں باپ سے بھی چار ہاتھ آگے ہے، خود ہی کہتی رہتی ہے۔''

''جانے دے، کسی پر بوجھ نہ ڈال، ان دوائیوں نے آپ پر اثر ڈالا ہے، بس یہی منگاتی رہ، جب تک اثر رکھتی ہیں، پھر چھوڑ دینا۔''

''پندرہ دن بعد دوا بدلنی ہوگی ماں جی۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

''تم نے مجھے ماں جی کہا۔''

''جی بس کہہ دیا۔''

''تو پہلے کیوں نہ کہا۔''

''پہلے ماں کم شمع بی بی زیادہ لگ رہیں تھیں آپ۔''

''اب تو ماں لگ رہی ہوں ناں۔''

''بالکل لگ رہی ہیں۔'' اس نے چادر ان کے اوپر ڈالی۔

''اب آرام کریں۔''

''تو بہت اچھی ہے رباعی، کاش تجھے فیروز پر رحم آئے اور اسے تیری قدر ہو، ماں کی دعا ہے، خدا کرے کہ قبول ہو، دعا کر کہ قبول ہو۔'' وہ ان کے پاس تب تک بیٹھی رہی، جب تک انہیں نیند نہ آ گئی، انہیں نیند آ گئی تو یہ بھی وہیں کمرے میں رکھی چارپائی پر لیٹ گئی اور اسے نیند نے آ لیا۔

رات گئے فیروز لڑھکتا ہوا گھر آیا تھا اور جھولے میں گرے پڑے انداز میں لیٹ گیا۔
صبح فجر کے وقت شمع نے اسے آواز دی اور وہ باہر گئی تو فیروز کو جھولے میں دیکھا، اس کا دل کیا کہ بات کرے، لیکن نشے میں دھت بڑبڑاتے ہوئے اس کے منہ سے جب پینے کی بو، آئی تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔
ناگواری سے۔
شمع کو ملازمہ وضو کروا رہی تھی، شمع نے ربائی کا ناگواری سے پیچھے ہٹنا دیکھا۔
اور وضو کر کے نماز کے لئے چوکی پر آ گئیں، جو زمین سے ذرا بلندی پر خاص طور پر نماز کے لئے ہی بنوائی تھی، وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگیں۔
ربائی نے پلر کے سامنے مصلحہ بچھایا، نماز پڑھ کر ختم بھی کی، لیکن شمع سجدے میں جھکی رہی، اسے کچھ خدشہ ہوا۔
''اماں ماں جی، آپ ٹھیک ہیں؟'' اس نے انہیں آواز دی اور پھر ہلایا، تو وہ سر اٹھا کر اس کی طرف خفگی سے دیکھنے لگیں۔
''تو نے مجھے اٹھایا، اللہ سے بات کرنے نہیں دی، اللہ سے کیا بات کر رہی تھیں آپ؟، جو مجھ سے نہیں کر سکتی۔'' ان کی آواز میں رعب دھمک اور طراری تھی، آنکھوں میں چمک، وہ کچھ سمجھتے اور نہ سمجھتے ہوئے خاموش رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''تم کیوں جا رہی ہو شفیعت؟ ڈاکٹر نعمان کو چھوڑ کر، وہ یہ کہہ نہیں پا رہے تھے کہ مجھے چھوڑ کر۔''
''نعمان بچہ نہیں ہے ابا، نعمان کو کچھ عرصہ اکیلے رہنے دیں۔'' وہ اپنا ضروری سامان پیک کر کے لائی تھی۔
ویزہ کے لئے اپلائی کر دیا تھا، قوی امید تھی کہ جلد آ جاتا۔
''اس وقت میرا جانا ضروری ہے، کورس چند ماہ کا ہے لوٹ آؤں گی، فی الحال اس موضوع سے ہٹ کر بات کریں۔'' وہ شدید دکھی تھی اندر سے، ڈر تھا کہ ان کے سامنے رو نہ دے، تھک نہ جائے، لیکن تھکن تو چہرے سے جھلکتی تھی۔
''تم جا رہی ہو، ضد نہیں چھوڑو گی۔''
''آپ کیا چاہتے ہیں؟''
''میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں کا رشتہ کمزور نہ پڑے۔'' وہ ہنس پڑی، رکنے سے زیادہ کمزور پڑ رہا ہے، رک گئی تو چھ ماہ بھی چل نہیں پائے گا۔
''سمجھیں رشتے کو وقت دینے کے لئے نکل رہی ہوں تاکہ وہ سوچ لے، میں سوچ لوں، اور پھر کوئی فیصلہ لیں۔''
''بات یہاں تک آ گئی ہے اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔'' وہ افسردہ تھے۔
''اس سے زیادہ آگے بڑھ گئی ہے، رشتہ کچے دھاگے پر کھڑا ہے، دھاگا کسی بھی وقت ٹوٹ

سکتا ہے، نعمان سے بات کروں؟''
''ہر گز نہیں، بات کرنے سے بات بنے گی نہیں بلکہ بگڑ جائے گی اور جب بات کرنے سے بات بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو بات نہ کرنا ہی سب سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔''
''ابا جی آپ کا مجسمہ۔'' پربھات اچانک پیچھے آئی تھی۔
''میرا مجسمہ؟'' انہوں نے گردن پھیر کر دیکھا۔
''جو آپ نے بنایا، وہی مجسمہ۔''
''اچھا تو یہ کہو ناں، کیا ہوا اسے۔''
''آپ اسے مکمل کیوں نہیں کر رہے۔''
''مجھے ڈر ہے کہ مکمل کر کے توڑ نہ دوں۔''
''آپ اسے توڑ چکے ہیں ایک مرتبہ، دوبارہ نہیں توڑ سکیں گے۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا؟''
''مجسمہ شمع بی بی کا ہے ناں۔'' وہ گھوم کر ان کے سامنے آ گئی۔
''نام مت لیا کرو کتنا کہا ہے کہ نام مت لیا کرو، نام لے لیتی ہو۔'' شفیعت نے ان طرف دیکھا، کچھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے۔
''آپ نے اس کو توڑا تھا، مجسمہ توڑنے سے کیا ہوگا، بنائیں تو سہی، پھر توڑ دیجئے گا۔''
''ان بے تکی باتوں کا کیا مقصد ہے پربھات؟'' اس کی بجائے شفیعت بولی۔
''یہی باتیں تو تک والی ہیں آپا۔''
''جانے دو، تک والی باتوں کو، آپ چائے پئیں۔''
''آج سوچ رہی ہوں میوزیم میں غزل پروگرام ہے مل کر چلتے ہیں۔''
''اولاد واقعی اس لئے ہوتی ہے کہ بڑھاپے میں بہلایا کرے یا پھر لڑا کرے، چلو ٹھیک ہے، چلیں گے۔'' وہ چائے پینے لگے اتنا کہہ کر۔
پربھات منہ بنا کر بیٹھ گئی اور رباعی کا نمبر ٹرائی کرنے لگی تو جو مسلسل بند آ رہا تھا اور ابھی اچانک لگا تھا تو وہ فوراً اٹھ کر اس سے بات کرنے لگی۔
''رباعی کیسی ہو تم؟ کہاں ہو؟ فون کیوں بند تھا؟'' ایک دم سے تین سوال، وہ دوسری طرف ہنسی۔
''خوش ہو ناں۔'' اس نے ہنسی سے اندازہ لگانا چاہا۔
''پتا نہیں خوش رہنا کتنا ضروری ہے۔''
''شاید جینا ضروری ہے۔''
''یہ بتاؤ فیروز کا رویہ کیسا ہے؟''
''ماں جی نے کہا ہے کہ ایک کمرے میں دو مرد نہیں رہتے۔''
''واہ کیا کمال بات کی ہے۔''
''آپ نے سنا شمع بی بی نے رباعی کو کہا کہ ایک کمرے میں دو مرد نہیں رہ سکتے۔'' وہ بچوں کی

طرح بے ساختہ بتا رہی تھی، حبیب چونکے۔
"کس کو بتا رہی ہو یہ تم، ہماری باتیں کیا ہمارے درمیان نہیں رہ سکتیں؟" رباعی دوسری طرف بگڑی تھی۔
"اف توبہ کیا ہے، ہمارے ہی درمیان ہیں فکر نہیں کرو۔"
"تم بتاؤ مجھے فیروز کا رویہ کیسا ہے۔"
"نہ محبت نہ نفرت، یکسر اجنبیت۔"
"چلو فی الحال اسی میں عافیت جانو۔" رباعی کھوکھلی ہنسی ہنسی۔
"لیکن ہمارے بارے میں سخت ہے، کہتا ہے تم سے بات نہ کروں۔"
"اچھا۔" وہ کچھ لمحے سوچ میں پڑ گئی۔
"مت کرو۔"
"تم بھی یہی چاہتی ہو؟"
"نہیں چاہتی ہوں کہ میری وجہ سے تمہارا گھر نہ ٹوٹے، تم سے نہ بات کروں تو پھر کس سے کروں۔"
"یہ بھی ہے، چلو تم ایسا کرو کبھی کبھار چھپ چھپا کر دو منٹ خیریت بتا دینا۔"
"تمہیں ایک بات بتانی ہے پربھات۔"
"ہاں بتاؤ۔"
"شمع کی بات میں بہت اثر ہے، اس کی ہر ایک بات میں اثر ہے، وہ کہتی ہے ماں جی کہو تو کہنے لگتی ہوں، جو کہتی ہیں وہ ماننا پڑتا ہے۔"
"صبح فجر کی نماز پر عجیب حرکت تھی ان کی آنکھوں میں، عجیب چمک، کہنے لگیں اللہ سے بات کر رہی ہوں، عبادت گزار ہوں گی، اثر تو آنا ہے، نماز پڑھتی ہیں۔"
"نہیں پربھات تم نہیں سمجھتیں، کل رات ان کا روپ عجیب تھا اور صبح فجر پر وہ خود اچھا ہو سکتا ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ان کی۔"
"ہاں بہتر ہے دوا اثر کر رہی ہے۔"
"چلو اچھا ہے، یہ تو اچھی خبر ہے۔"
"کیوں تم ڈرتی ہو اس سے؟"
"نہیں لحاظ کرتی ہوں، جس دن نہ کیا تو اپنے گھر پہنچا دی جاؤں گی۔" کہہ کر فون بند کر دیا اس نے تو پربھات مہر کی طرف آئی۔
"فون بند ہو گیا؟" وہ پوچھنے لگی۔
"نہیں اس نے خود کیا، فیروز آ رہا تھا۔"
"ڈرتی ہے اس سے۔" اس بار شفعیت بولی۔
"نہیں کہہ رہی تھی کہ لحاظ کرتی ہے، جس دن نہ کیا، گھر پہنچا دی جائے گی، جہاں سے آئی تھی۔"

''مشکل ہے ایک مس میچ شادی کا چلنا۔''
''ہے تو لیکن وہ یہ مشکل جھیل رہی ہے۔''
''اور کیا کہہ رہی تھی؟'' وہ متجسس تھے۔
''کہہ رہی تھی شمع کچھ عجیب سی محسوس ہوتی ہیں، خود سے باتیں کرتی ہیں اور آنکھوں سے روشنی پھوٹتی ہے۔''
''اچھا؟'' وہ خالی کپ کو دیکھ رہے تھے۔
''جی...... بالکل...... مجھے بھی ان کی شخصیت میں ایک سحر تو محسوس ہوا ہی تھا۔''
''جیسے وہ کوئی حکم دے تو ٹالا نہ جا سکے؟'' حبیب کے سامنے جیجی کا عکس آ گیا۔
''بالکل اور اگر بندہ انکار کرے تو پچھتائے۔''
''جیسے اس کی سنی جاتی ہو، یا پھر جیسے وہ کچھ جان گئیں ہو، خیر اتنے دکھ دیکھ کر تو کوئی کچھ بھی جان سکتا ہے۔''
''لیکن جب وہ روتی ہیں تو لگتا ہے سارا گھر رو رہا ہے، دیواریں آنسو بہا رہی ہیں۔''
''جب بد دعا دے رہیں تھیں تو لگتا تھا کہ عرش ہل جائے گا کہنے لگیں کہ تیرے باپ کو قبرستان نصیب نہ ہو گا حویلی کا، لگتا تھا ایسا ہو گا۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی، حبیب کی جیسے دنیا اندھیر نظر آنے لگی۔
''کہہ رہی تھی معاف نہیں کروں گی، قیامت تک معاف نہیں کروں گی، حساب ہو گا لگتا ہے۔'' حبیب کے جسم میں سرسراہٹ دوڑ گئی۔
''بس کرو دو پربھات۔'' شفیعت نے باپ کے تاثرات جانچتے ہوئے اسے جھڑکا۔
''ایک طرف وہ عورت ہے جو معاف کر دیتی ہے، ہجر کا سارا سفر معاف کر دیتی ہے، کہتی ہے حبیب تم مجھے معاف کرنا، میں نے تمہیں معاف کر دیا اور دوسری طرف وہ ہے جو کہتی ہے کہ دل نہیں کہتا کہ معاف کروں، حویلی نصیب نہ ہو گی، قبرستان نے ہو گا۔''
''بس کرو دو پربھات۔'' وہ پھر دھاڑی اس پر۔
''معاف نہیں کیا اس نے آزاد نہیں کیا۔'' حبیب نے سر میز کی سطح پر رکھ دیا، آنکھیں برسنے لگیں تھیں، شفیعت نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پربھات خود جیسے حواس باختگی سے بڑبڑائے جا رہی تھی۔
''تو اس نے آزاد نہیں کیا۔'' اور حبیب نے سر اٹھا کر آنسوؤں بھر کر چہرے سے دھندلا منظر دیکھا
''اسے خاندانی فیض کے لئے شاید چن لیا گیا ہے۔'' وہ کہہ رہے تھے کہ چن لیا ہے، اس بار بھی عورت ہے اس عورت کو چنا جو معاف نہیں کر پاتیں، اس بار سوال شفیعت کی طرف سے تھا۔
''جیجی کی جگہ شمع کے علاوہ اور کوئی نہیں لے سکتا۔'' وہ چہرہ ٹشو سے صاف کرنے کے بعد بولے۔
''خاندانی فیض خاندان میں بٹتا ہے۔''

''فیض کیا بندوں کے ہاتھ ہوتا ہے؟'' پربھات جھلائی۔
''نہیں لیکن یہ فطرت کا اصول ہے، امانت خون کو ہی جاتی ہے تقریباً۔''
پربھات کا ذہن کچھ گتھیاں سلجھانے کی خواہش کرنے لگا اور اس نے ذہن کا رسہ کھول دیا، کچھ سمجھنا باقی تھا۔

☆☆☆

''عشق بندے کا انتظار کرتا ہے اور پھر وقت پڑے تو اسے آواز دیتا ہے، صرف میں نے ہی نہیں عشق نے بھی میرا انتظار کیا ہے، عشق نے بھی مجھے ڈھونڈا ہے، پکارا ہے۔'' عفیفہ نے شکست زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔
''ایسا مت کرو زبیر عالم، مت جاؤ، تم ہر بار چلے جاتے ہو، تم تب بھی نہیں تھے جب احرار نے کالج میں فرسٹ پوزیشن لی تھی، تم کبھی بھی اس کے ساتھ نہیں رہے، اس وقت مت جاؤ، میں اس کی زندگی کے لئے بہت اہم فیصلہ لینے جا رہی ہوں، میرے ساتھ چلو۔''
''دیکھو میری بات سنو، تم خوش ہو، وہ خوش ہے یا کافی ہے۔''
''تم لوگ جاؤ، مجھے نکلنے دو، مجھے جانے دو، میں جا کر کیا کروں گا۔''
''لوگ اگر کہیں کہ احرار کا باپ کہاں ہے تو کیا کہوں کہ مر گیا؟'' وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔
''ہاں کہہ دینا کہ مر گیا۔'' وہ سامان پیک کر رہا تھا لاپرواہی سے بولا۔
''امی یہ سب کیا ہے؟'' احرار اسی وقت آیا تھا کمرے میں۔
''تمہارا باپ پھر کسی ویرانے کی خاک چھاننے جا رہا ہے۔''
''ویرانہ نہیں، عشق۔'' اس کی شاعری ایک آواز ہے۔
''میں اس کی تلاش میں نکل رہا ہوں، پتا نہیں کس کا بیڑا ڈبونے نکلا ہے۔''
''میں اس سے مل کر بات کرنا چاہتا ہوں، میں بتانا چاہتا ہوں کہ اس کے شعر کے ہر لفظ نے مجھے پیغام دیا ہے، وہ تنہائی کی شاعری ہر بات کرتی ہے، جیسے اس پر اذن اترتا ہو اور وہ خود ایسے لکھتی ہے جیسے اذن اتر رہی ہو۔''
''یہ پھر کسی معصوم لڑکی کو اجاڑ کر دم لے گا، کیوں لکھتی ہیں یہ پاگل لڑکیاں، کیوں کرتی ہیں شعر و شاعری۔''
''کرتی بھی ہیں تو نام نہ لکھا کریں اور لکھ بھی دیا تو پتا نہ دیا کریں۔''
''اف حد ہو گئی، آپ چلیں ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''
''نہیں اللہ سمجھ دے۔'' وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔
''اللہ اس لڑکی کی حفاظت کرے اور اسے تم سے بچائے۔'' وہ کہہ کر نکلیں۔
''پاگل عورت ہو تم بھلا دو فنکار وہ لکھاری بھی بچے سکتے ہیں کیا، وہ شاعرہ، میں مصور، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں ہر بندہ دنیا میں اپنے جیسے بندے کی تلاش میں رہتا ہے اس میں بھلا الگ کیا ہے۔'' وہ بیگ بند کر کے سگریٹ سلگانے لگا تھا۔
''چلو احرار۔'' وہ نیچے آ گئیں۔

''تم خوش تو ہو ناں؟''

''اب بس شادی ہی تو کرنی ہے، اچھا ہے آپ کی پسند سے کرلوں، لڑکی آپ کو اچھی لگتی ہے تو ٹھیک ہے۔''

''لیکن مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے، بلکہ ٹھہریں، میں پربھات کو فون کرتا ہوں، اسے بھی لئے چلتے ہیں، ذرا تشفی رہے گی۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے، اسے بلاؤ، یہ کہنا کہ گاؤں جانا ہے سارنگ کے چالیسویں پر نہیں جا سکتے تھے تو اب ہو کر آئیں، پھر راستے میں بتائیں گے۔''

''وہ بالکل چلے گی، اس نے خود مجھے کہا تھا کہ چلنا ہے، وہ بھی نہیں گئی تھی، کل اصل میں شفعیت آپا باہر کے لئے روانہ ہوئی ہیں تو کل کا سارا دن وہ مصروف تھی، رات کو ٹیکسٹ کر کے بتایا تھا۔''

''ہاں اچھا کیا، چلو وہ ساتھ ہو گئی تو اچھا رہے گا۔''

اس گھر والے پربھات پر بہت بھروسہ کرتے ہیں، وہ اسے فون کر کے گاڑی میں آ بیٹھا۔

''ہم بس اس کو گھر سے لے لیتے ہیں، جب تک وہ تیار ہو جائے گی، ویسے بھی رات گئے تک لوٹ آتا ہے۔''

''ویسے میں سوچ رہا ہوں پتا نہیں وہ لوگ کیا سوچیں گے۔''

''کچھ نہیں سوچتے وہ، خوش ہونگے۔''

''آپ کو کیسے پتا۔''

''بس ہے پتا، تم بے فکر رہو، مجھے سندھی جیسی پرہ اور انہیں تم جیسا داماد ملے تو اور بھلا کیا چاہیے۔'' وہ انہیں بہت عرصے بعد اتنا خوش دیکھ کر مطمئن تھا۔

''اب یہ تو تب ہوگا جب وہ لوگ بھی کچھ سوچیں، مثبت جواب دیں۔'' اس نے راستے کا موڑ کاٹا اور سوچا کہ پربھات ضرور اس فیصلے سے خوش ہوگی۔

☆☆☆

نصیب وہ ہوتا ہے جو اچانک کھلتا ہے۔

کوئی دروازے پر دستک دے تو کھولو، خیر خواہ ہو تو بٹھاؤ، بات کرو، نہ بھی ہو تو مہمان سمجھ کر کھانے پینے کا پوچھو، خیال رکھو، جب تک ٹکا رہے مقدر سمجھو، جب چلا جائے خوشی سے رخصت کرو، جیجی کہتی تھیں نصیب در پر آئے تو اسے ٹھوکر نہیں مارتے، سکھاں کی بات میں مہربانو نے اسے اضافہ کیا تھا۔

''سندس سے پوچھیں، مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ سارنگ کے چہرے پر خوشی بھی تھی اور شرمندگی بھی۔''

''کوئی کسی پر رحم کھاتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ نہیں کیا کرتا، سارنگ پلیز مثبت سوچو۔'' پربھات اسی وقت اندر آئی تھی۔

''میں معافی چاہتی ہوں یہ آپ سب کا پرسنل معاملہ ہے لیکن میرے خیال سے میں دوست

ہونے کے ناطے بول سکتی ہوں۔"

"تم اس گھر کا حصہ ہو پربھات، بہنوں کی طرح ہو میرے لئے۔" سارنگ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا، کہتے ہوئے۔

"احرار اچھا لڑکا ہے، میں اسے بہت وقت سے جانتی ہوں۔"

"مجھے پتا ہے، تم لوگ سندس سے معلوم کرلو۔"

"میں نے بات کی ہے سندس سے۔"

"پھر کیا کہا اس نے؟ مجھے تو کچھ نہیں کہہ رہی تھی چری۔" رو پڑی۔

"وہ حیران ہے بلکہ تھی اس وقت، لیکن اب خوش ہے کہے گی تو نہیں ناں، تھوڑا وقت تو لگتا ہے ناں۔"

"بس پھر ہاں کہہ دیتی ہوں بہن عفیفہ کو۔" وہ مٹھائی لائی ہیں تو خوشی پوری کریں۔

"شکر ہے اللہ پاک کا، میرا سفر آسان ہو رہا ہے۔" سکھاں نے بے ساختہ شکر ادا کیا تھا۔

مٹھائی کی رسم کر کے بات پکی کی گئی تھی۔

دو دن پہلے اس گھر سے چالیسویں کا سوگ اترا تھا، اور دو دن بعد انہیں اتنی اچانک یہ خوشی ملے گی کسی کو اندازہ نہ تھا، ایک سکھاں دو دن سے کہہ رہی تھی کہ رب سوہنڑاں دکھ کے بعد خوشی بھی چکھاتا ہے، کرب کے بعد اطمینان چکھاتا ہے، وہ چکھائے گی، اس گھر سے دھند بھی اترے گی۔

"یا رب میرے بچوں کے لئے اب خیر کی خبریں بھیج دے۔" سارنگ ان کی بات پر خاموش ہو جاتا تھا۔

سندس، مایوس اور مہراب خاتون نے وقت کی رسی کو بہت لمبا ہوتے محسوس کیا تھا، لیکن اس اچانک خبر نے ان کے کندھوں سے ایک بوجھ جیسے اتار پھینکا تھا۔

عفیفہ نے دو ماہ بعد کی شادی کی تاریخ بھی رکھ لی تھی، اور انہیں جہیز وغیرہ بنانے سے روکا تھا۔

مہراب خاتون نے اسے وہ پیٹی دکھائی جس میں جوڑ جوڑ کر اس نے سندس کے لئے جہیز کی چیزیں، جوڑے، رلیاں، چادریں، غلاف اور چھوٹی بڑی چند چیزیں جمع کی ہوئیں تھیں، انہیں لگتا تھا یہ چیزیں نہیں امیدیں ہیں جنہیں قطرہ قطرہ جمع جوڑ کر کے وہ سندس کا نصیب جوڑ رہی ہیں، کہتی تھیں کہ۔

"رب مٹھا میں چیزیں جوڑ رہی ہوں، میرا کام یہی ہے، تو نصیب جوڑنا، جو تیرا کام ہے، میں نے اپنا کام کرلیا ہے، اب تیرے حکم کی دیر ہے۔"

☆☆☆

رباعی کو ماں نے بلایا تھا، پریشان نظر آ رہیں تھیں، اس کے آتے ہی خطوط کا پلندہ اسے تھما دیا تھا، وہ حیران رہ گئی۔

"یہ کس نے بھیجے ہیں؟"

"مجھے کیا پتا، سوچا تھا تجھے بھیج دوں پھر سوچا بلا کر دے دوں، کسی نا محرم کے ہوئے کو فیروز

آگ لگا دے گا سب کو، پر نا محرم کے کیوں ہونگے، میری بیٹی ایسی تو نہیں ہے۔'' وہ خود ہی اپنی بات کا جواب نکالنے لگیں، رباعی نے حیران پریشان ہوتے ہوئے خطوط کھولے، تو ششدر رہ گئی، سراہنے کے لئے کیا لفظ چنے گئے تھے پر خط کے آخر میں لکھا تھا۔

''تمہارا نا محرم جو تم سے بہت جلد آ ملے گا۔'' اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''کس کے خط ہیں رباعی؟'' ماں اس کی آنکھوں کی پریشانی سے دہلتی جا رہی تھی۔

''کسی کے نہیں۔''

''کسی کے تو ہوں گے، کیا تو خود اپنے آپ کو اتنے خط لکھے گی۔'' ان کا لہجہ تیز ہوا۔

''پربھات کے ہیں اماں۔'' اسے فی الحال جھٹ سے یہی سوجھا تھا۔

''جھوٹ مت بول ماں سے چھوکری۔''

''اماں، مجھے اور بھلا کون خط لکھے گا، تو بھی چری ہے کیا، پربھات سے بات نہیں ہوئی تھی، تو پریشان ہوگئی ہے خط لکھ ڈالے ہیں اس نے۔''

''تو سچ کہہ رہی ہے ناں؟''

''جھوٹ بولوں گی؟'' اس نے پہلی بار صفائی سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تھی۔

''بول تو نہیں سکتی، عادت بھی نہیں تجھے پر بندے کا کیا بھروسہ بھلا۔'' وہ کہہ کر اس کے لئے چائے کا کہنے چلی گئیں، وہ چپ رہ گئی۔

''بندے کا کیا بھروسہ۔'' چائے لے کر آئیں تو رباعی سارے خط پڑھ کر رکھ چکی تھی۔

''تو پریشان کیوں ہے، فون کرناں پربھات کو۔''

''خفا ہے وہ مجھ سے۔''

''خفا کیوں ہے وہ تجھ سے؟ وہ تو تیری سہیلی ہے۔''

''سہیلی ہے بھی تو خفا ہے۔''

''میں نے بات جو نہیں کی، پھر اس روز فیروز نے بڑا شور کیا تھا۔''

''شور کرتا ہے وہ؟''

''بہت کیا اس روز تو۔''

''اچھا......'' ماں پریشان ہوگئی۔

''نشہ بھی کرتا ہے، شور بھی کرتا ہے، تجھے مارتا تو نہیں ناں۔''

''اگلا قدم یہی ہوگا اس کا بس یہی تو رہ گیا ہے۔''

''اللہ نہ کرے اچھی بات منہ سے نکال رباعی۔''

''قسمت ہی جب اچھی نہ ہو تو بات منہ سے کیسے اچھی نکلے گی۔''

''اچھی قسمت ہے تیری رباعی، بہت اچھی ہے، بہت زیادہ۔''

''وہ بھی اچھا ہے، تو بھی اچھی ہے۔'' وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو چھوتے ہوئے پیار سے کہنے لگیں۔

''کچھ بھی اچھا نہیں ہے اماں، سوائے تیرے، سوائے ابے کی خاموشی کے۔'' وہ ان کی گود

میں سر رکھ کر لیٹ گئی، ماں بال سہلانے لگیں۔

''سب اچھا ہو جائے گا رباعی، سب اچھا ہو جائے گا رباعی، تو انتظار کر، تجھے اچھا بننا پڑے گا، سب سے پہلے تجھے اچھا بننا پڑے گا، پھر سب اچھا ہو جائے گا، دیکھنا۔'' وہ اسے بہلانے لگیں، رباعی نے چمکتی ہوئی آنکھیں جھپکائیں تو آنسو بے اختیار ہو گئے۔

''سب کو دکھ دیکھنے پڑتے ہیں، جو بیاہتا ہے، دکھ دیکھتا ہے۔''

''یہ زندگی ہے رباعی، ایسا ہوتا ہے، پھر سکھ بھی آجاتے ہیں، ایک دن سکھوں کا ہوتا ہے۔''

''وہ بھی اچھا ہو جائے گا، تیرا خیال رکھے گا۔''

''ایسا سوچا نہیں ہے اس لئے بھلا مت ماں۔''

''ایسا سوچ چرسی، بیوی ہے تو اس کی، شوہر ہے وہ تیرا، بھلے شور کرتا ہو، بھلے چرسی ہو۔''

''ہاں وہ شور کرنے والا، چرسی موالی، شوہر ہے میرا، وہ نشہ کرنے والا شوہر ہے میرا۔''

''رباعی یہ ادھر کہہ رہی ہے ماں کے سامنے، وہاں مت کہنا دکھ نہ دینا، دکھ نہیں دیتے دھی، پہلے پہل ہی دکھ نہیں دیتے، وہ تو نے سنا نہیں تو تو سیانی ہے ناں، وہ جو کہتے ہیں کہ کانے کو منہ پر کانا نہیں کہتے، تو چرسی کو چرسی مت بول، موالی کو موالی مت بول۔''

''چرسی کو چرسی نہ بولوں، موالی کو موالی نہ بول، سب قانون تیری ریاست کے اندھے ہیں ماں جی، سارے قانون تیری ریاست کے کالے۔'' وہ دکھ سے ہنس پڑی، ماں نے ہاتھ کھینچ لیا۔

''میری ریاست نہیں ہے یہ رباعی۔''

''جانے دے اماں جس نے بھی یہ ریاست بنائی، تو نے بھی اسے پروان چڑھایا، پہلے بیٹی پیدا کی، پھر اسے سمجھوتوں کے گر سکھائے، پھر موالی سے خاندان میں بیاہا، وہی سب کیا، اندھی ریاست کی۔''

''حصہ دار ہے تو اور اب میں بھی، تیری بیٹی بھی اندھی ریاست کی بانی ہے، وہ بھی یہ سب کرے گی، اسے بھی یہی سب کرتا ہے۔'' اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''مت کہہ ایسے رباعی، مت کہہ، اچھا بول، اچھا سوچ، ایسا کرنے سے کیا سب اچھا ہو جائے گا اماں؟''

''ہاں ہو جائے گا، ہو بھی سکتا ہے، تو اچھی تو بن، تو اچھی بنی تھی، پھر کیا ہوا۔''

''پر تو بنے گی تو ہو گا، ماں کا یقین کر، میں یتیم تھی۔''

''میرے سر پر کسی کی دعا نہ تھی، پر تیرے سر پر ہے، ماں کی دعا ہے تیرے سر پر۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو آنسوؤں سے بھیگے چہرے میں انہیں دیکھتے، ہاتھ اٹھا کر چوم لیا اور دوبارہ لیٹ گئی ان کی گود میں۔

''کچھ نہیں ہو گا تجھے رباعی، یہ خط جلا دیں، نہ لے کر جائیں، جلا دینا، کسی کو پتا نہیں چلے گا، کوئی نہیں پہچان پائے گا، رب تیری لاج رکھے، بس تو خطوں کے جواب نہ دینا، خطوط کے جواب نہیں دیتے دھی۔''

''تو ماں کو یہ یقین ہے کہ یہ خط پربھات نے نہیں بھیجے ہوں گے۔''

''اماں دعا کر دعا کر اماں، خطوط والا ادھر آنہ پہنچے۔'' وہ پھر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
''تیری بیٹی نے کچھ نہیں کیا اماں، کوئی گناہ نہیں کیا، کچھ نہیں کیا، کچھ بھی تو نہیں، کبھی کسی کو خط نہیں لکھا۔''
''مجھے پتا ہے چری، پتا ہے، تو نے کبھی کسی کو خط نہیں لکھا، مجھے پتا ہے رباعی، اور تجھے کچھ نہیں ہوگا کہ تو نے کچھ نہیں کیا۔''

☆☆☆

''تم خوش ہوناں سارنگ۔''
''بہت خوش ہوں، ابا کی ایک ذمہ داری ادا ہونے والی ہے، ہم خوش ہیں، پر بھات سمجھ نہیں آتا کہ ایسے بھی آسانیاں ہوتی ہیں زندگی میں، جب بیمار تھا تب چیزل، احرار اور تم نے اتنا ساتھ دیا۔''
''چوٹ لگی تو سنبھالنے والے آ گئے، ڈاکٹر نعمان پلٹ پلٹ کر حال پوچھتا تھا، جس سے کوئی رشتہ نہ تھا، اس کے لئے دعا کرنا۔''
''اسے کیا ہوا؟''
''کچھ ہوا تو نہیں ہے، لیکن یہ ہے کہ آپا کچھ ماہ کے لئے باہر چلی گئیں، وہ بہت اپ سیٹ ہیں، دونوں کے درمیان اچھے حالات نہیں ہیں، دعا کرو ان کا گھر نہ ٹوٹے۔'' وہ افسردگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
''مجھے پتا ہے، تم مجھ سے پوچھنا چاہتی ہو۔''
''لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں ایسا نہیں چاہتا۔''
''میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کا گھر ٹوٹے۔''
''اتنا فرشتہ صفت انسان ہے، پھر تمہاری بہن سے کتنی محبت کرتا ہے ناں، اتنی محبت کہ کوئی کر ہی نہ سکے، اتنا انتظار کر کسی سے کیا ہی نہ جائے، اتنا تحمل کہ کوئی سہار نہ سکے، اتنی برداشت کہ کوئی سنبھل نہ سکے۔''
''اتنی امید کہ بندہ ٹوٹتے ٹوٹتے بکھرتے بکھرتے، پھر سے جڑنے اور بچنے لگے۔''
''سارنگ بس یہ سب آپا کو سنا دو، انہیں بتاؤ کہ نعمان ایسا ہے، انہیں تو کوئی ہوش ہی نہیں ہے، انہیں ایک میل کرو، ہوسکتا ہے تمہارے کہنے پر انہیں بھروسہ ہو۔''
''بس اتنا ہے کہ ڈاکٹر نعمان کو محبت کا سلیقہ نہیں آتا۔''
''یہ مت کہنا ان سے کیوں کہ اس کا انہیں پتا ہے۔''
''لگتا ہے پر بھات کہ وہ خوش نہیں کر سکا انہیں۔''
''مجھے معلوم ہے سارنگ، لیکن وہ حقدار تو ہے ناں۔''
''ہاں ہے، حق دار تو ہے۔''
''لیکن محبت اختیار کا نام ہے جو خود ہی دے دیا جائے، جو سونپا جائے۔''
''بس تو پھر انتظار کرنا ہوگا مزید، لیکن تم انہیں کہو گے، اگر آسانی ہو۔'' وہ سر ہلانے لگا۔

''میں تمہیں مجبور کر رہی ہوں ناں سارنگ؟'' اسے فوراً احساس سا ہوا تھا۔

''پربھات، وہ کمزور تھا حد درجہ۔''

''سارنگ ایک بات بتاؤ۔''

''یہ مت کہنا کہ اس سے محبت کرتا ہوں؟''

''یہ پوچھو گی تو جواب وہی ہوگا جس کی تمہیں امید ہے۔''

''یہ پوچھتی ہوں کہ کیا اسے حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''اسے کبھی اپنا آپ دینا چاہتا تھا، حاصل کرنے کا تو کبھی سوچا ہی نہیں ہے۔''

''ہارنے کا سوچا تھا، سو ہار گیا، چاہا تھا اس کے آگے ہاروں لیکن ہوا یہ کہ اس کو ہار گیا، اس کے سامنے ہار گیا، بہرحال ہار گیا۔''

''اور اب جیتنا چاہتے ہو؟''

''نہیں کچھ نہیں، بس اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا چاہتا ہوں۔''

''تم ضرور ہو گے، اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہو؟''

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''ایسا ہو سکتا ہے، شاید کیوں کہ ڈاکٹر نعمان اور آپا کی کھل کر بات ہو گئی ہے، نعمان نے انہیں بتایا ہے کہ تمہاری ان سے بات ہوئی ہے۔''

''اس نے تو فقط اتنا پوچھا کہ محبت کرتے تھے؟''

''میں نے کہا اب تک کرتا ہوں۔''
''جب نعمان نے اسے بتایا تو اس کا کیا ری ایکشن تھا پربھات۔''
''تمہارا کیا تھا؟''
''میں رو پڑا تھا پربھات۔''
''بس پھر یقین ہے کہ وہ بھی رو پڑی ہوگی، آنکھیں تو بھر اگئیں ہونگی ان کی بھی۔''
''تمہیں یقین ہے؟''
''ہاں ہے۔''
''وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہیں؟'' وہ بڑبڑایا۔
''کتنا بھرپور خوشی سے ہمکنار کردینے والا احساس ہے ناں۔''
''سارنگ میں چاہتی ہوں تم ایک بار بات کرو، ان سے میں نہیں کہہ پاؤں گا۔''
''ایسا کرنا پہلے سلام کرنا، پھر حال احوال، چھوٹی موٹی بات چیت کے بعد ہمت آ جائے گی۔''
''تمہیں پتا ہے؟''
''ہاں ہے۔''
''وہ بات کا جواب دے گی؟''
''ہاں دے گی۔''
''اچھا، میسج کروں گا۔''
''کرنا۔''
''نمبر دینا۔'' مدھم مسکراہٹ میں دیا جلنے لگا تھا آس کا۔
''کروں گی، نمبر دیتی ہوں۔''
''تم علاج کرواؤ گے ناں؟''
''ہاں کرواؤں گا، کیا ٹھیک ہو جاؤں گا؟''
''ہاں، اگر علاج کرواؤ گے تو ہو سکتے ہو۔''
''تمہیں یقین ہے؟''
''ہاں مجھے یقین ہے۔''
''شدید خواہش پوری ہوتی ہے ایک دن؟''
''ہاں ہوتی ہے۔''
''محبت رائیگاں نہیں جاتی کیا؟''
''نہیں کبھی نہیں، اس دنیا میں صرف محبت ہی ہے جو رائیگاں نہیں جاتی، جس کا وقت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، بس ایک محبت ہی تو ہے جو کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتی۔'' پربھات دل میں سوچ کر رہ گئی۔

(جاری ہے)

من موجی
حنا بشریٰ

''یہ سب کیا ہے ثوبیہ؟'' ایک غصیلی اور ناقدانہ نگاہ کمرے کے حال حلیے پہ ڈالتے ہوئے روبینہ نے لاپروائی سے لیٹی ہوئی بیٹی سے پوچھا، جو لاپروائی، بے پروائی اور من مرضیوں کی آخری حدوں کو چھوتی صوفے میں دھنسی گرد و پیش سے لاپرواہ اپنی ذات میں مست کانوں میں ہینڈ فری لگائے یقیناً فیورٹ سانگ سن رہی تھی، لیٹے لیٹے پیٹ پہ رکھا فل سائز کا چپس کا پیکٹ کھاتے ہوئے ایک تیز میں دوشکار کر رہی تھی۔

مطلب موسیقی کی دھنیں کانوں کو مزہ دے رہی تھیں اور چپس زبان کو مزہ، چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اس وقت ''فل انجوائے'' کے موڈ میں تھی۔

''ثوبیہ!'' اب روبینہ قدرے بلند آواز میں مخاطب ہوئیں مگر جن سماعتوں میں موسیقی سیسہ بن کر اتر رہی ہو، وہاں دوسری کوئی آواز کہاں اترتی۔

''ثوبیہ، بہری ہو گئی ہو؟'' اب کی بار روبینہ مکمل جلال میں آ گئی تھیں سو نہ صرف بلند آواز میں چلائیں بلکہ صوفے پہ لیٹے اس بدمست ہاتھی کے کانوں سے ہینڈ فری غصے سے کھینچ ڈالا۔

''کیا ہے امی؟'' ہاتھی کا مزہ سخت کرکرا ہو گیا تھا، ہاتھ چپس کے پیکٹ میں رہ گیا اور چہرے پر ناگواری کے سخت تاثرات چھا گئے، شاید وہ اس اچانک افتاد کے لئے ذہنی طور پر بالکل تیار نہ تھی تبھی چڑچڑاہٹ سوا نیزے پر نظر آئی۔

''سارا موڈ خراب کر دیا امی۔'' چپس منہ میں ڈالنے کے لئے ثوبیہ نے جو پیکٹ کھنگالا تو احساس ہوا کہ وہ بھی خالی ہو چکا ہے، غصے سے اسے توڑ موڑ کر وہیں قالین پہ پھینکتے ہوئے ثوبیہ نے سر جھٹکا تو روبینہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیٹی کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران پریشان رہ گئیں، چند لمحوں کے لئے انہیں یقین ہی نہ آیا کہ یہ ان کی وہی سگھڑ و سلیقہ مند بیٹی ہے جو صفائی ستھرائی کی دلدادہ تھی، پھیلاوا تو اس کی فطرت کے خلاف تھا، ذرا سی بے ترتیبی دیکھ کر وہ کمر پہ دوپٹہ باندھ کر جھاڑو پونچھا ہاتھ میں پکڑ کر پورے گھر کو چمکا کر رکھ دیتی تھی کہ روبینہ کے دل سے اس کے لئے ڈھیروں دعائیں نکلا کرتی تھیں، اور اب اپنی سگھڑ بیٹی کو ''پیکر پھوہڑ پن'' دیکھ بنی دیکھ کر آنکھیں حیرت سے پھٹنا لازمی امر تھا۔

''جلال کی کال ریسیو کیوں نہیں کر رہی۔'' کمرے کی بے ترتیبی سے کوفت کھاتی روبینہ ہر عورت کی طرح مجبور خود ہی ترتیب دینے میں لگ گئیں، مگر ساتھ ہی ساتھ کڑے تیوروں سے سوال پوچھنا نہ بھولیں۔

''جلال کی کال آئی تھی؟'' بھول پن کی اداکاری عروج پہ تھی، ایک شخص جو کانوں میں ہینڈ فری ٹھونسے نا جانے کتنے گھنٹوں سے میوزک سن رہا ہو وہ کسی کال کے آنے سے بے خبر رہا ہو، جلال ثوبیہ کا شوہر تھا، وہ نا جانے کتنی کالز اس کے اسمارٹ فون پہ کر چکا تھا مگر ہر بار ناکامی کا سامنا ہوا تو تنگ آ کر ساس کے نمبر پر کال کر دی، نہ صرف کھری کھری سنائیں بلکہ لگے ہاتھوں دو چار دھمکیاں بھی دے ڈالیں، وہ سخت تپا ہوا تھا۔

''زیادہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں، تمہیں پتہ ہے کالز آئی ہیں۔'' روبینہ کے لئے یہ ایک نیا انکشاف تھا کہ بیٹی نے شادی کے بعد ڈرامے کرنا بھی سیکھ لئے ہیں۔

''آں......اچھا۔'' ابھی بھی ثوبیہ کی اداکاری اسٹاپ نہیں ہو رہی تھی، چہرے پر حیرت سجائے وہ یوں فون چیک کرنے لگی جیسے پرانے وقتوں کا پرانا سا ماڈل ہو جس میں کال ریکارڈ رکھنے کی صلاحیت ہی نہ ہو، لمحہ بھر کے لئے روبینہ نے مکمل

خاموشی سے بیٹی کی اداکاری ملاحظہ کی اور سخت ناگواری سے اس کے ہاتھ سے فون کھینچا اور فوراً ہی بیس پچیس کالوں کا ریکارڈ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

''حد ہوتی ہے لاپروائی اور ڈھٹائی کی۔'' نہایت غصے سے وہ کال ریکارڈ اس کی نظروں کے سامنے کرتے ہوئے طنزیہ بولیں۔

انہیں بیٹی کے رویے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی، کہ وہ سب ڈرامے اور تماشے کیوں کر رہی ہے، شادی کے بعد تو وہ بالکل بدل گئی تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ پہلے والی ثوبیہ ہے وہ تو نہایت ذمے دار اور سلیقہ مند لڑکی تھی کہ چند روز کے لئے میکے آتی تو ماں کے گھر کو چمکا کر رکھ دیتی بلکہ چھوٹی بہنوں کی اچھی خاصی کلاس بھی لیتی۔

''یہ تم لوگوں نے میرے بعد گھر کا کیا حشر کر ڈالا ہے۔''

اور اب وہی ثوبیہ تھی کہ اسے میکے آئے ڈیڑھ ہفتہ ہو گیا تھا اس کی بے ترتیبیاں دیکھ جہاں چھوٹے بہن بھائی حیران تھے، تو روبینہ پریشان تھی، حیرت و پریشانی اپنی جگہ مگر ایک بات جو معمہ بنی ہوئی تھی کہ ثوبیہ کو آئے کئی روز گزر گئے تھے مگر وہ دوبارہ سسرال جانے کا نام نہیں لے رہی تھی، کپڑوں کا بیگ یوں بھر کر لائی تھی جسے سال بھر کے لئے قیام کا ارادہ ہو۔

تیسری حیرت انگیز بلکہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ اس کا شوہر جلال اسے کتنے فون کر چکا تھا، وہ نہ تو کال رسیو کرتی اور نہ ہی خود کال کرتی۔

''شاید دونوں کے درمیان کوئی ان بن ہو گئی ہے؟'' ماں کے دل کو کھٹکا ہوا تو بیٹی سے پوچھا مگر بارہا پوچھنے کے باوجود وہ گول مول کر جاتی۔

یہ گول مول کرنے کی عادت بھی نئی تھی، ورنہ وہ جس بات پہ پریشان ہوتی ماں سے ضرور مشورہ لے کر اپنی مشکل کا حل نکالا کرتی، مگر پہلی بار ثوبیہ نے زندگی میں ماں کی مدد کے بغیر اپنی عقل سمجھ سے کام نکال لیا ہے اور اس پر عمل کرتی پرفارم کر رہی ہے، مگر مشکل کیا تھی یہ روبینہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی، ہاں البتہ جلال کے فون سے یہ حقیقت تو سامنے آ گئی تھی کہ ان دونوں کا ضرور کوئی جھگڑا ہوا ہے جو ثوبیہ میکے آئی ہے مگر اصل بات کیا تھی، یہ بتانے کی زحمت داماد جی نے بھی نہ کی تھی۔

''اپنی لاڈلی کو کہیں اپنے طور طریقے درست کر لے ورنہ میرے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔'' دھمکی بتا رہی تھی کہ جھگڑا چھوٹا موٹا نہیں ہے کسی بڑی بات پہ ہوا ہے اور دونوں ہی اپنی جگہ ڈٹ گئے ہیں۔

''ثوبیہ یہ کمرے کا کیا حال بنا رکھا ہے، چڑیا گھر بھی اس سے صاف ستھرا ہوتا ہے۔'' ڈریسنگ ٹیبل پہ اوندھے پڑے گرد میں اٹے پرفیومز، لوشن اور کریمز، صوفے پہ پڑے کپڑے جو نہ پتہ چل رہا تھا کہ دھونے والے ہیں یا دھل کے آئے ہیں، صوفے کے نیچے سینڈلز کے جوڑے آپس میں دھینگا مشتی کر رہے تھے، بیڈ کی چادر میلی اور ایک تکیے کا غلاف اترا ہوا بیڈ کے کونے پر پڑا تھا، صفائی ستھرائی کی بھی ایک الگ کہانی تھی، ہر چیز گرد میں منہ چھپائے ہوئے تھی، پچھلی رات زور کی آندھی چلی تھی ہر چیز پر گرد ڈال گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے ٹھیک تو ہے سب۔'' چہرے پر لاپروائی سجائے اس نے ماں کے توجہ دلانے پر بھی کمرے کی بے ترتیبی پہ نظر نہ ڈالی بلکہ کشن کے نیچے دبا اپنا کیچر تلاش کرنے لگی تھی، ایک ہاتھ میں گھنے بالوں کا جوڑا پکڑ رکھا تھا اور دوسرے

ہاتھ سے کچر کی تلاش، چند لمحوں تک ناکامی ہوئی تو سارا غصہ کشن پہ ڈھاتے ہوئے اسے فرش پہ پٹخا تو ماں بیٹی کی حرکت پہ ہکا بکا رہ گئی، انہیں تو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ ان کی بیٹی ثوبیہ ہی ہے۔

''ثوبیہ یہ کیا طور طریقے اپنا لئے ہیں؟''

''اتنی لاپروائی، او میرے خدا۔'' روبینہ کی آواز میں تاسف تھا اور چہرے پر بھی، بس یہ بات ماں کے منہ سے نکلنے کی دیر تھی کہ ثوبیہ جو جیسے پھٹ پڑی اور پھر ساری رام کتھا جو اب تک ماں سے چھپائے ہوئے تھی، بتادی۔

☆☆☆

ثوبیہ بہت سلیقہ مند تھی، اور ہر معاملے میں صفائی ستھرائی اور ترتیب کا خیال رکھنے والی، جبکہ جلال کا مزاج اس کے برعکس تھا۔

نہانے کے لئے واش روم استعمال کیا تو تولیہ کبھی نہ لے کر جانا، بیسن کا نل کھلا چھوڑ جانا فرش پہ وائپر لگانے کی زحمت نہ کرنا، ایک دو بار تو فرش کی پھسلن سے ثوبیہ گری تھی اور چھوٹ بھی لگی، گیلا تولیہ اکثر ہی بیڈ پر پھینک دینا، جب ثوبیہ کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آتی تو بیڈ پر گیلے پن کا نشان منہ چڑا رہا ہوتا، دانت صاف کیے تو کبھی پیسٹ کا ڈھکن اِدھر اُدھر پھینک دینا تو کبھی برش کا کیپ نہ چڑھانا، موبائل چارج کیا تو چارجر بغیر سوچ آف کیے کھلا رکھ چھوڑا، ایک دو بار ثوبیہ کو معمولی نوعیت کے جھٹکے لگے، کیچڑ میں لت پت جوتے لے کر سیدھا قالین پہ آجانا۔

''جلال ابھی دو دن پہلے میں نے کارپٹ دھویا تھا آپ نے پھر سے۔'' وہ سٹپٹائی، اس کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے جلال انداز اور جواب لاپروائی کا حامل ہوتا۔

''او خیر خیر ہے، پھر دھل جائے گا۔''

فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لینا مگر دروازہ کھلا چھوڑ دینا، ٹھنڈک بھی ضائع اور گیس کا بھی الگ نقصان، جلال کی لاپروائی کی وجہ سے فریج دو چار بار خراب بھی ہو چکا تھا مگر جلال نے تو جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ یہ حرکت لازمی کرنی ہے چاہے دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے۔

''جلال آپ کی مہربانی ہوگی آپ پانی مجھ سے مانگ لیا کریں۔'' ثوبیہ ضبط کر کے کہتی۔

''کچھ نہیں ہوتا، سب ٹھیک ہے۔'' جلال کی بے نیازی کا یہ عالم تھا۔

''جلال اے سی چل رہا ہے، آپ دروازہ کھلا چھوڑ جاتے ہیں۔'' ثوبیہ کے مطابق ساری کولنگ کمرے کے باہر نکل جاتی تھی مگر یہاں بھی جلال کی اپنی ہی منطق تھی۔

''تو تم میرے نکلتے ہی کمرے کا دروازہ بند کر لیا کرو، یوں بیڈ پہ بیٹھ کر آڈر دینے کا مقصد۔'' جلال اب ثوبیہ کے ٹوکنے پر چڑھنے لگا تھا۔

اسے لگتا کہ جیسے وہ کوئی ناسمجھ سا بچہ ہے اور ثوبیہ اسے استانی بنی ہر وقت سمجھاتی سکھاتی رہتی ہے۔

''میں کئی دفعہ سو رہی ہوتی ہوں، مجھے کیا پتہ آپ کب دروازہ کھلا چھوڑ گئے ہیں۔'' ثوبیہ جل بھن کے رہ جاتی۔

کھانا کھا کر کبھی ہاتھ دھونے کی زحمت نہیں کرتا تھا، ہمیشہ ہاتھ پینٹ سے رگڑے جاتے، ثوبیہ کے بار بار کہنے کے باوجود اسے اپنی یہ عادت بہت پیاری تھی ثوبیہ کھانے کے بعد ٹشو پیپر پکڑاتی مگر وہ ضد بنا لیتا کہ ہاتھ پینٹ سے ہی رگڑوں گا چاہے کوئی میری گردن اتار دے۔

چھوٹے موٹے معاملات میں ہی نہیں من موجی معاملات میں بھی دھن کا پکا تھا۔

''آؤ نا یار، دوپہر کا کھانا ساتھ کھاتے ہیں،

بالکل ریڈی ہے۔'' ثوبیہ سے ایک بار بھی پوچھنے کی زحمت نہ کی جاتی خود ہی پروگرام بنا لیا جاتا، چھ سات دوستوں کا ٹولہ لے کر گھر پہنچ جاتا اور خاتون خانہ حیران پریشان رہ جاتی۔

''بس جلدی سے کھانا نکال دو۔'' جلال یوں نارمل انداز میں کہتا جیسے پروگرام پہلے سے سیٹ تھا۔

اور خاتون خانہ جو گھر بھر کی تفصیلی صفائی ستھرائی کر کے ہلکان ہوئی ہوتی اور دوپہر کا کھانا بھی عموماً دال چاول پکائے ہوتے، تھکی ماندی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی۔

''کم از کم آفس سے فون کر کے بتا دیتے کہ ساتھ میں دوست بھی آ رہے ہیں۔''

''ایک بار میرے کان میں ڈال دیتے تو میں ڈھنگ سے کھانا پکا لیتی۔'' ثوبیہ کے کہنے پر جلال کا تو میٹر ہی گھوم جاتا۔

''اب کیا کروں، گولی مار دوں سارے مہمانوں کو۔'' ثوبیہ کے جلنے کڑھنے پر جلال اس سے بھی دس گناہ چراغ پا ہوتا۔

''گھر چلانے کا ایمان سے کوئی طریقہ سلیقہ نہیں ہے ثوبیہ تمہیں۔'' اور پھر جلال اماں مرحومہ کے طریقے سلیقے پہ وہ دھواں دار لیکچر دیتا کہ ثوبیہ کے دماغ کی رگیں دکھنے لگتیں۔

''ہر وقت اماں کے فریزر میں شامی کباب، ابلا ہوا چکن اور کوفتے موجود تھے یہاں مہمان آئے اور وہاں سب جھٹ سے تیار۔''

دوستوں کو کھانا دیر سے ملنے کی وجہ سے جو سبکی ہوتی ہوتی اس کی وجہ سے جلال سو سچ مچ جلال میں ہی آ جاتا تھا۔

''اتنی سلیقہ مند تھیں آپ کی اماں تو کچھ بیٹے کو بھی سکھا دیتیں۔'' کاموں کی تھکاوٹ اور کم وقت میں جلدی جلدی کھانا تیار کرنا ثوبیہ بھی ضبط نہ کر سکی تو تلخ ہو کر بول پڑی، جلال صاحب نے جلال میں آ کر پہلی بار ہاتھ بھی اٹھا لیا، جھگڑا زیادہ بڑھا تو ثوبیہ روٹھ کر میکے آ گئی۔

''اچھا تو یہ وجہ تھی جس کی وجہ یہ تم دونوں کا جھگڑا ہوا۔'' ماں کمرے کو سمیٹ کر اب بیٹی کے سامنے آ بیٹھی تھی۔

''امی اتنا من موجی مرد، میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔'' ثوبیہ کا غصہ پھر سے جاگ اٹھا تھا۔

''سردیاں ہیں تو گاجر کے حلوے اور گجریلے پہ شامت، ساگ، پالک اور میتھی کا تو ایک دن بھی ناغہ نہیں ہونا چاہیے، گاجر کا مربہ بھی ہر وقت موجود ہو۔'' ثوبیہ جلال کی بگڑی ہوئی عادتوں کا ذکر کرتے ہوئے خود بھی حالت جلال میں آ گئی تھی۔

''کیلا کھایا وہیں ٹیبل پہ چھلکا رکھ دیا، کینو کھا کر چھلکے جگہ جگہ پھینک دیئے۔''

یہ سب لاپروائیاں، اپنی جگہ عین عید کے موقعے پہ بالکل آخری دنوں میں جب مصروفیات دوگنا ہو جاتی ہیں، جلال گھر میں رنگ و روغن کا کام شروع کروا لیتا، خود سارا دن دوستوں کی سنگت میں گزار دیتا اور ثوبیہ سارا دن اکیلی کام کر کے ہلکان ہو جاتی۔

''جلال، گھر کا رنگ و روغن کروانا بھی ضروری ہے مگر یہ کام اگر سہولت سے ہو جائے تو خاتون خانہ کو بھی مشکل نہ ہو، دس پندرہ دن پہلے یہ کام ہو جاتا تو بہتر تھا۔'' ثوبیہ دبے لفظوں میں شکوہ کرتی تو جلال حسب توقع بھڑک اٹھتا۔

''ایک تو تم عورتیں کسی حال میں خوش نہیں ہوتیں۔'' جلال کے طور طریقے دیکھ کر صنف نازک بھی ضد میں آ گئی۔

ایسے تو پھر ایسے ہی سہی، ایک مرد کی من

مانیاں برداشت سے باہر ہوئیں تو ثوبیہ نے بھی اپنے طور طریقے بدل لئے، جو جہاں پڑا ہے پڑا ہے جو بکھرا ہے بکھرا ہے کوئی پرواہ نہیں، چند دنوں میں گھر کی حالت ایسی ہوگئی کہ جلال کا تو میٹر ہی گھوم گیا۔

دونوں کے درمیان اختلافات بڑھنے لگے اور آئے روز جھگڑا ہونے لگا تو شکایت ثوبیہ کی ماں تک آن پہنچی۔

''امی اب میں واپس گھر نہیں جاؤں گی، سنبھالیں خود اپنا چڑیا گھر۔'' ثوبیہ نے فیصلہ سنایا۔

☆☆☆

وہاں جلال کی وہ حالت ہوئی کہ سارا جاہ و جلال بھول گیا، ثوبیہ کے جانے کے بعد گھر چڑیا گھر اور اپنا آپ درخت پر جھولتے بندر جیسا، گھر کی بے ترتیبیاں جو ثوبیہ کے غور دلانے پر نظر نہیں آتی تھیں اب تنہا ہوا تو سب نظر آنے لگا، مجبوراً ملازمہ رکھنا پڑی، ملازمہ کا انتخاب بھی کسی مصیبت سے کم نہ تھا اگر چھوٹی بچی رکھتا تو وہ سارا گھر کیسے سنبھالتی، جوان ملازمہ پر تو دنیا نے وہ باتیں بنانی تھیں کہ کوئی حد نہیں، کہ بیوی کی غیر موجودگی میں دل بہلانے کے لئے ملازمہ ہی رکھ لی، سو جلال نے ادھیڑ عمر ملازمہ کا انتخاب کیا، وہ بھی کہاں تک سارا گھر سنبھالتی، ہفتے کے بعد اس نے تو کانوں کو پکڑ لیا۔

اب جلال کو احساس ہو رہا تھا کہ واقعی وہ بھی ان مردوں جیسی سوچ کا مالک تھا جو عورت کو انسان نہیں، بجلی سے چلنے والی مشین سمجھتے ہیں اور وہ بھی ایسی مشین جو ہمیشہ چلتی رہے کبھی خراب نہ ہو، اس کا ہر پرزہ ان کی مرضی کے مطابق کام کرتا رہے، ایک عورت کو افراد خانہ سے احساس توجہ اور خیال کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ لاپروائی اور من موجی پن کی، اس سوچ نے جلال کے قدموں کا رخ ثوبیہ کی جانب کر دیا۔

☆☆☆

جلال اپنی غلطیوں کو سدھارنے کا خواہش مند تھا تو اب ثوبیہ اکھڑ پن کا مظاہرہ کرنے پہ تل آئی تھی، وہ بضد تھی کہ وہ اس چڑیا گھر میں دوبارہ نہیں جائے گی، جب روبینہ نے ساری صورتحال دیکھی تو صلح صفائی کروانے میدان میں آگئی۔

''ثوبیہ یہ کیا بیوقوفی ہے تم آگے ہی کافی حماقتیں کر چکی ہو اب مزید گنجائش نہیں ہے، ویسے بھی اگر مرد جھک جائے تو پھر عورت کے لئے مناسب نہیں ہوتا کہ وہ یوں اکڑ دکھائے۔'' جہاں دیدہ ماں بیٹی کے تیور دیکھ کر سمجھانے لگی۔

''جلال کو اپنی غلطیوں کا احساس ہے تو اب تم سختی دکھاؤ گی تو گھر خراب ہوگا، جلال نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر ثوبیہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔'' روبینہ کی زبانی یہ سن کر ثوبیہ کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی، ضد ضد میں وہ یہ بھول گئی تھی کہ عورت کا گھر ہی اس کا سب کچھ ہوتا ہے اگر وہی نہ رہے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی، مرد کا کیا ہے وہ دوسری عورت لے آئے گا مگر عورت ساری زندگی اپنی ضد اور انا کو لے کر پچھتاتی ہے۔

''بہت مقابلہ کر لیا ایک عورت ہوتے ہوئے مرد کا، بس اب لوٹ آؤ اپنی فطرت پہ اور قدرت نے عورت کو اس فطرت پر بنایا ہے نرمی، سمجھوتہ اور درگزر کرنا۔'' ماں کی باتیں دل میں اتر کر اسے نئی منزل کا پتہ دے رہی تھیں۔

☆☆☆

Junaid Ansar

کاش کہ انسان اپنے اندر شعور اور آگہی کو بھی اجاگر کرے کیونکہ بہت سی لاعلاج بیماریاں اور مسائل تو ایسے ہیں جو لاعلمی کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور انسان برائی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے اور جب احساس ہوتا ہے تو وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے اور وقت کبھی کسی کے لئے نہیں رکتا، نفسا نفسی کے اس دور میں اپنے ضمیر کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے احساس کو اپنے اندر سمو کر کیونکہ اگر آپ کے اندر احساس نہیں ہے تو اپنوں کو بھی غیر بنتے دیر نہیں لگے گی اور اگر احساس ہے تو غیروں کو بھی آپ سے محبت ہو جائے گی انسان جب اپنی نظر سے گر جائے تو اچھے برے کی تمیز کھو دیتا ہے اور جانوروں کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

''کون ہے؟'' پل بھر میں روشنی کی سرگرداں لہر اس پر مرکوز ہوئی، وہ رک گیا، کچھ توقف کے بعد وہ بوجھل دل اور تھکے قدموں سے اس راستے پر چلتا گیا جس پر وہ پچھلے ایک سال سے گامزن تھا۔

گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی اس کا دل نامانوس سی لے پہ دھڑکا، گیٹ کے سامنے بنی لمبی سی کالے اور سفید ماربل کے پتھروں کی روش میں چلتا دھیرے دھیرے آگے بڑھتا یونہی وہ اندرونی دروازے کی جانب بڑھا تو اسے سامنے دیکھ کر چونکا۔

وہ لمحہ بھر کو اس کو دیکھتی رہی تاریکی میں ہونے کے باوجود اس کے لبوں پر رینگتی مسکراہٹ دیکھی جا سکتی تھی، اس کے وجود سے پھوٹتی پرفیوم کی خوشبو کو محسوس کیا جا سکتا تھا۔

وہ پچاس کے لگ بھگ ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی جس کا وجود قدرے بھاری پن کی جانب مائل تھا، لیکن اس کے نرمی والے تمام اشتہا انگیز نشیب و فراز ہنوز ہوش و خرد سے بیگانہ کر دینے والے تھے، جس کی لپیٹ میں ساحل قریشی بھی تھا، عالیہ بیگم اسے ایک دوست کے توسط سے ملی تھی، تین عدد بچوں کی ماں، نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے چنگل میں پھنس گیا، وہ بھی اپنی خوشی سے اسے پیسوں بلکہ بے شمار دولت کی ضرورت تھی اور عالیہ بیگم کو ساحل جیسے نوجوان کی۔

''میڈم کسی دن آپ کے شوہر نے دیکھ لیا تو؟'' وہ اس کو دیکھ کر مسکرائی۔

''جب وہ دن آئے گا دیکھا جائے گا۔'' وہ قدرے قریب ہو کر بولی۔

پھر صبح صادق کے وقت وہ شکستہ قدموں سے اسے رستے پر چلا جو اس کے لئے قطعی انجان نہ تھا۔

☆☆☆

''بہت کم دن رہ گئے ہیں ساحل کی ماں۔'' اس کے باپ نے گھٹنوں سے سر اٹھایا۔

''میں سوچ رہا ہوں۔''

''صرف سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا، لے کھانا کھا۔'' ساحل کی ماں نے ٹرے رکھ کر میز آگے کو کھسا دی۔

''تم نے کھایا؟'' وہ روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے بولا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس کی ماں نے کہا۔

''تو پھر یہ بھی یہاں سے لے جاؤ مجھے بھی بھوک نہیں ہے۔'' وہ روٹی کا نوالہ واپس رکھتے ہوئے، کھانے کی ٹرے دور کھسکا دی۔

''اے ہے، تم تو کھانا کھا لو سارا دن دھوپ میں محنت کر کے آتے ہو، پھر سارا دن خوار ہوتے پھرتے ہو۔'' بیوی کے کہتے ہی اس نے ٹرے

اپنے قریب کرلی، اس نے ایک نوالہ کھا کر دوسرا بیوی کی طرف بڑھا دیا، اس کی ماں نے بے اختیار منہ کھولا اور گھبرا کر ساحل کی جانب دیکھا جو ساتھ پڑی چارپائی پر لیٹا تھا، ساحل کو پتا تھا یہی ہوگا چنانچہ اس کے صرف کان کھلے تھے اور آنکھیں بند تھیں، کچھ توقف کے بعد اس کی ماں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''تانیہ پڑھنا چاہتی ہے کب سے گھر بیٹھی ہے۔'' اس کی بات سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہوگیا۔

''تم عورتوں کے بھیجے میں آنے والی بات ہوتی تو رونا کس بات کا تھا، اری او ساحل کی ما، مرد اگر ایم اے پاس ہو تو ضروری نہیں لڑکی اس کی پیروی کرے پڑھ لکھ کر بھی تو اس نے ہانڈی روٹی ہی کرنی ہے، اب اپنے پتر کو ہی لے لے بی اے کرنے کے بعد بھی سارے شہر کی خاک چھانتا رہا پھر بھی ناکام لوٹ آتا۔'' اس کے باپ نے کھردرے لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا، اس کا باپ ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا، وہ ٹیکسی بھی قسطوں پر لی گئی تھی جس کی ہر ماہ باقاعدہ اقساط جمع کرائی جاتی تھی۔

اس کی ماں کی پرتشویش خاموشی، آنکھوں کی اداسی اور چہرے کی افسردگی بڑھتی جا رہی تھی، چند دن پہلے ہی تانیہ کے سسرال والے آئے تھے بدلے بدلے تیور اور بدلہ ہوا لہجہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ جہیز کی بنیاد پر یہ رشتہ ختم کرنا چاہتے تھے، تب سے ہی تانیہ بچاری نے خود کو کمرے میں قید کر رکھا تھا، اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں نے ڈیرے جما لئے تھے میلے کچیلے کپڑے، بکھرے بال لگتا تھا جیسے میلوں سے نہ نہائی ہوں سوکھے لب جیسے پیاس کے احساس سے ماورا ہوگئے ہوں ایک دن وہ ماں کے قریب آکر عجیب سے لہجے میں بولی۔

''اماں کپڑے دھونے والے صرف کی بوتل کہاں رکھی ہے؟''

''کیوں؟'' اس نے کیا کرنا ہے تجھے؟'' ماں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھ کر استفسار کیا۔

''خودکشی کرنی ہے مجھے۔'' اس نے برہمی سے کہا اس کی بات سن کر ماں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

''چل دفعہ ہو یہاں سے۔'' وہ ڈپٹ کر بولیں۔

اگلے دن ساحل تانیہ کے پاس جا بیٹھا۔

''تانی دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں، تمہارے فیورٹ دہی بڑے۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے شاپر کو آگے کرتے ہوئے بولا، تانیہ نے بے دلی سے اس کے ہاتھ میں پکڑے شاپر کو دیکھا اور چپ کر کے اپنا ہاتھ آگے بڑھائے اس سے لے لیا۔

''میری گڑیا اتنا کیوں سوچتی ہو، فکر کرنے کے لئے میں ہوں نا، بس کچھ دن کی بات ہے، پھر سارے مسئلے ایسے حل ہو جائیں گے۔'' وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔

''بھیا، آپ مجھے کب تک بہلائیں گے؟ میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں، ویسے کیا کرلیں گے آپ؟''

''دیکھو بہنا، وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کب؟''

''ہمارے مرنے کے بعد۔'' اس کے ہونٹوں پر آجانے والی پر تمسخر مسکراہٹ دیکھے بغیر وہ باہر نکل گیا۔

پھر سارا دن وہ سڑکوں کی خاک چھانتا رہا وہ سڑک کے کنارے ایک خالی پیگ پیروں سے

اچھالتا جا رہا تھا کہ اچانک سارہ اس کے سامنے آ گئی، سامنا ہوتے ہی وہ دونوں اپنی اپنی جگہ رک گئے۔

''سارہ!'' ساحل نے چند لمحے ساکت و جامد رہنے کے بعد کہا۔

''کیسی ہو؟''

''ویسی کی ویسی جیسی چھوڑ کر گئے تھے، اللہ کا شکر ہے کہ جناب نے پہچان تو لیا ورنہ میں تو سمجھی تھی سرسری نظر ڈال کر راستہ بدل لے گا۔'' وہ طنز سے بولی۔

''میں بھلا تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں؟'' وہ ہکلایا۔

''اوہ اچھا رئیلی، بائی داوے کتنا یاد کیا مجھ نا چیز کو؟'' وہ تلخی سے بولی۔

''سارہ میرے ساتھ آؤ میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''بات کرنے کو بچا ہی کیا ہے؟'' وہ مذاحمتی لہجے میں ہاتھ چھڑا کر بولی۔

''مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ ایکدم اس کے سامنے آیا۔

''آگے سے ہٹو۔'' وہ اس کو ہاتھ سے ایک طرف دھکیل کر آگے بڑھ گئی، تو اس نے زمین کو پاؤں سے زور سے ٹھوکر ماری۔

شام کو وہ اپنے دوست علی کے ساتھ کیفے میں چائے پی رہا تھا کہ اندر آتے دو لڑکوں میں سے ایک کو دیکھ کر چونکا۔

''علی! یہ...... یہ لڑکا بلیک پینٹ اور نیلی شرٹ والا مید ے (محمود) چپڑاسی کا بیٹا ہے نا۔'' اس سامنے بیٹھتے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تصدیق چاہی، تو علی معنی خیز سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ اتنے ٹھاٹ باٹ سے کیسے ہے۔'' اس نے اس کے حلیے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرانی سے استفسار کیا۔

''سنا ہے کوئی میڈم پھنسا رکھی ہے موصوف نے۔'' علی نے خباثت سے آنکھ مار کر کہا۔

''کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''یوں سمجھ کہ اپنا آپ بیچ رہا ہے تو کہے تو پتا بتا دوں تو، تو اس سے بھی زیادہ ہینڈسم ہے، مالا مال کر دے گی تجھے تو اس کو خوش کر دینا وہ تجھے کر دے گی۔'' پہلے تو اس نے گھور کر علی کو دیکھا پھر نا چاہتے ہوئے بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

وہ ایک کروڑ پتی عورت تھی جو اسے کھلونے کی طرح استعمال کر رہی تھی اور اسے یہ کھلونا پسند آ گیا تھا اور یہ کھلونا نہ تو اس کے لئے پہلا تھا اور نہ ہی آخری، لیکن دو طرفہ مجبوری اور اسیری کے آگے ہتھر ڈالے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔

بلاشبہ وہ ایک طرح دار عورت تھی جس کا شوہر ایک کمرے میں اپاہج پڑا تھا نہ اس نے کبھی جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی اس نے کبھی بتایا۔

احساس مجبوری یا گناہ کب کا ختم ہو چکا تھا، وہ رات کو نصف شب کے قریب جا کے صبح صادق کے وقت لوٹ کے آتا۔

تانیہ کے سسرال والوں کی ساری ڈیمانڈیں پوری کر کے اس نے اس کو بیاہ دیا وہ نفسیاتی مریض ہونے سے بچ گئی تھی، باپ کو اس نے ایک کریانے کی دوکان بھی کھول دی۔

آج کئی مہینوں بعد وہ سارہ کو ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا، جو نا چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ چلی آئی، کرسی پر بیٹھتے ہی اس کی نظر اس کے موبائل فون پر پڑی جو خاصا مہنگے والا تھا۔

''میرا نمبر تو اس قیمتی فون میں نہیں ملتا ہوگا،

غریبوں کا جو ہے۔'' وہ جل کر بولی تو اس کے انداز پر ساحل کو زور سے ہنسی آئی۔

''طعنے تو مت دو۔'' اس کے ہاتھ سے موبائل فون لیتے ہوئے ساحل نے کہا۔

پھر اسے کھول کر سم نکالی اور اس موبائل میں لگا دی جو اس کے اپنے ہاتھ میں تھا اور سارہ کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ میں تمہارے لئے لایا تھا۔'' وہ اس کے پاس میز پر رکھ کر بولا۔

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ پرے دھکیل کر بولی۔

''وقت بدل گیا ہے سارہ جو میرے تمہارے بیچ میں تھا۔''

''کیسے بدل گیا ہے؟''

''کوئی اعلیٰ دین کا چراغ ہاتھ لگا ہے کیا۔'' وہ تنک کر بولی۔

''یہی سمجھ لو۔''

''ہم نے تانیہ کی رخصتی بھی کر دی ہے میری تمہاری راہ میں اب ذمہ داری کی کوئی دیوار حائل نہیں رہی، بتاؤ کب اماں ابا کو تمہارے گھر لے کر آؤں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔'' وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔

''اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے بھلا؟''

''ساحل تم نے تو ناکام ہو کر اور مسائل سے گھبرا کر مجھے چھوڑ دیا تھا وہ۔''

''دیکھو سارہ، اس وقت حالات میرے حق میں نہیں تھے میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش محسوس کی اور اسے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ آخر کیسے وہ اچانک فیصلہ کر بیٹھا کہ اسے سارہ کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ وہ اسے کچھ نہیں دے سکتا یہ توقعات رکھنے والی محبت تھی رفاقت مانگنے والی تحفظ اور دائمی خوشیاں مانگنے والی۔

اب وہ کیسے بتائے کہ جدائی کا زہر اس نے کیسے پیا وقت ایک لمحہ پیچھے چلا گیا۔

''اگر کہنے کو کچھ نہیں تھا تو یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' سارہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

''یہ اتنا آسان نہیں تھا میرے لئے تم کو بھول جانا لیکن چاہ کر بھی میں ایسا نہ کر سکا، تم تو میری نس نس میں سمائی ہوئی تھی، بھلا کیسے بھول جاتا۔''

''چلو ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں اور آنے والے کل کی بات کرتے ہیں۔''

''کل، لمحے کا پتا نہیں اور تم کل کی بات کرتے ہو، چلو بقول تمہارے کل کون سے سرخاب کے پر لگا کر آئے گا، بتاؤ بھلا کل کیا ہوگا۔'' وہ طنز سے گویا ہوئی۔

جو نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں عود کر آیا۔

''تم صرف یہ بتاؤ آخر کرتے کیا ہو؟''

ساحل نے محسوس کیا کہ اس کے سوال کے جواب سے بچا نہیں جا سکتا سر دست اس کے پاس ویسی سٹوری تھی جو اس نے گھر والوں کو سنائی تھی اس نے بڑے دھڑلے سے سکون اور اعتماد سے دوبارہ دہرا دی۔

''تم نے جھوٹ کیوں بولا ساحل؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا، وہ چونکا۔

''جھوٹ...... کیا...... کیا جھوٹ بولا میں نے؟'' اس کی زبن ذرا سا لڑکھڑائی۔

''مجھے یقین نہیں آتا تم مجھے اس طرح الو بناؤ گے، میں تمہاری باتوں میں آ جاؤں گی میں

تمہاری رگ رگ سے وقف ہوں مجھے صرف اور صرف سچ سننا ہے۔'' ایک ایک لفظ وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئی، تو اس کا رنگ یکدم فق ہو گیا، وہ ایک ایسی گلی میں پھنس گیا جو چاروں اطراف بند تھی اس کے ماں باپ تو سادہ لوح لوگ تھے کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی نہیں تھی، ساحل گہری سانس خارج کر کے سارہ کو سب کچھ سچ بتا دیا، پرسکون چہرے کی طمانیت نے کچھ نہیں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ تو نظر اٹھانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا بھلا کیا کہتا۔

''میں تم سے کال پر بات کروں گی۔'' اس کا سر جھکا دیکھ کر وہ گویا ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔

رات کو وہ خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں گم کمرے کی چھت کو گھورتا رہا اور سارہ کے بارے میں سوچتا رہا، ان دونوں کے درمیان پہلے سے شادی کے عہد و پیمان بھی ہوئے تھے۔

ساحل نے بھی صاف کہا تھا بوڑھے ماں باپ ہیں اور اس کی ایک بہن بھی ہے جس کی شادی اس وجہ سے رکی ہوئی ہے کہ اس کے سسرال والوں نے جہیز کی ایک لمبی فہرست تھمائی تھی چنانچہ وہ سارہ سے شادی کرے گا تو بہن کی رخصتی کے بعد سارہ کو بھی جلدی نہیں لیکن جب ساحل کو کوئی جاب نہ مل سکی تو اس نے بددلی مایوسی اور ڈپریشن کی حالت میں یک طرفہ طور پر فیصلہ کر لیا کہ وہ سارہ کو چھوڑ دے گا، آخر وہ کب تک آس لگائے بیٹھی رہے گی اس کے حالات تو بدلنے والے نہیں ہیں۔

''اب تو حالات اس نے اپنا آپ دان کر کے ٹھیک کر لئے تھے لیکن اب اتنی دیر ہو گئی تھی کہ لوٹ کے سارہ کے خوابوں کی تعبیر دینے کے لئے جانا اسے بے سود لگا، اپنی بے حسی خود غرضی اور بے رحمی پر اب سارہ کے سامنے جا کے شرمندہ ہوتا اور اس سے معافی مانگنا ممکن نہ رہا تھا۔'' اپنے موبائل کی رنگ ٹون سے چونک کر وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آیا، اس نے یس کا بٹن پش کر کے یونہی موبائل فون کو کان سے لگایا تو سارہ کی بات سن کر ساکت رہ گیا۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔'' اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا تو دوبارہ پوچھ بیٹھا۔

''میں نے کہا کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔'' اس کے لہجے کی مضبوطی نے اسے باور کروا دیا کہ اب شاید وہ اسے کھو چکا ہے، اسے سارہ کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''کمانے کے اور بھی ذریعے ہوتے ہیں ساحل تم تو دو ٹکے کے عام آدمی ہی نکلے تم اپنے مفاد کے لئے اتنا گر جاؤ گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی، جو انسان خود سے ہارا ہوا ہو وہ دوسروں سے مقابلہ نہیں کرتا مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کی اصلیت نہیں جانتا، تم کیا سمجھتے ہو تم مجھے دھکا دو گے اور مجھے خبر تک نہ ہو گی؟ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، شاید تم نے سنا ہو، سورۃ نور میں کہ ''خبیث مرد کے لئے خبیث عورت اور اچھے مرد کے لئے اچھی عورت کا انتخاب کیا گیا ہے'' میں یہ تو نہیں کہتی کہ میں بہت اچھی عورت ہوں مجھ میں بھی کئی خامیاں ہوں گی مگر تم سے پھر بھی اچھی ہوں، جو اپنے مفاد کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے، آج سے میرے اور تمہارے راستے جدا ہیں، بھول جاؤ کہ تمہاری زندگی میں سارہ نام کی کوئی عورت آئی تھی، میں بھی بھول جاؤں گی او کے اللہ حافظ۔'' کہتے ہی اس نے موبائل آف کر دیا، کتنی ہی دیر وہ شاکڈ منجمد بے یقین سا جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

مستجاب دعا
ام اقصیٰ

نماز کی ادائیگی کے بعد زینب نے کورے ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھا دیئے، لبوں کی جنبش پہ خلوص نیت کی مہر ثبت کرنے کئی آنسو آ ٹھہرے بہتی ندی سی رواں زندگی میں ایک دم سے تلاطم اس کے میاں کی وفات کا آیا اور ٹھہرا رہا، صبح اچھا بھلا کام کے لئے نکلا، شام خاتمے کی خبر لائی، دوکان بند کر کے روڈ کراس کرتے ٹرک تلے آ کر کچلا گیا، دو ننھی بیٹیوں زینیہ اور آنیہ کا ساتھ اور بھری جوانی میں بیوگی کی چادر تن گئی، تیسرے بچے کی آمد قریب تھی، صبر کا فولادی چولا اوڑھے اس کے لبوں کی خواہش ضرورت بن کر ہمہ وقت اس کے لبوں پہ ٹھہری رہتی، اولاد نرینہ کی خواہش بہنوں کے سر کی چادر اس کے بڑھاپے کی ضرورت، ویسے تو اولین دنوں سے ہی وہ بیٹے کی دعا کر رہی تھی، مگر سر کا سائباں گزر جانے کے بعد لب سانس کے لئے بعد میں کھلتے دعا کے لئے پہلے وا ہوتے۔

''مما بھوک لگی ہے۔'' زینیہ نے ان کے تسلسل سے بہتے آنسوؤں کو باندھا تھا، زینب نے ہاتھ بڑھا کر اسے گود میں بٹھایا اپنی پھیلی ہتھیلیوں کے اوپر اس کی ننھی ہتھیلیاں پھیلائیں۔

''اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں آپ کے لئے منا سا بھائی بھیجیں۔'' بھیگے لبوں سے دعا کی صورت آہ نکلی۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں ایک چھوٹا سا بھائی دے دیں پلیز۔'' ماں کی ضرورت بیٹی کے لبوں سے خواہش کی صورت نکلی۔

''بھائی کب آئے گا ماما؟'' ذرا سا سر اٹھا کر وہ یقین دہانی چاہ رہی تھی۔

''جلد انشاء اللہ۔'' زینیہ کے سر پر بوسہ دیتے خود کو دلاسا دیا تھا۔

آزردگی کی گھڑی آنسوؤں کی آمد اور آہوں سے ہوئی، بچے کے رونے کی بھاری آواز نے زینب کو سہا دیا تھا، تکلیف پہ آگہی کا درد بھاری پڑا، دعاؤں کی قبولیت نے رخ کسی اور جانب موڑ لیا تھا۔

ذرا سا سر اٹھا کر زینب نے اپنے اندازے کی تصدیق چاہی، بیٹی ہوئی ہے، اس کے تکلیف زدہ چہرے کو دیکھ کر نرس نے مختصراً بتایا۔

''میرے مولا تیری رمزیں تو ہی جانے۔'' زینب نے سر بیڈ پر گرایا۔

☆☆☆

رواں زندگی دکھ کے کنکروں سے کب رکی ہے بھلا؟

رازق کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اور یہ وعدہ بھی اسی رحیم کا ہے۔

سبب بنتے رہے، پیٹ بھرتے رہے اور دن گزرتے رہے، مگر ایک دعا جو زینب کے لبوں پر ٹھہری ہی رہی۔

ایک وارث کی التجاء، بہنوں کی کمر ڈھکی رکھنے والے کی دعا، برسوں گزر گئے، دو دہائیاں ہو چلی تھیں، مگر اب بھی جب بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے، اسی ایک دعا کے علاوہ سب لفظ بھول جاتے۔

کب؟ کیوں؟ کیسے؟ جیسے خوف اسے ڈراتے ہی نہ تھے، بغیر کسی سوالیہ نشان کے یہ دعا کن کی منتظر رواں تھی، کبھی کبھار ایک بے بس سی ہنسی زینب کے لبوں پر لمحوں ٹھہری رہتی جب اس دعا کی گہرائی کو وہ سوچتی۔

زینیہ ایم ایس سی کے لاسٹ سمیسٹر میں تھی، آنیہ بی ایس آنرز کے پانچویں سمیسٹر میں جبکہ ہادیہ ایف ایس سی کر رہی تھی، ابتدائی کچھ عرصہ ذریعہ آمدن زینب کی سلائی اور اوپری پورشن کا کرایہ رہا، ایف ایس سی کے بعد زینیہ نے ٹیوشنز

بڑھانا شروع کر دیا پھر آنیہ بھی اس کا ساتھ دینے لگی، کچھ عمر کا تقاضا اور کچھ فکریں پریشانیاں کہ زینب اب سلائی نہ کر پاتی تھی۔

آج کل تو ایک ہی فکر سوار تھی، زینیہ کو اس کے گھر کا کرنے کی فکر، خود وہ اکلوتی تھیں، ان کے میاں کے دو بھائی تھے، ایک باہر جا بسا تھا اور ایک بے اولاد تھا، دور پار کے رشتے دار شروع دنوں کی مشکلات سے کتراتے اب تک نہ پلٹے تھے، اپنی جان پہچان کے لوگوں میں سے زینب نے ایک دو کو کہہ رکھا تھا۔

زینیہ تو فی الوقت اس سب کے حق میں نہ تھی، مگر اسے آنے والے بے مہر وقت کے اندیشے لرزاتے تھے۔

بازاروں، تقاریبوں میں وہ، وہ مہربان چہرہ تلاشا کرتیں جو اس کی لاڈلی کے سر کا تاج ٹھہرتا، سوتے اٹھتے وہ بیٹیوں کے اچھے نصیبوں کی دعا کرتیں پائی جاتیں۔

☆☆☆

کچھ دنوں سے وہ نامعلوم خوف کے حصار میں تھیں، چھٹی حس مبہم سا اشارہ دے رہی تھی، خاموش طبع سی زینیہ کھلکھلانے لگی تھی، بسا اوقات اس کی آنکھوں میں اس قدر چمک ہوتی گویا سینکڑوں ہیرے کوٹ کے ڈالے ہوں، پل کی پل بھی نظریں ملانے پہ اگلے کی آنکھیں خیرہ کر دیتیں، ایک خوبصورت سی مسکان خراماں خراماں اس کے چہرے پہ پہروں ٹہلتی، رات سوتے میں زینب اٹھ اٹھ کر اس کا چہرہ ٹٹولتیں گویا اندر کا راز جاننا چاہ رہی ہوں، اس کے چہرے کی تحریر کو دیکھیں پڑھتی پرکھتیں۔

ملگجے اندھیرے میں بھی زینیہ کے چہرے پہ روشنیوں کا گماں ہوتا، جڑی پلکوں میں سے خوش رنگ سپنوں کا عکس پورے چہرے پہ چھایا ملتا، زینب آنکھیں چرا لیتی کہ اس دھنک رنگ چہرے کو ہمیشگی کی دعا خود اسے کہیں بددعا کی صورت نہ آن لگے۔

ابھی وہ حرف بنتی تھیں اور لفظ ڈھونڈتیں تھیں کہ زینیہ سے اس افشاں بھرے سپنے کا پوچھنے کی بابت کہ ایک شام اس کے گلے میں باہیں ڈالے کاندھوں پہ تھوڑی ٹکائے زینیہ نے وہ راز اگل دیا۔

''مما آپ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔''

''کون؟'' کئی ایک اندیشے سانپ کی صورت زینب کے من میں پھنکارے تھے۔

''دو بچوں کی ہوم ٹیوشنز کی تھیں پچھلے دنوں ان کی انیکسی میں رہتا ہے۔'' زینب کے کندھے ڈھلک سے گئے۔

''کیا نام ہے؟ کیا کرتا ہے؟''

''زبیر نام ہے اور کام کی تفصیل آپ خود پوچھ لیجئے گا۔''

''مما!'' زینیہ اسے پکار کے چند ثانیے رکی۔

''مما اگر آپ ناں کرنا چاہیں باوجود اس کے کہ آپ کو اس میں ہزاروں خوبیاں نظر آئیں تو بھی میں آپ کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ایک لفظ نہ کہوں گی اور اگر آپ ہاں کرنا چاہیں باوجود اس کے کہ اس میں ایک بھی خوبی آپ کو نظر نہ آئے تو اس بات سے اولین ہے۔'' ڈھلکے کندھے ذرا سے سیدھے ہوئے، زینیہ کی تربیت میں احترام کا مادہ بہرحال تھا۔

زینب کل ہونے والی ملاقات کی بابت سوچنے لگی۔

کیسی بھاری سی ذمہ داری اس کے اوپر آن پڑی تھی، پوچھ پڑتال سو چیزیں ہوتی ہیں دیکھنے والی۔

''اے خدا تو مجھے ایک بوجھ بانٹنے والا دے دے، بڑھاپے کا سہارا دے دے۔'' بے خیالی میں لب ہلتے چلے گئے، ذہن نے مفہوم تک رسائی دی تو ایک سرد آہ زینب کے لبوں سے نکلی۔

☆☆☆

اگلی سہہ پہر ڈھلے جب زینیہ اکیڈمی گئی ہوئی تھی وہ نوجوان آیا، مضبوط قد و قامت کا خوش شکل جوان تھا عمر یہی کوئی اٹھائیس انتیس سال ہو گی، بظاہر تو سلجھا ہوا دکھتا تھا، تین بھائی تھے والدین حیات نہ تھے، ایک بھائی آسٹریلیا ہوتا تھا دوسرا دوبئی، زبیر اکیلا ہی رہتا تھا سوفٹ ویئر انجینئر تھا اور مقامی کالج میں پڑھاتا تھا۔

زینب کو اس میں قابل گرفت تو کوئی بات نظر نہ آئی، مگر بیٹیاں بے شک شہزادوں سے بیاہی جائیں، ماؤں کے دل تو پھر بھی ڈرتے ہیں اچھے نصیبوں کی دعائیں تو وہ پھر بھی مانگتی رہتی ہیں۔

اگلے مہینے دونوں کا سادگی سے نکاح کر کے رخصتی بھی کر دی گئی، زبیر نے سارے انتظامات خود ہی سنبھالے، زینب کسی بھی معاملے میں اس سے رائے مانگتیں اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔

''جیسے آپ کو مناسب لگے، جیسے آپ بہتر سمجھیں۔'' زینب تو نہال ہی ہو جاتیں، دو ایک ماہ وہ انیکسی میں رہے، پھر زینب کے گھر کے سامنے والے گھر میں کرائے پہ شفٹ ہو گئے، زینب نے تو بہت زور لگایا کہ اوپری پورشن کرائے داروں کو اٹھا کر یہ لوگ سیٹ ہو جائیں مگر زبیر نہ مانا، آنے والے دنوں میں زبیر نے گھر کے سب معاملے بلکہ کہنا چاہیے سب مسئلے اپنے ہاتھوں میں لے لئے ساری ذمہ داریاں وہ خوش اسلوبی سے نبھانے لگا۔

☆☆☆

زینب کی دعا مستجاب ٹھہری تھی، کن کو فیکون میں بدلے پندرہ برس کا عرصہ ہو گیا تھا، رمز اب سمجھ میں آئی تھی، حکمت کا اب پتہ چلا تھا، پندرہ برس ہوئے تھے زینیہ کی شادی کو، دو پھول اس کے آنگن میں کھل چکے تھے، برا بھلا سب وقت آیا مگر زبیر کا رویہ ایک رتی نہ بدلا تھا، بلکہ گزرتے وقت میں اچھے سے اچھا ہوتا گیا تھا آنیہ کی شادی ہوئی، ہادیہ کی بھی، زینب نے تین پورشن بنوا کر تینوں کے نام لگا دیئے، زبیر حقیقتاً اچھا بیٹا ثابت ہوا تھا، زینب کو اب اپنے رب کی حکمت سمجھ میں آئی تھی، اپنا بیٹا ہوتا تو بہو اس کی مالک ٹھہرتی۔

مرضی ہوتی ملنے دیتی ورنہ نہیں یا اسے لئے کہیں اور شفٹ ہو جاتی یا یہ ماں بیٹیاں اس کی آنکھ میں کھٹکتیں، ہونے کو کچھ بھی ہو جاتا مگر اللہ نے زمینی فرشتہ عطا کیا تھا کیسی خوش نصیب ٹھہری تھی وہ اس سال حج پہ جا رہی تھی۔

اللہ کے گھر کو دیکھتے وہ شکرانہ ادا کرنے والی تھی، دہائیوں سے اس کے ہونٹوں پہ رواں لفظوں کی مستجابی کا شکرانہ۔

☆☆☆

الحدیث

''زکوٰۃ سے مال کی حفاظت''

ارشاد نبویؐ ہے کہ ''اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ کے حضور میں عاجزی اور گریہ زاری سے استقبال کرو۔''

''جنگل ہو یا سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے۔''

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تب آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس کے بدلے میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔''

انہوں نے عرض کیا نہیں۔

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو پھر اس کی زکوٰۃ دیا کرو۔'' (بحوالہ ترمذی شریف)

سارا حیدر، ساہیوال

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والے، رعب جمانے والے، دھمکیاں دینے والے، یہ بھول چکے ہوتے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں، انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں، ہر قعلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے۔

اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ بد قسمت نہ ہو، نصیب والے، قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین ہی رہتے ہیں۔

ساجدہ احمد، ملتان

فرمان رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

''قابل رشک دو ہی آدمی ہو سکتے ہیں، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت عطا فرمائی اور وہ شب و روز اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ شب و روز اس کے حکم کے مطابق اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے۔''

صفہ خورشید، لاہور

زندگی گزارنے کے بہترین طریقے

۱۔ اس طرح زندگی گزاروں کہ جب تک تم زندہ رہو لوگ تم سے ملنے کے لئے بے قرار رہیں اور جب تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ تو تمہاری یاد میں آنسو بہائیں۔

۲۔ ان پھولوں کی طرح زندگی گزاروں جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتے ہیں جو انہیں مسل کر پھینک دیتے ہیں۔

۳۔ پھولوں کی طرح اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دو، تم نے دیکھا نہیں کہ وہ مزاروں پر بھی سجتے ہیں اور سہرے کی لڑیوں

میں بھی مسکراتے ہیں۔
عابدہ حیدر، بہاول نگر

(حدیث مبارکہ)

۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ جب تم کسی کو دوست بناتے ہو تو اپنے دل میں قبرستان بنالو، تاکہ تم اس کی برائیوں کو دفن کرسکو۔
۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ دنیا میں سب سے غریب وہ ہے، جس کا کوئی دوست نہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق وہی پورے کرسکتا ہے جو بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔
۴۔ مسائل کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

حدیث مبارکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔
''سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ کریں اور اس بات سے کہ ان پر بیٹھیں اور اس سے کہ ان پر گنبد (یا عمارت) بنائیں۔

فرینہ اسلم، میاں چنوں

ذرا سوچیئے

☆ ایک ایسی غلطی جو آدمی میں عاجزی پیدا کر دے وہ اس کارنامے سے بہتر ہے جو غرور پیدا کردے۔
☆ اکثر لوگ اپنے بہترین دوستوں کی کمتری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔
☆ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے اور معاف کردینا ملکوتی عمل ہے۔
☆ حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔
☆ میرے خیال میں موت تکلیف دہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی زندگی۔
☆ ہر چیز کو اس طرح دیکھو جیسے پہلی دفعہ یا آخری بار دیکھ رہے ہو پھر اس دنیا میں تمہارا وقت بہت شادمانی سے گزرے گا۔
☆ دل پر مصیبتیں مت ڈالو کیوں، دل پر مصیبتیں آنکھوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

حدیث مبارکہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''کوئی شخص زبان سے بات کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اس سے کچھ نقصان بھی ہوگا، حالانکہ وہ اس کے سبب ستر سال تک نیچے آگ میں گرتا رہتا ہے۔''
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''خاموشی میں کئی حکمتیں ہیں لیکن خاموشی اختیار کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔''
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''خاموشی سب سے اونچی عبادت ہے۔''

راحیلہ فیصل، سرگودھا

☆☆☆

سدرہ خانم ---- ملتان

س: ستاروں کی حدوں سے لے کر خوشبو کے جزیروں تک؟

ج: میری کمی ہے۔

س: نبض تھم رہی ہے اور وہ؟

ج: اخبار پڑھ رہے ہیں۔

س: ہمیں کوئی خوشی راس کیوں نہیں آئی؟

ج: تم نے سنا نہیں دو دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔

س: توقعات کا محل جب ٹوٹ جائے تو؟

ج: دل کے ٹکڑے ہزار ہوتے ہیں۔

س: میری ہر سانس میں شامل ہے وہ مگر؟

ج: آج کل آلودگی بہت ہے۔

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

س: عین غین اگر دل گوشت کی بجائے سونے کے ہوتے تو محبت میں تحفتہً دیتے جاتے یا فروخت کیے جاتے؟

ج: دل تو اب بھی سونے کے ہوتے ہیں صرف آپ ہی نہیں پرکھ سکتے۔

س: ہم کو ان سے بے وفا کی امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے، آخر کیوں؟

ج: تمہیں آدمی کی وفا جو ہے۔

س: مجھے آپ سے ایک نہایت پرسنل راز شیئر کرنا ہے، آپ میرے خواب میں آجائیں گے یا میں لاہور آؤں؟

ج: میں کہاں آؤں گا تم ہی آجانا۔

س: عین غین جی اگر راہ میں چلتے چلتے "وہ" اچانک مجھے مل جائے تو؟

ج: تو کہنا یونہی کوئی مل گیا تھا سر راہ چلتے چلتے۔

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

س: محبت میں جیت تو ہوتی ہے لیکن ہار کیوں ہوتی ہے؟

ج: محبت میں ہار کب ہوتی ہے۔

س: آپ ہمارے کیا لگتے ہیں؟

ج: یہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں۔

س: جناب کا موڈ کیوں خراب ہے؟

ج: اگر تمہیں یہ ہی معلوم نہیں تو کیا فائدہ۔

س: آئے ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے؟

ج: اور تم ہو کہ بہار کو نہیں پہچان رہی۔

س: کچھ زیادہ تو نہیں ہو گیا؟

ج: بہت زیادہ ہو گیا۔

س: ہم آپ سے کیسے مل سکتے ہیں؟

ج: لاہور آکر۔

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

س: عین غین جی پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں تشریف کا ٹوکرا لے کر حاضر ہوئی ہوں؟

ج: یہ خیال رہے کہ ٹوکرا زیادہ بھاری نہ ہو۔

س: اگر کوئی آپ سے کہے اگر اس کی منگنی ہو رہی ہے تو آپ کا ردعمل کیا ہو گا؟

ج: ہو رہی ہے تو مجھے کیا، شاید تمہیں......

س: اس عمر میں اتنی شوخ گفتگو کچھ خیال کریں؟

ج: تمہیں میری عمر پر کوئی اعتراض ہے یا گفتگو پر۔

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

س: تو اپنی ہی نبیڑ تینوں ساڈے نال کی؟
ج: جواب دے کر اپنی ہی نبیڑ رہا ہوں۔
س: میریاں مساواں وچ کوئی پیاد سدا اے؟
ج: یعنی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوا۔
س: اگر میں تمہارے آنگن میں اتر آؤں؟
ج: تم چاند تو نہیں ہو۔
س: تمہیں کس موسم میں شدت سے یاد آتی ہوں؟
ج: جب تمہارے بے تکے سوال پڑھتا ہوں۔

آمنہ خان ---- راولپنڈی

س: ہر شوہر کو اپنی بیوی سے اور ہر بیوی کو اپنے شوہر سے شکایت کیوں ہوتی ہے؟
ج: وقت گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔
س: عورت شوہر کو مار سکتی ہے تو شوہر عورت کو کیوں نہیں مار سکتا؟
ج: کیونکہ وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہوتی اور شوہر نے کوئی غلط حرکت کی ہوگی۔
س: شوہر کب اپنی بیوی کے لئے پریشان ہوتا ہے؟
ج: جب وہ بازار میں خریداری کر رہی ہو۔
س: آج کل کے شوہر اتنے معصوم نہیں ہوتے جتنا کہ وہ بنتے ہیں؟
ج: تم بیچارے شوہروں کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔

صابرہ سلطانہ ---- کراچی

س: اگر کوئی اچھا بھلا انسان پاگلوں کی سی حرکتیں کرے تو؟
ج: اس میں بچوں کو بہلانا اور شیشہ دیکھنا شامل نہ کریں۔
س: کیا انسان عمر کے ساتھ سلجھتا ہے یا الجھتا ہے؟
ج: الجھتا زیادہ ہے۔

س: انسان اوپر کو دیکھتا ہے نیچے کیوں نہیں؟
ج: نیچے دیکھے گا تو گریبان میں جھانکنا پڑے گا۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: یہ بھی ایک انداز ہے زندگی کا۔
س: آپ روٹھے کو منانا جانتے ہیں؟
ج: ابھی تک تو موقعہ ہاتھ نہیں آیا۔
س: اگر کوئی شخص آپ سے تو تو پر اتر آئے؟
ج: بڑا ہی بدتمیز ہوگا۔

سدرہ خانم ---- ملتان

س: سنا ہے کھا کھا کر بہت موٹے ہو گئے ہو؟ کچھ اپنے بارے میں بھی سوچو۔
ج: آخر تم میرے بارے میں اتنی فکر مند کیوں ہو۔
س: گھر کی مرغی دال برابر ہو تو پڑوسی کی مرغی کو کیا کہیں گے؟
ج: ہم تو گھر کی بھی نہیں کھاتے، یہ تو چوری کرنے والا جانے۔
س: سنا ہے دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے، کیا خیال ہے؟
ج: انٹرنیٹ کلب ترقی کی وجہ سے آباد ہیں۔
س: ذرا یہ بتائیں کہ شادی شدہ شریف ہوتا ہے یا کنوارہ؟
ج: کھل کر بات کرو دل میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔
س: اگر کوئی کسی سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے بے وفائی کرے تو؟
ج: تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو۔
س: محبت کی آخری حد کہاں ختم ہوتی ہے؟
ج: یہ راستے بڑے خاردار ہوتے ہیں۔

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

سارا حیدر ---- ساہیوال

میں سوچتی ہوں محبت عجب دھوکا ہے
جو مل نہ سکے کبھی اس کی آس رہتی ہے
جسے پا نہ سکیں اس کا دھیان رہتا ہے
جو بجھ سکے نہ کبھی ایسی پیاس رہتی ہے

....

لوگوں نے ہنر اپنا دکھایا بھی بہت ہے
جا جا کے اس میں نے منایا بھی بہت ہے
سچ پوچھو تو پیارا بھی بہت لگتا ہے دل کو
وہ شخص کہ دل جس نے دکھایا بھی بہت ہے

....

میرے ہونٹوں پہ مہکتے نغموں پہ نہ جا
میرے سینے میں کئی طرح کے غم پلتے ہیں
میرے چہرے پہ دکھاوے کا تبسم ہے مگر
میری آنکھوں میں اداسی کے دیے جلتے ہیں

ساجدہ احمد ---- ملتان

صدیوں سے انسان یہ سنتا آیا ہے
دکھ کی دھوپ کے آگے سکھ کا سایہ ہے
جھوٹ تو قاتل ٹھہرا اس کا کیا رونا
سچ نے بھی انسانوں کا خون بہایا ہے

....

خود اپنے ہی اندر سے ابھرتا ہے وہ موسم
جو رنگ بچھا دیتا ہے تتلی کے پروں پر
ہم جو ہنس ہنس کر سب سے ملتے ہیں
خود سے مل کر بہت اداس ہوتے ہیں

....

اگر ہو سکے تو کرو خود میں کشش پیدا
ہر کسی کو حسرت سے دیکھا نہیں کرتے
ہر شخص نہیں ہوتا ہر شخص کے قابل
ہر شخص کو اپنے لئے پرکھا نہیں کرتے

....

شبنم کے آنسو پھول پر یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں میری بھیگی ہوئی چہرہ تیرا اترا ہوا
برسات میں درو دیوار کی ساری تحریریں مٹی
دھویا بہت مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا

صفہ خورشید ---- لاہور

کیا وقت آ پڑا ہے یہ ہم سے نہ پوچھیئے
ہم لوگ کب رسولؐ و خدا کے غلام ہیں
کچھ اس طرح بڑھی ہیں یہاں خود پرستیاں
ہم لوگ صرف اپنی انا کے غلام ہیں

عامرہ اینڈ عائشہ ---- حویلی بہادر شاہ

اور بات کہ لب چشم پوش ہو جائے
کچھ تو غم اسے بھی ہمارے حال کا تھا

....

محبتوں میں بھی قائل تھی لب نہ کھولنے کی
جواب ورنہ میرے پاس ہر سوال کا تھا

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

حدوں کی ضد سے تو کر آزاد مجھے
دل میں بسایا ہے تو آنکھوں میں اتار مجھے
میرے جذبوں میں ہے پاکیزگی
تو جس رشتے سے چاہے پکار مجھے

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

ظفر اس بھیڑ میں گم ہی نہ ہو جاؤں کہیں میں
جدھر سارے کے سارے ہیں ادھر ہونے سے ڈر لگتا ہے

....

گھر سے نکلی تو خبر بن جائے گی آپس کی بات
جو بھی قصہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے
آسمان سبزگوں پہ اک تارا ، اک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو ، یہ خوشنما منظر تو ہے

....

راز ہستی کچھ نہیں اکثر یہ دیکھا گیا ہے
بے خبر ہنستے رہے ، یا خبر روتے رہے
فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

ٹوٹ جائیں نہ کہیں ضبط کی خواہش میری
نہ کر میرے ہمسفر اس قدر آزمائش میری
گہنا گیا میرے روپ کا جادو بتا مجھے
یا پھر دل سے کم ہونے لگی چاہتیں میری
مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

کبھی فرصتیں جو نصیب ہوں
چلے آنا مرے پاس تم
ہیں ادھورے کتنے معاملے
میری ذات سے تیری ذات تک
راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

آئینہ گر تجھے معلوم نہیں ہے شاید
لوگ محروم خدوخال ہوئے جاتے ہیں

....

توڑ دیتا ہے بدن لذت اشیاء کا خمار
لوگ مر جاتے ہیں بازار سے گھر آتے ہوئے

....

پہلے شکوہ تھا ، یہاں رونق بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں
سب کے ہاتھوں میں یہاں زہر پیالہ ہے مگر
کوئی سچ بولنے کے واسطے تیار نہیں
آمنہ خان ---- راولپنڈی

ہم لوگ تو خوشبو کی طرح ہیں ترے اطراف
ہم سادہ دلوں سے تو سیاست نہیں کرنا

میں خود کو میسر نہیں آیا ہوں ابھی تک
تم سے بھی نہ مل پاؤں تو حیرت نہیں کرنا

....

چلیے وہ شخص ہمارا تو کبھی تھا ہی نہیں
دکھ تو یہ ہے کہ تمہارا بھی نہیں ہو سکتا
دنیا اچھی بھی نہیں لگتی ہم جیسا کو سلیم
اور دنیا سے کنارا بھی نہیں ہو سکتا
صابرہ سلطانہ ---- کراچی

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ سوار کرتے

....

یہ میری نظر کی بلندیاں تجھے کس مقام تک لے گئیں
وہ تمہارے قدموں کی دھول تھی مجھے کہکشاں کا گماں ہو
دنیا میں اس کا کوئی خریدار نہیں
میں بیچتا ضرور جو بکتا میرا نصیب

....

لذت گناہ میں جس نے جنت بھی ہار دی
میرے وجود میں اسی آدم کا خون ہے
حنا شاہین ---- حیدرآباد

ایک نیا راستہ نکالا ہے
ہم نے منزل سے خود کو ٹالا ہے
ہم ہواؤں سے خواب پکڑیں گے
ہم نے نظروں سے جال ڈالا ہے

....

آنکھوں کا رنگ بات کا لہجہ بدل گیا
وہ شخص ایک شام میں بدل گیا
شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ
منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

☆☆☆

خودکشی اور محرومی

ایک صاحب رنگین ٹی وی اور ڈی وی ڈی اٹھائے تیز تیز قدم اٹھاتے نہر کی طرف جا رہے تھے راستے میں ایک دوست نے دیکھا اور پوچھا۔

''کیا بات ہے، کدھر جا رہے ہو؟''

''خودکشی کرنے جا رہا ہوں۔'' ان صاحب نے جواب دیا۔

''مگر ان چیزوں کا کیا مطلب ہے؟'' دوست نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ صاحب غصے سے چلائے۔

''ان ہی چیزوں کے ساتھ ڈوبوں گا، میری بیوی مجھ پر نہ سہی ان چیزوں پر تو محرومی کا ماتم کرے گی ناں۔''

یقین

وکیل، چور سے۔

''اب جبکہ میں نے تمہیں بری کروا دیا ہے تو یہ تو بتاتے جاؤ، کہ تم نے چوری کی بھی تھی یا نہیں؟''

چور۔

''عدالت میں آپ کی بحث سن کر مجھے یقین سا ہو رہا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی۔''

سدرہ خانم، ملتان

مرغی کی دعا

ایک مرغی نے تین انڈے دیئے اور دعا مانگی کے بچے نیک نکلے چند دنوں بعد ایک بچہ نکلا جو نماز پڑھ رہا ہے پھر دوسرے دن دوسرا بچہ نکلا جو تسبیح پڑھ رہا تھا، تیسرے دن بچہ ہی نہ نکلا، دو دن اور گزر گئے آخر کار مرغی پریشان ہو گئی اور اللہ سے دعا مانگنے لگی، تب ہی انڈے سے آواز آئی امی جان! پریشان مت ہوں میں اعتکاف پر بیٹھا ہوا ہوں۔

آسیہ فرید، خانیوال

ٹی وی

ایک آدمی گھر پہنچا تو دیکھا کہ ٹی وی ٹوٹا پڑا ہے اور اس کا بیٹا اس میں جھانک رہا ہے۔

باپ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ارے تم نے یہ کیا کیا؟''

بیٹے نے جواب دیا۔

''اس میں ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے باہر نکالو، اب میں نے ٹی وی توڑا ہے تو نجانے وہ کہاں چلا گیا ہے۔''

فون

ایک آدمی فون پر دوسرے آدمی سے۔

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

دوسرا آدمی۔

''میں بول رہا ہوں۔''

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

پہلا آدمی ادھر سے۔

”میں بھی میں بول رہا ہوں۔“
مریم انصاری، سکھر

پرانی کاریں

”دادو ماں، دادو ماں!“ چار سالہ اصغر نے بڑے تجسس سے اپنی دادی سے پوچھا۔
”جب کاریں پرانی ہو جاتی ہیں، گلنے سڑنے لگتی ہیں تو ان کو کیا کرتے ہیں؟“
”کچھ بھی نہیں۔“ دادی اماں نے سکون سے کہا۔
”وہ تمہارے دادا خرید لیتے ہیں۔“
عزہ فیصل، قصور

نظم

”تاکید“
سنو! زمیں زادے
ملک بوس کہساروں کے سفر پہ جاؤ
تو سفر طلب میں امان دل کھو نہ دینا
وہ خواب جو ابھی تیری پلکوں میں زندہ ہیں
انہیں ابھی تعبیر کا آئینہ مت دینا
وہ آرزوئیں جو ابھی تیرے من میں پوشیدہ ہیں
انہیں فقط احساسات کا پیرہن عطا کر دو
کہ یہ پیرہن امانت دل
اور خوبصورت جذبوں کا
سب سے بڑا امین ہے

نورا نور، فیصل آباد

وجہ

ایک ٹریولنگ سیلز مین نے ایک بڑے کاروباری ادارے کے منیجر سے کہا۔
”میں آپ کو تمام ملازمین کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ کون شادی شدہ ہے اور کون کنوارا۔“ اس وقت ملازم وقفے میں کھانا کھانے باہر گئے ہوئے تھے۔
جب وقفہ ختم ہوا تو سیلز مین دروازے میں کھڑا ہو گیا اور اندر داخل ہونے والے افراد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اس نے جن ملازموں کو شادی شدہ بتایا، وہ واقعی کنوارے نہیں تھے۔
منیجر نے حیران ہو کر پوچھا۔
”آپ نے یہ اندازہ کیسے کر لیا؟“
سیلز مین نے جواب دیا۔
”شادی شدہ ملازمین جب کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے پائیدان پر پاؤں صاف کیے لیکن کسی بھی کنوارے نے اس سلیقے کا اہتمام نہیں کیا۔“
فاریہ سلیم، شرقپور

صحیح جواب

ٹیچر نے کلاس کے لڑکوں کو کلاس روم میں ہی بیٹھ کر مضمون لکھنے کے لئے موضوع دیا۔
”اگر مجھے دس کروڑ روپے مل جائیں تو میں کیا کروں گا؟“
سب لڑکے تیزی سے مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے لیکن سلیم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا، وقت ختم ہونے پر ٹیچر نے سب سے پیپرز جمع کیے تو سلیم نے سادہ کاغذ تھما دیئے۔
”یہ کیا......؟“ ٹیچر نے غصے سے کہا۔
”سب لڑکوں نے دو، دو تین تین صفحوں کے مضمون لکھے ہیں مگر تم نے کچھ بھی نہیں لکھا، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔“
”سر! دس کروڑ روپے ملنے کے بعد میں یہی کروں گا۔“ سلیم نے اطمینان سے کہا۔
سارا حیدر، ساہیوال

☆☆☆

صائمہ محمود

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک غزل

جو خیال تھے نہ قیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
مری عمر بھر کی جو پیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
یہ خیال سارے ہیں عارضی، یہ گلاب سارے ہیں کاغذی
گل آرزو کی جو باس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نہ قبول میں، وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو میری طلب، میری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مری دھڑکنوں کے قریب تھے مری چاہ تھے میرا خواب تھے
وہ جو روز و شب میرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک نظم

وفا جب مصلحت کی شال اوڑھے
سردرت کا روپ دھارے
دل کے آنگن میں اترتی ہے
تو پلکوں پرستاروں کی دھنک مسکانے لگتی ہے
کبھی خوابوں کے ان چھوئے ہیولوں سے بھی
ان دیکھی سی، ان جانی سی خوشبو آنے لگتی ہے
کسی کے سنگ بیتے، ان گنت لمحوں کی زنجیریں
اچانک ذہن میں جب گنگناتی ہیں
نفس ک تار میں سناٹا یکدم چیخ اٹھتا ہے
تو یوں محسوس ہوتا ہے
ہوائیں سرگوشی سی کرتی ہیں
محبت کا تمہیں ادراک اب تو ہو گیا ہوگا؟

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم

سفر میں شام سے پہلے
اگر
بے آس ہو جاؤ
کوئی جگنو، کوئی تتلی، کوئی بھی رنگ
اپنے پاس نہ پاؤ
تو
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا
اور
اپنا سفر آغاز کر لینا
تمہیں ہر موڑ پر رستہ صاف اور روشن دکھائی دے
گا
دھنک کے ساتوں رنگ تمہارے گرد اک ہالہ
بنائیں گے
تتلیاں اپنے پروں کا مخملی پن تمہارے ساتھ کر
دیں گی
سفر کی سختیوں سے وہ تمہیں محفوظ کر دیں گی
بس
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

''مجبوری''
بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں

اب کہ ہم نے سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں
پھر خیال آیا کہ
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک نظم
"شیشے کا"
اعتبار شیشے کا، امتحان شیشے کا
دیکھو کھیل مت کھیلنا شیشے کا
ان دنوں جہاں ہم ہیں ہم کو ایسا لگتا ہے
ہے زمین شیشے کی، آسمان شیشے کا
ٹوٹنا تو ہے آخر، ٹوٹنے سے کیا ڈرنا
پتھروں کی بستی میں کیا دھیان شیشے کا
ہم بھی کتنے سادہ ہیں، دھوپ سے بچاؤ کو
سر پہ تان رکھا ہے سائبان شیشے کا
شہر ہے محبت کا اور حیران ہوں میں
ہر مکین شیشے کا، ہر مکان شیشے کا
جز مرے بتاؤ تو اور کون دے سکتا
فصل بوئی پتھر کی اور لگان شیشے کا

حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک نظم
کوئی سورج جاگے میری دھرتی پہ
کچھ ایسا ہو یہ رات ڈھلے
کوئی ہاتھ میں تھامے ہاتھ میرا
کوئی لے کر مجھ کو ساتھ چلے
کوئی بیٹھے میرے پہلو میں
میرے شانے پر ہاتھ رکھے
آنسو پونچھ کر آنکھوں سے
رک رک کے لہجے میں کہے
یوں تنہا سفر کبھی کٹتا نہیں
چلو ہم تم دونوں ساتھ چلیں

حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک غزل
میں نے پایا ہے وہی جو تھیں آشائیں تیری
میرے آنچل سے لپٹی رہیں دعائیں تیری
گہرے پانیوں پہ جھکی آنکھیں میری سر شام
اور میری آنکھوں میں چھلکیں نگاہیں تیری
ایک ہم کو بھی راس نہ آئے تیرے موسم دنیا
ایک بے مہر بہت تھیں ہوائیں تیری !
صدیوں کی مسافت بھی رائیگاں ٹھہری
بڑھنے ہی نہ دیتی تھیں آگ صدائیں تیری
جانے والے نے وقت رخصت یہ بھی نہ پوچھا
قدم اٹھتے ہی کیوں آنکھیں بھر آئیں تیری
میں دشت کے سفر پہ کب تنہا تھی غزل
مجھ کو ہر گھڑی تھامے رہیں بانہیں تیری

سدرہ خانم: کی ڈائری سے ایک غزل
وہ جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سمندر ، وقت ، ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس پڑے کئی موسم
وہ گنگنائے تو باد صباء ٹھہر جائے
وہ ہونٹ ہونٹوں پہ رکھ دے دم آخر
مجھے گماں ہے آئی قضاء ٹھہر جائے
میں اس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

آسیہ فرید: کی ڈائری سے ایک غزل
تجھے اظہار محبت سے اگر نفرت ہے
تو نے ہونٹوں کو لرزنے سے تو روکا ہوتا
بے نیازی سے مگر کانپتی آواز کے ساتھ
تو نے گھبرا کے مرا نام نہ پوچھا ہوتا
تیرے بس میں تھی اگر مشعل جذبات کی لو
تیرے رخسار میں گلزار نہ بھڑکا ہوتا

☆☆☆

دہی اور رائتہ

اشیاء

دودھ 1/2 لیٹر

دہی لسی (ضامن) کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب

دودھ کو ابال لیں اور نیم ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں، دہی لسی (ضامن) کو تھوڑے سے دودھ میں اچھی طرح پھینٹ لیں، پھر اس کو باقی دودھ میں ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور ڈھک دیں یا فوراً کسی گرم جگہ پر رکھ دیں، جب دہی جم جائے تو اس کو فریج میں یا ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں یا فوراً استعمال کرلیں، دہی خوب گاڑھا ہو جائے تو اس میں دو عدد سبز مرچیں ڈال دیں۔

آلو کا رائتہ

اشیاء

آلو (چھوٹے سائز کے) ایک پاؤ

پیاز (باریک کٹا ہوا) ایک عدد

بالائی کھانے کے چمچے

سرخ مرچ حسب ذائقہ

ہری مرچ (باریک کتری ہوئی) حسب پسند

دہی (خوب پھینٹا ہوا) ڈیڑھ پاؤ

گرم مسالا (پسا ہوا) چائے کا آدھا چمچہ

نمک حسب ذائقہ

ہرا دھنیا (باریک کترا ہوا) کھانے کے دو چمچے

ترکیب

آلوؤں کو نمک ڈال کر ابالیں، جب اچھی طرح گل جائیں تو اتار لیں اور چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، دہی میں بالائی ملا کر خوب پھینٹ لیں، پیازوں کو نمک لگا کر اچھی طرح دھولیں اور دہی میں ملا دیں، اب اس میں آلو، نمک، سرخ مرچ، گرم مسالا اور ہری مرچ ڈال کر ملائیں، اس تیار شدہ رائتے پر ہرا دھنیا چھڑک دیں۔

ہرا مسالا رائتہ

اشیاء

دہی ایک پاؤ

سبز مرچ (پسی ہوئی) کھانے کا ایک چمچہ

دودھ آدھا کپ

نمک حسب ذائقہ

ہرا دھنیا (پسا ہوا) کھانے کے دو چمچے

ترکیب

دہی میں دودھ ڈال کر اسے اچھی طرح پھینٹ لیں، اب اس میں ہری مرچ (پسی ہوئی) نمک اور ہرا دھنیا (پسا ہوا) ملا دیں، ہرا مسالا رائتہ تیار ہے جو دیکھنے میں خوش رنگ اور ذائقہ میں لاجواب ہے۔

بھگار والا رائتہ

اشیاء

دہی ڈیڑھ پاؤ

آلو (ابلے ہوئے) دو عدد

کالی مرچ (پسی ہوئی) چائے کا آدھا چمچہ

ثابت سرخ مرچ	تین سے چار عدد
دودھ	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ	چائے کے دو چمچے
گھی، تیل	کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب

دودھ کو دہی میں ملائیں اور اچھی طرح پھینٹ لیں، آلو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے اس میں ملا دیں، نمک اور کالی مرچ (پسی ہوئی) بھی اس میں ملا دیں، ایک فرائنگ پین میں گھی، تیل گرم کریں اور اس میں زیرہ اور ثابت سرخ مرچ ڈال کر ذرا دیر بھونیں، تیار شدہ رائتہ پر زیرہ اور سرخ مرچ، گھی تیل سمیت ڈال دیں، مزے دار رائتہ تیار ہے۔

بینگن کا رائتہ

اشیاء

بینگن (قتلے)	ایک عدد
دودھ	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت دھنیا	حسب ذائقہ
گھی یا تیل (تلنے کے لئے)	حسب ضرورت
ہری مرچ (باریک کتری ہوئی)	حسب پسند
دہی	ڈیڑھ پاؤ
پیاز باریک کٹا ہوا	ایک عدد
سرخ مرچ کٹی ہوئی	چائے کا ایک چمچہ
ہرا دھنیا باریک کترا ہوا	حسب پسند

ترکیب

گھی یا تیل گرم کریں اور اس میں پیاز بادامی کرکے نکال لیں، اس گھی میں بینگن کے قتلے تل کر نکال کر الگ رکھ لیں، اب بادامی کیے ہوئے پیاز، دھنیا، نمک اور سرخ مرچ کو خوب باریک پیس لیں، دہی میں دودھ ملا کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں، اب ایک کھانے کا چمچہ گھی، تیل گرم کریں اور اس میں پسا ہوا مسالا بھونیں، جب مسالا بھن جائے تو پھینٹے ہوئے دہی میں بینگن کے قتلے اور بھنا ہوا مسالا ڈال دیں اوپر ہرا دھنیا اور ہری مرچ چھڑک دیں، لذیذ رائتہ تیار ہے۔

ٹماٹر اور تلی ہوئی ہری مرچ

اشیاء

ٹماٹر	آدھا کلو
پیاز	ایک پاؤ
ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	آدھا پاؤ
گھی	آدھی پیالی
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

پہلے ٹماٹر دھو کر ان کا چھلکا اتار لیں اور ٹکڑے کاٹ لیں، پھر ایک فرائی پین میں آدھا گھی گرم کرنے کے بعد ہری مرچیں تل کر نکال لیں، دوسری دیگچی میں بچا ہوا گھی ڈال کر پیاز باریک کاٹ کر تل لیں، تلی ہوئی پیاز میں پسے ہوئے مسالے اور ٹماٹر کے ٹکڑے ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔

اب اس میں آدھی پیالی پانی ڈال کر دیگچی کو ڈھانپ دیں، جب ٹماٹروں کا پانی خشک ہونے لگے تو تلی ہوئی مرچیں ڈال دیں اور دم پر لگا دیں۔

ترئی اور کالے چنے

اشیاء

کالے چنے	ایک پیالی

(رات کو بھگو دیں)

پیاز — دو عدد
ادرک پیسٹ — چائے کا آدھا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
ہلدی پاؤڈر — چائے کا چوتھائی چمچہ
تیل — آدھی پیالی
ترئی — آدھا کلو
ٹماٹر چھوٹا — ایک عدد
لہسن پیسٹ — چائے کا آدھا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر — چاء کا آدھا چمچہ
ہری مرچیں — تین سے چار عدد
میتھی — چائے کے دو چمچے

ترکیب

پیاز اور ٹماٹر پیس لیں تیل گرم کریں اس میں میتھی پیاز اور ٹماٹر کا آمیزہ ڈال دیں، ادرک، لہسن، نمک، مرچ، ہلدی ڈال کر مسالا بھون لیں، اس کے بعد ترئی چھیل کر کاٹ لیں، کالے چنوں کو رات بھر بھگو کر ان کو ابال لیں، چنے اور ترئی مسالے میں ڈال دیں۔

پھر اس کو ایک چوتھائی پیالی پانی ڈال کر ڈھانپ کر دھیمی آنچ پر پکائیں، گل جانے پر بھون لیں اوپر ہری مرچ ڈال کر چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

چنے کی دال بھرے کریلے

اشیاء

کریلے — ایک کلو
سونف — چائے کا آدھا چمچہ
لہسن — کھانے کا ایک چمچہ
مرچیں — کھانے کا ایک چمچہ
تیل تلنے کے لئے — حسب ضرورت
دال چنا — ایک پاؤ
کلونجی — تھوڑی سی
نمک — حسب ذائقہ
املی یا کیری — حسب پسند
(باریک ٹکڑے کرلیں یا کش کرلیں)

ترکیب

ریلے چھیل کر ان میں نمک لگا کر رکھ دیں جب ان کا پانی نکل جائے تو پانی سے خوب دھو لیں، دال الگ سے ابال لیں، اب سارا مسالا دال میں شامل کر لیجیے، مسالا ملی چنے کی دال کریلوں میں بھر کر دھاگے سے کریلے باندھ لیں اور ہلکے گرم گھی میں تل لیں، مزے دار دال بھرے کریلے تیار ہیں۔

ٹماٹر کا کچومر

اشیاء

ٹماٹر — آدھا پاؤ
ہرا دھنیا — چند پتے
نمک — حسب ذائقہ
سرخ مرچ — حسب ذائقہ
لیموں — ایک عدد
پیاز — آدھا پاؤ
ہری مرچ — تین چار عدد
سرکہ — کھانے کے دو چمچے

ترکیب

پیاز باریک کاٹ لیں جیسے آملیٹ کے لئے اس کو نمک لگ کر دھو لیں، اب اس میں ٹماٹر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پیاز کی طرح باریک کاٹ کر ملا لیں نمک سرخ مرچ ملانے کے بعد سرکہ ملا دیں زیادہ کھٹائی پسند کرنے والے لیموں اوپر نچوڑ لیں ورنہ کچومر ویسے ہی مزا دیتا ہے۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔

آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ طلوع ہونے والا ہر نیا دن ہمارے لئے نئے نئے سبق اور تجربات لے کر آتا ہے اور ہر روز غروب ہونے والا سورج ہمارے دامن میں بے شمار یادیں چھوڑ جاتا ہے، یہ یادیں کبھی ہونٹوں پر مسکان بن کے چمکتی ہیں تو کبھی آنسو بن کر آنکھوں میں ٹھہر جاتی ہیں، دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہوگا جس کے پاس اچھی یادوں کا خزانہ نہ ہو مگر ضروری نہیں کہ ہر شخص کسی یاد کا حصہ بھی ہو۔

اس ہزار سالہ قدیم دنیا میں ان گنت لوگ گمنامی کی زندگی گزار کے گمنامی کی موت مر گئے مگر جو لوگ اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر خود کو انسانیت کی بھلائی کے لئے وقف کر دیتے ہیں انسانوں کی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیتے ہیں وقت کے اندھیروں میں ایسے لوگ جگنو بن کر چمکتے ہیں، جدوجہد، خلوص اور سچائی کی راہ پر چلنے والے یہ لوگ روشنی کا وہ مینار ہوتے ہیں جن سے ہماری آنے والی نسلیں منزلیں پاتی ہیں تاریخ کے اوراق ایسے ہی لوگوں سے روشن ہیں۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں آپ سے محبت کرتے ہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں حسب عادت درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اسی میں ہماری فلاح ہے۔

یہ پہلا خط ہمیں رابعہ سعید جو لیہ سے تشریف لائی ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

ستمبر کا شمارہ سات تاریخ کو ملا ٹائٹل پر ترکی کی اداکارہ کو براجمان دیکھ کر حیرت ہوئی سب سے پہلے طاہر بھائی کی باتیں سنی اور ان سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے اسلامیات والے حصے میں پہنچے، حمد ونعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے اور انشاء جی کے کالم میں پہنچے، وقت کے لحاظ سے ان کی نظم بے مثال تھی، ام مریم آپ کا ناول ''امید صبح و جمال'' کچھ لکھتے وقت آپ یا تو کسی پریشانی میں ہیں یا آپ لکھنا کچھ اور چاہتی ہیں اور لکھ کچھ اور رہی ہیں نہ جانے کیوں اب آپ کی تحریر میں وہ مزہ نہیں آ رہا جو آپ کا خاصا تھا، پلیز ہمیں وہی ام مریم چاہیے جو جب قلم اٹھاتی تھی تو کرداروں کو لازوال کر دیتی تھی، معاذ کا کردار آج بھی ہمارے ذہنوں میں زندہ ہے پلیز تحریر میں کچھ نوک جھونک لائیں۔

دوسرا سلسلے وار ناول (میری عادت ہے میں پہلے سلسلے وار ناول پڑھتی ہوں) ''اسیر عشق'' بھی بہترین جا رہا ہے، سدرہ اسے اپنے مخصوص صوفیانہ انداز میں لکھ رہی ہیں، اللہ کرے پربھات کو سارنگ مل جائے ناولٹ میں اس ماہ ایک نیا نام ندا حسین کا نظر آیا ویلڈن ندا آپ نے ناولٹ کا آغاز ہی بڑا شاندار کیا ہے پہلی قسط نے ہی اپنے سحر میں مبتلا کر لیا ہے اس پر ناول کا

نام ''قربت ہجر میں محبتیں'' کیا بات ہے، اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، سباس گل کے ناولٹ کو دوسری قسط میں ختم ہو جانا چاہیے تھا نہ جانے مصنفہ نے اس کو بلاوجہ کیوں اتنا لمبا کیا، قرۃ العین سکندر کا ''کہو اک دن'' بھی پسند پر پورا اترا، مکمل ناولوں میں اعنبرین ابدال کا ''آرزوئے محبت'' بے حد پسند آیا بہت اچھی تحریر اعنبرین ابدال نے بہت اچھا لکھا شروع سے آخر تک کہانی میں دلچسپی کا عنصر رہا ہے، حمیرا نوشین ایک عرصے بعد آئیں حنا کی محفل میں ہلکی پھلکی تحریر کے بس ٹھیک ہی لگی، ان کی تحریر بھی افسانوں میں بھی ام اقصیٰ کا افسانہ ''کچھ تم بولو کچھ ہم بولیں'' بے حد پسند آیا بڑی مزے کی سٹوری تھی ام اقصیٰ پلیز اب آپ طویل تحریروں کی طرف بھی آئیں، آپ لکھ سکتی ہیں، زارا ہنجرا کا افسانہ ''محبت بڑھتی جائے گی'' بھی اچھی لگی، قرۃ العین رائے اور شمسہ الطاف بھی بہتر لگی، مستقل سلسلے سبھی بہترین تھے خصوصاً دستر خوان اور آپ کی محفل، کس قیامت کے یہ نامے، کی کیا ہی بات ہے، فوزیہ آپی پلیز مدیحہ تبسم، سندس جبیں، فوزیہ غزل وغیرہ کو ڈھونڈ کر لائیں پلیز ہم ان کو پڑھنا چاہتے ہیں۔

رابعہ سعید اس محفل میں خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ ام مریم کی تحریر جوں جوں آگے بڑھ رہی ہے اس میں اتار چڑھاؤ آ رہے ہیں بس آپ ذرا کہانی کو آگے بڑھنے دیں انشاء اللہ آپ کی توقع پر پوری اترے گی، سباس گل تحریر لکھتے وقت ایک ایک جزئیات کا خیال رکھتی ہیں، وہ کہانی کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں رہنے دیتی یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان کی تحریر طویل لگی، بہرحال آپ کی رائے ان تک پہنچائی جا رہی ہے آپ کی آواز پر سندس جبیں اس ماہ تشریف لے آئی ہیں، انشاء اللہ باقی سب بھی فرصت ملتے ہی حنا کے چمن کو مہکانے آ جائیں گی اپنی تحر
سے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا
انتظار رہے گا شکریہ۔

عشاء بھٹی: ڈی جی خان سے لکھتی ہیں۔

شمارہ اس بار حسب خلاف لیٹ ملا، سر
انتہائی دیدہ زیب و دلکش تھا، ماڈل کافی کی
لگ رہی تھی، سب سے پہلے حمد و نعت
پیارے نبی کی پیاری باتوں سے دل کو منور کیا
''کچھ باتیں ہماریاں'' میں انٹری ماری جہ
ہمیشہ کی طرح طاہر بھائی کی باتوں نے دل کو
لیا، مکمل ناول میں ''آرزوئے محبت'' اعنبر
ابدال ''جب وہ مہربان'' حمیرا نوشین دونوں
اچھی کاوش تھی ویری ویلڈن، ناولٹ میں سبا
گل کی ''مجھے عشق ہے'' میں نے بھی دل چھو
ندا حسین، قرۃ العین سکندر سبھی نے اچھا لکھا ق
العین رائے خوش آمدید، آپ کو دیکھ کر دل خوش
گیا، آپ تو میری فیورٹ رائٹر میں سے ایک
ہیں، سلسلے وار ناولوں میں ''امید صبح و جمال''
مریم کی اچھی کاوش ہے، ویلڈن مریم جی، سد
المنتہیٰ کی ''اسیر عشق'' کی تعریف واقعی میں سور
کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، سدرہ
آپ کو میں سیلوٹ پیش کرتی ہوں اور افسان
اپنی مثال آپ تھے، مستقل سلسلے سبھی اچھے تھ
فوزیہ غزل جی کہاں ہیں، آپ جلدی سے
جائیں میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں، آپ
حنا میں چار چاند لگا دیا کرتیں تھیں، پلیز اب اد
انتظار مت کروائیں۔

عشاء بھٹی ستمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا
شکریہ، آپ کی رائے مصنفین کو پہنچائی جا رہی
ہیں، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں شکریہ۔

فیروزہ امین: خانیوال سے لکھتی ہیں۔

اپنی ستمبر کا شمارہ ٹھیک ٹائم پر مل گیا تھا، ٹائٹل

پسند آیا، اسلامیات اور انشاء نامہ کے بعد اپنی پسندیدہ مصنفہ سدرہ کے ہاں پہنچے اور پڑھنے لگے ''اسیر عشق'' واہ کیا بات ہے اس قسط کی بہت شاندار آپی لگتا ہے کہانی اب سمٹتی جارہی ہے، ام مریم کا ناول ''امید صبح وجمال'' میں بھی کہانی اب کھل رہی ہے، سب کردار بہترین ہیں آپی اس ماہ جو تحریر سب سے بہترین لگی اور اپنی طرف متوجہ کیا وہ تھی ندا حسین کا ناولٹ ''قربت ہجر میں محبتیں'' بہت خوب بہت خوب کیا شاندار تحریر لے کر آئیں ندا حسین، ندا حسین آپ مبارک باد کی مستحق ہیں، یقیناً آگے چل کر بھی یہ تحریر مزید دلچسپ ہوتی جائے گی۔

بقیہ تحریروں میں سباس گل نے بھی متاثر کیا، اعنبرین ابدال کی تحریر بھی بہترین رہی بلکہ حمیرا نوشین کچھ خاص متاثر نہ کر سکیں، بقیہ سلسلے بھی بہترین تھے۔

فیروزہ امین خوش آمدید اس محفل میں، ستمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

سماراالنعم بھٹی: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

ستمبر کا حنا شکر ہے کہ وقت پر مل گیا جبھی تبصرہ حاضر خدمت ہے، حسب معمول حنا کا ٹائٹل بہترین تھا، اسریٰ بیلجیک المعروف حلیمہ سلطان سے سجا اس سال کا بیسٹ لگا، کیونکہ آپی میں بھی ارطغرل فینز میں شامل ہوں، اس کے بعد فہرست چیک کی ٹھنڈی سانس بھرتی ''کچھ باتیں ہماریاں'' میں پہنچی جہاں جنگ ستمبر کا تذکرہ تھا افواج پاکستان کو ہمارا بھی سلام پہنچے، سردار طاہر محمود صاحب کی والدہ کی برسی مجھے یاد تھی دعا ہے کہ اللہ انہیں اور سردار صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین، حمد و نعت ہو یا پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا شمارے میں کہانیوں میں آغاز ام مریم کی تحریر سے کیا یہ قسط مریم کے مخصوص اسٹائل میں تھی اور بہترین تھی معیز بیچارے کے حالات جو اللہ اللہ کر کے ٹھیک ہونے جارہے تھے ایک بار پھر ڈانو ڈول ہونے کو ہیں، میری فیورٹ سدرہ جی کی ''اسیر عشق'' اپنے سحر میں گرفتار رکھے ہوئے ہے، کس قیامت کے یہ نامے میں سدرہ جی پر آپ کی رائے سو فیصد درست ہے، اب خطوں پر آہی گئی ہوں تو سب سے پہلے میری تحریر کچھ اس طرح کو پسند کرنے پر تمام قارئین کا شکریہ ادا کرتی ہوں، خاص طور پر اقراء الیاس کا اقرا آپ اتنی توجہ سے پڑھتی ہیں اور بھرپور تبصرہ کرتی ہے جب آپ کے افسانے شائع ہوتے تو میں بھی سب سے پہلے آپ ہی کے افسانے پڑھنے کی کوشش کرتی ہوں، فوزیہ آپی کی طرح مجھے بھی تمہاری تحریروں کا انتظار ہے، بہرکیف مکمل ناول میں ''جب وہ مہربان ہوا'' حمیرا نوشین کی تحریر پسند آئی، ناولٹ ''مجھے عشق ہے'' سباس گل کافی عرصہ بعد طویل تحریر کے ساتھ نظر آرہی ہیں، دونوں قرۃ العین صاحبہ کی کہانیاں بہترین تھیں، افسانے تقریباً سب ہی نے اچھے لکھے چاہے وہ ام اقصیٰ ہو یا زارا ہنجرا سب کے پسند آئے، شمسہ الطاف کی اسٹوری ''عید کی شام'' بس گزارے لائق تھی، انشاء نامہ غزل پر مشتمل تھا، باقی مستقل سلسلے اس مرتبہ از حد پسند آئے چاہے وہ حنا کا دستر خوان ہو یا رنگ حنا، یا پھر حاصل مطالعہ سب بہترین تھے اور فوزیہ آپی آپ کے جوابات تو ہوتے ہی اپنائیت بھرے اور پرخلوص ہیں جبھی کس قیامت کے یہ نامے میں خطوط لکھتی ہیں بہنیں۔

سماراالنعم بہت شکریہ آپ کی محبت کا حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ہمارے لئے بے حد اہم ہے آگاہ کرتی رہا کریں شکریہ۔☆☆

شگفتہ شگفتہ
رواں دواں
ابن انشاء
اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں
اردو کی آخری کتاب
خمار گندم
دنیا گول ہے
آوارہ گرد کی ڈائری
ابن بطوطہ کے تعاقب میں
چلتے ہو تو چین کو چلیے
نگری نگری پھرا مسافر
دخل در معقولات
بقلم خود
ہر اچھے بک سٹال سے یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 37310797